خاکِ کربلا
صاحبزادہ سید افتخار الحسن زیدی
مکتبہ نوریہ رضویہ

خاکِ کربلا

صاحبزادہ سید افتخار الحسن زیدی

مکتبہ نوریہ رضویہ
گلبرگ اے فیصل آباد

تزئین واہتمام

سیّد حمایت رسول قادری

نام کتاب	....	خاکِ کربلا
مصنف	....	صاحبزادہ سیّد افتخار الحسن رحمۃ اللہ علیہ
کمپوزنگ	....	الحسین کمپوزنگ سنٹر لاہور
صفحات	....	۳۲۰
اشاعت	....	جون ۲۰۰۵ء ، اگست ۲۰۰۹ء
تعداد	....	۱۱۰۰
مطبع	....	اشتیاق اے مشتاق پریس لاہور
ناشر	....	مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
قیمت	....	-/165 روپے

فہرست مضامین

انتساب

غمِ حسین میں رونے والی
چشمِ گریاں کے نام!

(افتخار الحسن)

عرض ناشر

''خاک کربلا'' ظلم وستم، جورو جفاء، وحشت انسانی کے ان کربناک واقعات کا مجموعہ ہے جو رسوائے زمانہ، ننگ خلائق یزید پلید اور اس کے ساتھیوں کے سبب سے خانوادۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش آئے۔

کرب وبلا کی زمین پر رونما ہونے والے ان واقعات کو جناب صاحبزادہ سید افتخار الحسن صاحب نے پوری صحت کے ساتھ جمع کیا ہے۔ آپ کی شخصیت ایک بلند پایہ خطیب اور بلند ہمت ادیب کی حیثیت سے پوری دنیا میں مانی ہوئی ہے۔ جہاں آپ کے قلم نے ظلم واستبداد کی داستان کو رقم کیا ہے وہاں اس داستان کو دہرانے والے انسانوں کا عبرتناک اور بھیانک انجام بھی تحریر کیا ہے۔

''خاک کربلا'' آج سے ربع صدی قبل تحریر کی گئی تھی اور لاکھوں کی تعداد میں چھپ کر چشم گریاں کی تراوت کا سامان بنتی رہی ہے۔ وہ کتاب ''خاک کربلا'' نامکمل تھی لیکن آج تک اپنے حسن تحریر اور انداز نگارش سے یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ اس میں کوئی خامی موجود ہے۔ موجودہ کتاب ''خاک کربلا'' مکمل اور جدید تزئین سے شائع کرنے کے لئے محترم مؤلف نے ہمارے ادارہ کی عزت افزائی کرتے ہوئے جملہ حقوق عطا فرمائے ہیں جس کے لئے ادارہ محترم شاہ صاحب کا انتہائی شکر گزار ہے اور رب العزت سے دعا گو ہے کہ وہ ہماری اس سعی ناتمام کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین۔

خاکپائے آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سیّد حمایت رسول قادری

عرض مصنف

مکتبہ ''رشد وہدایت'' کی یہ تیسری پیشکش ''خاک کربلا'' قارئین کے پیش خدمت ہے۔

رب العزت کے اس احسان عظیم کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے میری قلم میں یہ زور پیدا کیا کہ آج میں اپنی قلم کے ذریعے دربار اہل بیت آستانہ عترت پیغمبر اور کاشانہ خاندان نبوت میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

جس وقت میں نے تصنیف و تالیف کا یہ سلسلہ شروع کیا تھا تو اس وقت میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ میرا یہ مکتبہ ''رشد وہدایت'' عقائد کے اندھیروں میں کھو جانے والے مسلمانوں کے لئے ایک شمع رشد وہدایت بن جائے گا۔ اور عوام پروانوں کی طرح اس پر اٹمڈ پڑیں گے۔

مگر یہ سب میرے مرشد لاثانی کا صدقہ، والد مرحوم کا فیض اور والدہ مرحومہ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ میری پہلی دو کتابیں ''مقامات نبوت'' اور ''اللہ کے شیر'' مقبول عام ہو چکی ہیں۔ اور ضلالت وگمراہی کے اندھیروں میں رشد وہدایت کی روشنی تلاش کرنے والوں او فسق وفجور کے سمندر میں حق وصداقت کے ساحل کی تمنا رکھنے والوں نے میری حوصلہ افزائی کرکے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس مادہ پرستی کے دور اور فحاشی وعیاشی کے زمانے میں اگر فحش افسانے، اخلاق سوز ناول اور گندی کہانیاں پڑھنے والے ہیں تو ان کے مقابلہ میں اپنی روحانیت کی حفاظت، عقائد حقہ کی رکھوالی اسلامی دل ودماغ کی نگہبانی اور اپنی مذہبی ودینی روایات واعتقادات کو زندہ رکھنے والے بھی موجود ہیں جو اپنی راہنمائی کے لئے کسی مرد درویش یا پاکیزہ تصنیفات کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ میرا یہ سلسلہ پیاسوں کیلئے چشمہ فیض اور بیماروں کے لئے دار الشفاء بن چکا ہے۔

خاک کربلا!

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ چمنستان زہرہ رضی اللہ عنہا کے نونہالوں کی مظلومیت کی ایک پردرد داستان ہے اور اہل بیت اطہار کے لیے بے کسی و بے بسی کا ایک پرسوز باب آل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تنہائی و مظلومی کی غم کی ایک تصویر ہے اور راکب دوش مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت عظمیٰ پر آنسوؤں کا ایک سمندر۔

میدان کربلا کے حق و باطل کے خونی معرکے کا ایک الم ناک نقشہ ہے اور فسق و فجور اور رشد و ہدایت کی جنگ کا ایک غمناک خاکہ بی بی زینب کے جلتے ہوئے خیموں کا دھواں ہے اور نواسۂ رسول کے میدان کربلا میں دوڑنے والے گھوڑے کے قدموں کا غبار۔

واقعات کربلا اور شہادت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، کا تاریخی پس منظر اور اس کے اسباب کو اگر تفصیل سے لکھا جائے تو اس کے لئے ایک پوری کتاب کی ضرورت ہے مگر میں نے تاریخ واقعات کربلا اور اسباب شہادت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ لکھنے سے قصداً اجتناب کیا ہے اس لئے کہ جب میں اس تاریخ اور اسباب پر نظر ڈالتا ہوں تو بنی ہاشم اور بنی امیہ کے درمیان چمکتی ہوئی تلواروں کی جھنکار اور تاریخ اسلام کے صفحات پر خون کے چھینٹوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا اور میں کبھی قرآن پاک پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، کے خون کے دھبے دیکھتا ہوں اور کبھی کوفہ کی جامع مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پشت پر زہر آلود خنجر پیوست ہوتا دیکھتا ہوں اور جنگ جمل میں مجھے ایک طرف ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اونٹ پر سوار نظر آتی ہیں۔ اور دوسری طرف امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں شمشیر حیدری نظر آتی ہے اور جنگ صفین میں ایک طرف منبع ولایت شیر خدا کو دیکھتا ہوں اور دوسری طرف کاتب وحی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، کو اور کبھی مجھے زہر کے اثر سے شہزادۂ کونین حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ، کے جگر کے ٹکڑے کٹ کٹ کر طشت میں گرتے نظر آتے ہیں اور کبھی کوفہ کی جامع مسجد کے مقدس منبر پر عترت پیغمبر کو گالیوں کی آواز سنائی دیتی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایسا کیوں ہوتا رہا اور کس لئے ہوتا رہا اور کیا یہ واقعات

وحادثات واقعی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے اسباب تھے؟

ہمارے بعض مؤرخوں اور مصنفوں نے بنی ہاشم اور بنی امیہ کی باہمی منافرت کو اور خلافت اسلامیہ کے لئے اپنے آپ کو حق دار سمجھنے پر ان واقعات کو نواسۂ رسول اکرم علیہ السلام کی شہادت کے اسباب بنا کر میری ذاتی رائے میں تاریخ اسلام پر ظلم کیا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اگر یہ تمام واقعات رونما نہ بھی ہوتے اور اگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے شہید نہ بھی کیا جاتا اور اگر جنگ صفین اور جنگ جمل نہ بھی ہوتی تو بھی حضرت شبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت ہو کے رہتی۔ اس لئے کہ جب مخبر صادق سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں ہی اپنی زبان پاک سے کئی سال پہلے ہی فرما دیا تھا کہ اس میرے بچے حسین رضی اللہ عنہ کو میری ہی امت شہید کرے گی اور پھر حضرت جبریل نے کملی والے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کربلا کی سرخ مٹی بھی لا کر دکھادی تھی اور ایک بوتل میں مظلوم کربلا اور آپ کے ساتھیوں کا خون بھی پیش کر دیا تھا تو پھر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اس مرتبۂ شہادت پانے میں دنیا کی کوئی طاقت بھی نہیں روک سکتی تھی اور جب احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ تمام چیزیں ثابت ہیں۔ تو پھر وہ تمام اعتراضات بھی رفع ہو جاتے ہیں جو بعض لوگ اپنے بغض وعناد کی بناء پر امام عالی مقام پر کر کے آپ کو درجۂ شہادت سے بھی گرانا چاہتے ہیں۔

الغرض شہادت حضرت امام حسین ایک فطری عطیہ تھا جو ازل سے ہی آپ کی ذات کے لئے لکھا جا چکا تھا اور میری ذاتی رائے میں تو حق و باطل کا یہ خونیں معرکہ ہونا ضروری تھا اس لئے کہ ابتدائے آفرینش سے لے کر اسلام کے سنہری زمانے تک اللہ تعالیٰ کی راہ میں جتنے بھی جہاد ہوئے اور جتنی بھی قربانیاں دی گئیں۔ ان کی حیثیت ایک شخصی اور انفرادی ہوا کرتی تھی۔ اجتماعی طور پر کسی بھی نبی کے پورے خاندان نے کسی جہاد میں یا قربانی میں حصہ نہیں لیا تھا۔ اول تو جب بھی کبھی خدا کی راہ میں قربانی دینے کا وقت آیا تو وہ پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکی۔

مثلاً حضرت ابراہیم کو جب آتش نمرود کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں پھینکا گیا تو وہ بڑے صبر و سکون اور استقلال و ثابت قدمی سے اس میں کود پڑے۔ لیکن خداوند تعالیٰ نے

اسی آگ کو یَانَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ کی آواز دے کر ٹھنڈا کر کے آگ کے انہیں شعلوں کو پھولوں کا باغ بنا دیا۔

اور پھر جب حضرت اسماعیلؑ کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لئے خلیل اللہ نے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے ہی لخت جگر کے نازک سے گلے پر چھری رکھی تو یہاں بھی اللہ تعالےٰ نے:۔
وَنَادَیْنَاهُ اَنْ یَّاِبْرَاهِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا کَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ
فرما کر چھری کو چلنے سے روک دیا اور پھر جب حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کی راہ میں پھانسی کے لیے تختے پر لٹکا دیا گیا تو یہاں بھی رب العزت نے وَمَا قَتَلُوْهُ یَقِیْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ کہہ کر ان کو آسمان پر زندہ اٹھا لیا کہ انہوں نے یقیناً حضرت عیسیٰؑ کو قتل نہیں کیا بلکہ خدا تعالیٰ نے ان کو آسمان پر اٹھا لیا۔

ان تمام واقعات قرآنیہ سے یہ بات پوری طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ اب تک کسی پیغمبر کے پورے خاندان نے کسی بھی جہاد میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا اور اگر ذاتی اور انفرادی طور پر کسی نبی نے اللہ کی راہ میں قربانی دینے کے لئے کوئی قدم اٹھایا بھی تو اس کو راہ ہی میں روک لیا گیا۔
لیکن جب اسوۂ ابراہیمی کو زندہ کرنے کا وقت آ گیا۔ اور وَفَدَیْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ کی عملی تفسیر کرنے کا وقت آ گیا تو پھر میدان کربلا کے حق و باطل کے خونی معرکے میں اور یزید کے فسق و فجور کے خلاف جہاد میں خاندان نبوت کے زن و مرد بال بچوں اور بوڑھوں اور جوانوں نے حصہ لیا۔ بی بی زینب نے حصہ لیا بی بی شہر بانو نے حصہ لیا۔ بچی سکینہ نے حصہ لیا۔ عون و محمد نثار ہوئے۔ قاسم قربان ہوا۔ عباس کے بازو قلم ہوئے۔ جوان اکبر کی لاش پر گھوڑے دوڑے اور شیر خوار اصغر کے حلق پر تیر لگا اور اس طرح زمین کی آغوش جن کے پاک خون سے ابھی تک خالی تھی کربلا کا میدان اس کے خون سے سیراب ہو گیا۔
غرضیکہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت عظمیٰ کا واقعہ کوئی انفرادی یا شخصی واقعہ نہیں ہے بلکہ نبوت کے پورے خاندان کا واقعہ ہے اور اس کا تعلق اسلام کی اصل حقیقت سے ہے۔ دین کی اصل روح سے ہے۔ اور مذہب کی اصلی جڑ سے ہے یعنی اس حقیقت اور اس روح سے ہے کہ جس کی ابتداء حضرت اسمٰعیلؑ کی ذات سے ہوئی تھی اور حضرت شبیر نے میدان کربلا میں

اپنی سرفروشی سے اس کی تکمیل کر دی اور اگر نواسہ رسول ﷺ کی شہادت کے اسباب پر نظر ڈالی جائے تو مجھے اس کا ایک ہی سبب نظر آتا ہے اور وہ ہے یزید کی شخصی حکومت، اس کا غیر اسلامی نظام اس کا فسق و فجور اس کا اسلام کی حدوں کو توڑنا اور اس کی شریعت مصطفیٰ ﷺ سے بغاوت اور یزید نے حکمران بننے کے بعد جب یہ سب کچھ کرنا شروع کر دیا تو امام عالی مقام کی غیرت ایمانی یہ برداشت نہ کر سکی کہ کوئی شخص اسلام کے نام پر حکومت لے کر پھر اسلام کی ہی حدوں کو توڑے۔ اس لئے انہوں نے ارادہ کر لیا کہ میرے نانا مصطفیٰ علیہ السلام کی وہ خلافت الٰہیہ کی مقدس امانت جو یزید کے ہاتھوں برباد ہو رہی ہے اگر میری اور میرے بال بچوں کی قربانی سے بچ سکتی ہے تو پھر ایک اکبر نہیں سینکڑوں اکبر اور ایک اصغر نہیں ہزاروں اصغر اور ایک حسین نہیں لاکھوں حسین اس مقدس امانت کی رکھوالی کے لئے قربان۔

اور پھر اگر بنی ہاشم اور بنی امیہ کی باہمی دشمنی پر غور کیا جائے تو یہ دشمنی رسول اکرم ﷺ کے وصال پاک کے بعد خلافت کے جھگڑے سے ہی شروع نہیں ہوتی بلکہ اس کی ابتداء تو اس وقت ہو چکی تھی جب کہ نبی کریم ﷺ کے پردادا ہاشم کے والد عبد مناف کے ہاں دو ایسے بچے پیدا ہوئے۔ جن کی پیٹھیں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی تھیں اور ان کے نام ہاشم اور امیہ تھے تو عبد مناف نے جب یہ دیکھا کہ ایسی حالت میں ان دونوں کا زندہ رہنا مشکل ہے تو انہوں نے سوچا کہ ان کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیا جائے شاید ایک بچ جائے۔

چنانچہ ہاشم اور امیہ کو تلوار سے علیحدہ کر دیا گیا۔ مگر اللہ کی قدرت کہ یہ دونوں زندہ رہے اور پھر ان دونوں کا شجرۂ نسب اس طرح چلا۔ (شجرہ دوسری طرف ملاحظہ فرمائیں)

عبدمناف

ہاشم		امیہ
عبدالمطلب		حرب
ابوطالب	عبداللہ	ابوسفیان
علی	سیدالمرسلین علیہ السلام	معاویہ
حسن وحسین	بی بی فاطمہ	یزید

اس شجرۂ نسب سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جس تلوار کی ابتداء ہاشم اور امیہ کو علیحدہ کرتے وقت ہوئی تھی اس کی انتہا کربلا کے میدان میں ہوئی اور عبد مناف کے دامن پر ہاشم کے خون کے جو چند قطرے گرے تھے۔ کربلا کے میدان میں ہاشمی شہزادوں کے خون کے دریا بن گئے اور وہ تلوار جو دونوں بھائیوں کو جدا کرتے وقت تشنہ رہ گئی تھی کربلا میں اس کی پیاس بجھ گئی اور ہاشم آگے چل کر بنی ہاشم کہلایا اور پھر آگے بڑھ کر آل رسول، عزت پیغمبر اور اہل بیت اطہار ہوا۔ اور پھر ان کے گھر قرآن نازل ہوا۔ جبریل نے ان کی دربانی کی، فرشتوں نے ان کا جھولا جھلایا۔ حوروں نے ان کی شان میں قصیدے پڑھے۔ رضوان جنت نے ان کی راہ میں پھول بکھیرے اور خود خدا نے ان کی شان میں آیت تطہیر نازل فرمائی اور پھر یہی گھرانہ خاندان نبوت کہلایا اور انہیں نفوس قدسیہ کو کائنات کی ہدایت کے لئے چنا گیا اور انہیں پاک ہستیوں کے ہر ایک نقش قدم کو سیدھے راستے سے بھٹکے ہوئے انسانوں کے لئے مشعل راہ بنایا گیا اور سچ پوچھو تو یہ ساری کائنات انہیں کے جلووں کا ایک پرتو ہے۔ انہیں کے حسن و جمال کی جلوہ ریزی ہے انہیں کے رخ انور کی ضیاء پاشی ہے اور انہیں کی ذات کا ظہور ہے۔

اور امیہ! جس کے دل میں کعبہ کی تولیت کے معاملے میں ایسی آگ بھڑکی کہ اس کے شعلے پھر صدیوں تک اٹھتے رہے۔ بعد میں بنی امیہ کہلایا۔ ابوسفیان اس کا پڑپوتا تھا!

کون ابوسفیان؟

جو اسلام لانے سے قبل اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ دین کا سب سے بڑا مخالف تھا اور شہنشاہ دو عالم ﷺ کا سب سے بڑا بدخواہ تھا اور اسلام و کفر کا کوئی معرکہ ایسا نہیں اور حق و باطل کی کوئی جنگ ایسی نہیں جس میں ابوسفیان نے بڑھ چڑھ کر حصہ نہ لیا ہو۔ اور پھر وہ ہندہ جس نے جنگ احد میں نبی کریم ﷺ کے حقیقی چچا حضرت امیر حمزہ کا کچا کلیجہ چبا کر فخر محسوس کیا تھا۔ اسی ابوسفیان کی بیوی تھی اور یزید جس نے خلافت الٰہیہ کو تباہ کیا۔ جس نے قرآنی احکامات کی خلاف ورزی کی۔ جس نے شریعت کی حدوں کو توڑا اور پھر جس نے چمنستان زہرہ کو لوٹا اسی ابوسفیان کا پوتا تھا۔ اس حسب و نسب کو دیکھنے کے بعد انصاف پسند

نگاہیں دیکھ سکتی ہیں۔ اور منصف مزاج دل جان لیتے ہیں۔ کہ حق پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تھے یا یزید! اور اسلام کے باغ کا رکھوالا اور شریعت مطہرہ کا محافظ ہاشم کا گھرانہ تھا یا امیہ کے خاندان کا ایک فاسق و فاجر بادشاہ؟

مجھے اس کی تفصیل لکھنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ:۔

عقائد میں کسی کے دخل دینے کی ضرورت کیا؟
قیامت پر بھی کوئی فیصلہ باقی تو رہنے دو

آخر میں میں قارئین خاک کربلا کی خدمت عالیہ میں دردمندانہ درخواست کرتا ہوں کہ اس مقدس موضوع اور نازک سے واقعات لکھنے میں مجھ سے اگر کوئی غلطی ہوگئی ہو تو اسے جرأت رندانہ سمجھ کر معاف فرمادیں۔

(افتخار الحسن)

پیش لفظ

فضائل اہل بیت اطہار، واقعات کربلا اور شہادت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، کے مقدس اور نازک موضوع پر خامہ فرسائی کرنا گویا اپنی کم علمی کا چراغ جلا کر آفتاب کو دکھانے کے مترادف ہے اور اپنی دیوانگی کے اظہار کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر چہ اس سے پہلے بھی اس پاکیزہ اور دردناک موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس بہت کچھ لکھے جانے کے باوجود بھی کچھ نہیں لکھا گیا اور جو کچھ لکھا گیا ہے وہ حرف اول کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ مناقب وفضائل، عبادت وسخاوت، صبر ورضا اور مصائب وشہادت کے لحاظ سے یہ موضوع اپنے اندراتنی وسعت رکھتا ہے کہ اگر ہر روز ایک کتاب بھی لکھی جائے تو بھی منزل کی طرف پہلا قدم ہوگا۔ اور اسلام کی کتاب کا یہی ایک ایسا حسین اور پر درد باب ہے کہ جس کو بیان کرنے کے لئے خطیبوں کا جوش بے معنی اور مصنفوں کا زور قلم عاجز ہے۔

فلسفیوں کا فلسفہ فیل اور نکتہ وروں کی نکتہ دانی معذور ہے۔ بھلا وہ جو بسم اللہ کی ب کا نقطہ ہو۔ اس کی ذات کے نقطے کو کون سمجھے اور جس کی سواری دوش مصطفیٰ ہو۔ جبریل جن کے دروازے کا گدا ہو۔ قرآن جن کا مدح سرا ہو اور بارگاہ الٰہی سے چادر تطہیر جن کو عطا ہو تو پھر ایسے دربار عالیہ میں مجھ جیسا ایک فقیر بے نوا عقیدت کے چند پھولوں کے سوا اور کیا پیش کر سکتا ہے۔

زمانے کے انقلابات اور وقت کے دھاروں میں بہہ جانے والے نظریات کے ساتھ ساتھ جہاں عالمی سیاست ہر روز ہزاروں کروٹیں لے رہی ہے۔ اور انسانیت وآدمیت اور امن وسلامتی کے لئے ایک مستقل خطرہ بنتی جارہی ہے وہاں اسلامی جمہوریہ پاکستان میں کچھ ایسے لوگ بھی پیدا ہو چکے ہیں جو اسلام کی صحیح روایات اور دین کے سچے اعتقادات کو ختم

کر کے ایک نیا اسلام، جدید مذہب، عجیب دین اور اپنی مرضی کے فضول سے اعتقادات مسلمانوں پر ٹھونس کر ان کو ضلالت و گمراہی کے غاروں اور فسق و فجور کے اندھیروں میں لے جانا چاہتے ہیں اور ایسی خرافات سے نہ صرف یہ کہ اسلامی روایات اور دینی اعتقادات کو ہی نقصان پہنچ رہا ہے بلکہ مسلمانوں کی متاع ایمان بھی لوٹی جا رہی ہے۔

چنانچہ تھوڑے ہی عرصے کی بات ہے کہ محمود عباسی نے ایک کتاب خلافت معاویہ و یزید کے نام سے شائع کی جس میں مصنف نے خارجی گروہ کی ترجمانی کرتے ہوئے اولاد سیدہ فاطمۃ الزہراؓ اور حضرت امام حسینؓ کو حرف تنقید بنایا ہے اور یزید کو رحمۃ اللہ علیہ لکھا ہے اور اس کی شخصی حکومت کو خلافت حقہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ کتاب شائع ہوئی۔ بازار میں آئی۔ مسلمانوں نے پڑھی۔ محبان اہل بیت نے پڑھی تو دلوں میں اضطراب اور آنکھوں میں خون اتر آیا اور پھر سارے ملک میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ جلسے ہوئے، جلوس نکلے اور ہر طرف سے اس کتاب کی ضبطی کا مطالبہ ہونے لگا اور پھر حکومت نے مسلمانوں کے اس اجتماعی اور متفقہ مطالبے کو منظور کرتے ہوئے کتاب ضبط کر لی اور اس کی نشر و اشاعت پر پابندی لگا دی۔

لیکن ابھی اس زہر آلود تیروں کے زخم بھرنے بھی نہ پائے تھے کہ ابو یزید محمد دین بٹ لاہوری نے رشید ابن رشید کے نام سے ایک کتاب شائع کر کے مسلمانوں کے ان زخموں پر نمک پاشی کی اور اس کتاب پر بائیس خارجی مولویوں کے دستخط ہیں جن کے نام آگے آئیں گے۔

اس کتاب میں مصنف نے اپنی قلبی شقاوتوں، دشمنی آل رسول اور بغض اہلبیت کے پیش نظر عترت پیغمبر کی آبرو، حضرت علی کے تقدس اور حضرت امام حسینؓ کی عظمت پر رکیک حملے کر کے اہل بیت کی چادر تطہیر کو اپنے دل کے بغض و عناد کی سیاہی سے داغدار کیا ہے اور یزید کو امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین، پیدائشی جنتی، شہادت امام پاک سے بری الذمہ اور رضی اللہ تعالیٰ عنہ، لکھ کر حضرت علی کو فاسق و فاجر خلیفۂ ناحق اور نواسۂ رسول کو حکومت کا باغی، فتنہ پرور اور دین کا دشمن قرار دیا۔ العیاذ باللہ! نقل کفر کفر نباشد!

چونکہ یہ موضوع بڑا ہی نازک تھا اور واقعہ بڑا ہی دردناک، اس لئے میں نے اس سے پہلے بھی کئی بار ارادہ کیا کہ دربار خاندان نبوت میں اپنی متاع مفلسانہ پیش کروں۔ لیکن موضوع کی نزاکت ولطافت اور واقعات کے دردوسوز کے پیش نظر جرأت نہ کرسکا

ارادے باندھتا تھا باندھ کر پھر توڑ دیتا تھا
کہیں ایسا نہ ہوجائے کہیں ویسا نہ ہوجائے

لیکن آج جبکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان مین خارجی گروہ دشمنی اہل بیت میں اپنے دل و زبان سے پوری طاقت کے ساتھ مسلح ہوکر ہندوستان کے ایک بزدل سپاہی کی طرح میدان میں نکل آیا ہے اور اس نے عترت پیغمبر کی عظمت کو خطرے میں ڈال کر مسلمانوں کی غیرت ایمانی کو للکارا ہے تو پھر میری بھی قوت ایمانی اور غیرت دینی نے آواز دی کہ اٹھ اور پہلے اپنے دل کا کاسۂ گدائی لے کر آستانۂ اہل بیت سے علم وعمل کی بھیک مانگ اور پھر "خاک کربلا" کی صورت میں ایک ایسی شمع روشن کر جو بداعتقاد مولویوں اور بدنہاد مصنفوں کی گمراہ کن تقریروں اور تحریروں سے پیدا ہونے والے اندھیروں میں اجالا کردے اور قدم آگے بڑھا اور یزید کے بت خانہ میں یا علی رضی اللہ عنہ ویا حسین رضی اللہ عنہ کی آوازیں بلند کرتا کہ یزید کے ان پجاریوں، ابن زیاد کے ان حواریوں، عمرو بن سعد کے ان پرستاروں اور شمر کے ان چیلوں کا ایک ایک بت حق یا علی رضی اللہ عنہ وحق یا حسین رضی اللہ عنہ کے کفر توڑ نعروں سے پاش پاش ہوکر ہمیشہ کے لئے نیست ونابود ہوجائے اور اے شمع حسین حضرت شبیر کے پروانے اور آل نبی کے دیوانے اٹھ اور چمنستان اہل بیت اطہار کی حفاظت کے لئے اپنی عقیدت کے تاروں سے ایک ایسی باڑھ تیار کرتا کہ گلستان زہرا سے پھولوں کو توڑنے والے ظالم انسانوں کا دامن تاروں سے تارتار ہوجائے اور میں محبان اہل بیت کی خدمت میں بھی دردمندانہ درخواست کروں گا کہ اے غم حسین میں رونے والو! اور اے شہادت امام پاک پر ماتم کرنے والو اٹھو! جاگو۔ اور ہوش کرو اور ان گستاخ مولویوں کی زبانوں پر مہریں لگادو اور ان بے ادب مصنفوں کی قلموں کو توڑ دوتا کہ آئندہ ہماری آنے والی نسلیں گلستان فاطمہ کے سدا مہکنے والے پھولوں کی خوشبو سے اپنے دل ودماغ کو معطر کرتی رہیں۔ لیکن افسوس تو یہ ہے کہ تعزیرات پاکستان میں ایک سپاہی کی عزت کی حفاظت کا قانون تو ہے۔ مگر ناموس

رسالت، عظمت صحابہ، آبروئے اہل بیت اور مقام اولیاء کی حفاظت کا کوئی قانون نہیں ہے اگر قانون کی دفعات میں کوئی ایسی دفعہ بھی ہوتی جس کی رو سے بزرگان عظام کی عظمت کی نگہداشت ہوسکتی تو آج اس ملک میں کچھ فضول قسم کے لوگ اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے اس قسم کی گمراہی نہ پھیلاتے۔

سنا تھا کہ حکومت پاکستان نے ان دونوں کتابوں کو ضبط کرلیا تھا اور ان کی نشر و اشاعت پر پابندی لگادی تھی مگر اب سنا ہے کہ قانونی سقم کی بنا پر ان دونوں کتابوں کو پھر آزاد کر دیا گیا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو میں حکومت پاکستان سے پر زور درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنے اس فیصلے پر نظر ثانی کرتے ہوئے ان کو پھر ضبط کرے۔ تاکہ یہ خطرناک چنگاری یہیں دب جائے ورنہ بہت ممکن ہے کہ یہی چنگاری کسی وقت بھڑکتے ہوئے شعلے بن کر سارے ملک کے امن و امان کو اپنی لپیٹ میں نہ لے لے۔

اصل میں یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے تحریک پاکستان کی بھرپور مخالفت کی تھی اور وہ آج بھی چاہتے ہیں کہ ملک میں کسی نہ کسی طریقے سے مذہبی انتشار پیدا کر کے اور مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر ملک کی بنیادوں کو کمزور کیا جائے اور ایسے لوگوں میں مصنف بھی ہیں اور علماء بھی اور حکومت کو ایسے مصنفوں اور علماء پر نظر رکھنی چاہیے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صداقت و شرافت مسلم۔ حضرت عمر فاروق کی جلالت و عدالت برحق۔ حضرت عثمان غنی کی ریاضت و عبادت مصدق اور حضرت علی المرتضی کی سخاوت و شجاعت تسلیم شدہ ہے اور ناموس صحابہ کرام پر حملہ کفر۔ ان کی عظمت میں شک۔ ضلالت۔ ان کی شان میں گستاخی۔ گمراہی اور ان کے فضائل کا انکار بے دینی ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ ناموس صحابہ کی آڑ لے کر کوئی شخص اہل بیت اطہار کی عزت و آبرو کو لوٹنے اور آل مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر تطہیر کو بغض و عناد کی سیاہی سے داغدار کرنے کی کوشش کرے اور فضائل اہل بیت۔ واقعات کربلا اور شہادت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، کو بیان کرنے سے یہ کہہ کر روکے کہ ایسا کرنے سے شیعوں کو تقویت پہنچتی

ہے! ایسے مکروہ۔واہیات اور باطل نظریہ کے حامل وہی خارجی لوگ ہیں جو پنجتن کو نعوذ باللہ مسلمانوں کے بڑے بت بنا کر پیش کرتے ہیں لیکن وہ نہیں جانتے کہ ایسے گمراہ کن عقیدہ سے نہ صرف دین وایمان کا جنازہ نکل جاتا ہے بلکہ انسان۔انسانیت وشرافت کی دولت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

میدان کربلا میں حق وباطل کی جنگ۔نیکی وبدی کی لڑائی۔ہدایت وضلالت کے تصادم اور حضرت امام عالی مقام کی مظلومیت وشہادت کو اگر ہم محض اسی بناء پر بیان کرنا چھوڑ دیں کہ اس سے شیعوں کو تقویت پہنچتی ہے تو پھر شیعہ حضرات یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ہم ہی محبان علی اور عاشقان اہل بیت ہیں اور نواسہ رسول کی مظلومیت وشہادت کا ہم ہی کو دکھ اور افسوس ہے۔حالانکہ شیعہ حضرات کا یہ دعویٰ غلط ہے اس لئے کہ سنی ہی اصل میں محبان اہل بیت ہیں۔

مَنْ مَّاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَاتَ عَلَی السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ

اے یزید کے کفر والحاد کو چھپانے والو۔یزید کی صفائی کی گواہی دینے والو اور یزید کو خلیفۂ برحق کہہ کر حضرت امام پاک کو باغی کہنے والے خارجیو! ذرا کوفہ کے بازاروں میں حضرت امام مسلم اور ان کے دو یتیم بچوں کی لاشوں کو تڑپتا ہوا بھی دیکھو اور پھر کربلا کے تپتے ہوئے ریگستان میں سیدہ زینب کے جگر پاروں عون ومحمد کے سروں کو تن سے جدا ہوتا بھی دیکھو۔عباس کے بازو قلم ہوتے بھی دیکھو۔اصغر کے حلق پر تیر لگتا بھی دیکھو اور بوسہ گاہ مصطفیٰ پر خنجر چلتا بھی دیکھو۔اور پھر

ذرا خیموں کے اندر مصطفیٰ کی آل کو دیکھو
جگر والو ذرا اس مرتضےٰ کے لال کو دیکھو
مفید ہے نبی کے سارے گھر کی آبرو اس میں
تڑپتا ہے زمیں پر شیر یزداں کا لہو اس میں

افتخار الحسن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

فضائل اہل بیت

خلافت اول کا جھگڑا۔ مسئلہ قرطاس میں اختلاف، باغ فدک کا نزاع اور ماتم حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، کے جائز و ناجائز میں مناظرے اسلام کے دو نامور فرقوں سنیوں اور شیعوں کے درمیان ہوتے آئے ہیں اور قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ لیکن جہاں تک اہل بیت کی محبت اور عترت پیغمبر کے ساتھ عشق کا تعلق ہے یہ دونوں فرقے اس کو اپنے لئے جزو ایمان ہی نہیں بلکہ عین ایمان سمجھتے ہیں اور یہ عقیدہ کسی افراط و تفریط پر مبنی نہیں ہے بلکہ حکم خداوندی بھی یہی ہے اور فرمان مصطفٰے بھی یہی ہے اور اس روشن حقیقت کو قرآن پاک نے جس پیارے انداز میں بیان فرمایا ہے۔ وہ مسلمانوں کے لئے باعث راحت دل و جان بھی ہے اور وجہ مضبوطی ایمان بھی۔

ہر نبی و رسول نے اپنے اپنے وقت میں اپنی قوم کو توحید باری تعالیٰ احکام الٰہیہ اور اپنی رسالت کی تبلیغ فرمائی اور ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ اس تبلیغ و اشاعت کا اجر میں تم لوگوں سے نہیں مانگتا بلکہ اس کا اجر میں اپنے اللہ سے لوں گا۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو توحید خداوندی کی دعوت دی اور اس کو ایک خدا کی عبادت کرنے کی تبلیغ فرمائی اور اس کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا تو ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا۔

وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ

کہ اے میری قوم اس تبلیغ و اشاعت کے بدلے میں تجھ سے کوئی مال و دولت نہیں مانگتا۔ بلکہ اس کا صلہ تو میرے رب کے پاس ہے۔

اور اسی طرح حضرت ہودؑ نے بھی جب اپنی قوم کو احکام خداوندی بتائے اور عبادت الٰہی کی تبلیغ فرمائی تو ساتھ ہی فرمادیا:

وَیٰقَوْمِ لَاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ

کہ اے میری قوم میں اس تبلیغ کے بدلے میں تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا مگر اس کا اجر تو میرے اللہ کے پاس ہے۔ جس نے مجھے پیدا کیا مگر پھر جب سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا وقت آیا اور آپ نے توحید باری تعالیٰ، اپنی رسالت حساب و کتاب، حشر و نشر، عذاب و ثواب اور ان کو دعوت اسلام دی اور پھر پتھروں کے پجاریوں کو ایک خدا کا پرستار بنایا اور کفر و شرک کے سمندر میں ڈوبنے والوں کو دولت ایمان عطا کر کے کنارے پر لگایا تو خداوند تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا۔

قُلْ لَّاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی

کہ اے میرے محبوب پاک ﷺ ان کو کہہ دو کہ اس تبلیغ و دعوت دینے اور تم کو دولت ایمان عطا کرنے کے صلے میں میں تم سے مال و دولت طلب نہیں کرتا البتہ تم کو کلمہ پڑھانے کا اجر میں تم لوگوں سے یہ مانگتا ہوں کہ میری اہل بیت سے محبت کرو۔

علی رضی اللہ عنہ کے قدم چومو، فاطمہ رضی اللہ عنہا کی چوکھٹ پر سر جھکاؤ، حسن رضی اللہ عنہ کا دامن پکڑو اور میرے حسین رضی اللہ عنہ کا عشق پیدا کرو۔

اس آیت پاک پر غور کرو کہ کس پیارے انداز میں خداوند تعالیٰ کی طرف سے نبی کے کلمہ پڑھانے اور دولت ایمان عطا کرنے کا صلہ اور دنیا والوں کو ضلالت و گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر رشد و ہدایت کی روشنی میں لانے کا بدلہ اور کفر و طغیان کے سمندر میں غوطہ کھانے والوں کو دین و ایمان کا سہارا دے کر کنارے پر لگانے کا اجر محبت اہل بیت۔ غلامی عترت پیغمبر اور عشق حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی صورت میں طلب کیا جا رہا ہے اور پھر اس آیت مبارکہ کے پیش نظر یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ اگر کوئی مسلمان کلمہ بھی پڑھتا ہے، روزے بھی رکھتا ہے اور نماز کا پابند بھی ہے۔ حج و زکوۃ بھی ادا کرتا ہے اور ساری ساری رات مصلے پر بیٹھ کر نفل پر نفل بھی پڑھتا ہے لیکن اس کے دل میں اہل بیت کی محبت نہیں ہے تو پھر نہ اس کے کلمے پر کوئی اعتبار ہے اور نہ ہی اس کے ایمان کی کوئی قیمت اور پھر حضرت سید المرسلین ﷺ نے اس حقیقت کو اور بھی کھول کر

بیان فرمادیا۔

(نزہت المجالس جلد ۲ صفحہ ۲۲۲ تفسیر روح البیان جلد ۳ صفحہ ۵۴۳)

مَنْ مَّاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ مُؤْمِنًا وَمَنْ مَّاتَ عَلٰی حُبِّ آلِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ شَهِيْدًا

کہ وہ شخص جو اہل بیت کی محبت میں مرا وہ مومن مرا اور جو بھی آل رسول کی محبت میں فوت ہوا وہ شہید فوت ہوا۔

وَمَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ آلِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ قَبْرَهٗ مَزَارًا لِلْمَلٰئِكَةِ الرَّحْمَةِ

اور وہ انسان جو عشق عترت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں مرا تو خداوند تعالیٰ اس کی قبر کو رحمت کے فرشتوں کے لئے مزار بنائے گا۔

وَمَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ آلِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشَّرَهٗ مَلَكُ الْمَوْتِ بِالْجَنَّةِ

اور وہ آدمی جو اہل بیت اطہار کی محبت میں مرا موت کا فرشتہ اس کی جان قبض کرنے سے پہلے اس کو جنت کی خوشخبری دے گا۔

وَمَنْ مَاتِ عَلٰی حُبِّ آلَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ عَلَی السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَتِ.

اور وہ شخص جو اہل بیت کی محبت میں فوت ہوا وہ اہل سنت والجماعت کے عقیدے پر فوت ہوا۔

وَمَنْ مَّاتِ عَلٰی بُغْضِ اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ كَافِرًا.

کہ وہ انسان جو اہل بیت کے ساتھ بغض وعناد اور عداوت و دشمنی میں مرا وہ کافر مرا اور وہ جنت کی خوشبو تک نہ پائے گا۔

وَحُرِمَتِ الْجَنَّةُ عَلٰی مَنْ ظَلَمَ اَهْلَ بَيْتِيْ

کہ جس نے میری اہل بیت پر ظلم کیا اس پر خدا تعالیٰ نے جنت حرام کر دی۔

غور کرو کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے واضح الفاظ میں کسی کے ایمان و کفر اور جنتی اور

دوزخی ہونے کا دارومدار محبت اہل بیت اور دشمنی عترت پیغمبر پر رکھا ہے یعنی محبت اہل بیت ایمان ہے، اور بغض اہل بیت کفر اور محبِ حسین جنتی ہے اور دشمن حسین جہنمی،

اور پھر نبی اکرم ﷺ نے محبت اہل بیت کو سنت والجماعت کے ساتھ وابستہ کرکے یہ بات واضح کردی ہے کہ اہل سنت والجماعت ہی ایک ایسا فرقۂ حق ہے جو صحیح معنوں میں محبِ اہل بیت ہے۔

آیت پاک میں اِلَّا الْمَوَدَّةَ ہے اِلَّا الْمَحَبَّةَ نہیں ہے یعنی میری اہل بیت سے مودت کرو۔ حالانکہ قرآن پاک میں لفظ محبت بھی ہے وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي اور مَوَدَّت کا معنیٰ بھی اگرچہ محبت ہی ہے مگر اللہ کریم نے یہاں لفظ محبت کی بجائے لفظ مودت فرمایا ہے اس لئے کہ محبت اور مودت میں فرق ہے۔ وہ یہ کہ محبت کرنے والی دو چیزیں اگر کسی وقت علیحدہ ہو جائیں تو وہ زندہ رہ سکتی ہیں مگر مودت کرنے والی چیزیں اگر کسی وقت علیحدہ ہو جائیں تو وہ زندہ نہیں رہ سکتیں۔ مچھلی کو پانی سے محبت نہیں مودت ہے ذرہ پانی سے علیحدہ ہوگی تو زندہ نہیں رہے گی۔ اگر مسلمانوں کے دلوں سے کسی وقت بھی محبت اہل بیت نکل گئی تو نہ ان کا دین سلامت رہے گا اور نہ ہی ایمان۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اہل بیت نبی اور عترت رسول کون ہیں؟ تو اس کے جواب میں آؤ اپنے ہی نبی المرسلین ﷺ سے پوچھیں۔

(مسلم شریف جلد۲ صفحہ۲۷۸۔ ترمذی شریف جلد۲ صفحہ۲۱۴ مشکوٰۃ شریف صفحہ۵۶۸)

عَنْ سَعْدِ ابْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ نَدْعُ اَبْنَاءَنَا وَاَبْنَاءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيًّا وَفَاطِمَةً وَّحَسَنًا وَّحُسَيْنًا فَقَالَ اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِيْ.

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب عیسائیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے آیت مباہلہ نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے حضرت علی، فاطمہ، حسن وحسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور عرض کی کہ اے میرے اللہ! یہ میری اہل بیت ہے۔

(مسلم شریف جلد۲ صفحہ۲۸۳۔ مشکوٰۃ شریف صفحہ۵۶۸ ترمذی شریف جلد۲ صفحہ۲۱۹)

عَنْ عَائِشَه وَعُمَرَبْنِ اَبِیْ سَلَمَةَ قَالَتْ خَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر نکلے اس حالت میں کہ آپ کے اوپر کالا کمبل تھا۔

فَجَاءَ الْحَسَنُ فَاَدْخَلَهٗ ثُمَّ جَاءَ الْحُسَیْنُ فَدَخَلَ مَعَهٗ ثُمَّ جَاءَتْ فَاطِمَةُ فَاَدْخَلَهَا جَاءَ عَلِیٌّ فَاَدْخَلَهٗ

پس حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ آ گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس کمبل میں داخل کرلیا اور پھر حضرت امام حسین تشریف لائے اور وہ بھی اس کمبل میں داخل ہو گئے اور پھر حضرت خاتون جنت تشریف لے آئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بھی اسی کمبل میں داخل کرلیا۔ اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بھی اسی کمبل میں داخل کرلیا اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا

اور عرض کی کہ اے میرے اللہ یہی میری اہل بیت ہے پس تو ان کو پاک کردے اور ان سے نجاست دور کردے۔

مذکور بالا احادیث نبوی اور آیت قرآنی کی تفسیر سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اہل بیت رسول یہی نفوس قدسیہ ہیں یعنی علی رضی اللہ عنہ، فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسن رضی اللہ عنہ وحسین رضی اللہ عنہ لیکن بعض لوگ اس کے باوجود بھی ہر ایرے غیرے نتھو خیرے یعنی یزید کو بھی اہل بیت میں شامل کر کے ان پاک ہستیوں کو ساتھ ملانا چاہتے ہیں۔

قرآن پاک کی مذکورہ بالا آیات میں جس انداز اور اسلوب سے عترت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان پاک کو بیان کیا گیا ہے۔ وہ اہل ایمان اور درد دل رکھنے والے مسلمانوں کے لئے باعث راحت دل و جان ہے۔

پہلی آیت پارہ ۳ سورۃ آل عمران کی آیت ۶۱ ہے اس آیت پاک کو آیت مباہلہ کہتے ہیں کہ دو فریق ایک کافر ہو اور دوسرا مسلمان اگر کسی مسئلہ میں جھگڑیں اور دلائل کے ساتھ کوئی فیصلہ نہ ہو سکے تو پھر یہ دونوں فریق اپنے اپنے بال بچوں کو لے کر کسی کھلے میدان میں

آ جاتے ہیں اور ایک دوسرے کی بربادی کے لئے دعا کرتے ہیں پھر جو فریق جھوٹا ہوتا ہے خدا تعالیٰ اس کو برباد کر دیتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ نجران کے عیسائی نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا کا بیٹا ہونے میں بحث کرنے لگے۔ سید المرسلین ﷺ نے خداوند تعالیٰ کی توحید اور حضرت عیسیٰؑ کے اللہ کا بندہ ہونے کے دلائل پیش فرمائے مگر جب عیسائیوں نے ان دلائل کو تسلیم نہ کیا تو پھر خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے محبوب پاک ﷺ ان کو فرما دو کہ ہم اپنے بال بچے لے کر اور تم اپنے بال بچے لے کر کسی میدان میں چلے آتے ہیں اور مباہلہ کرتے ہیں۔ پھر جو فریق جھوٹا ہوگا خدا تعالیٰ اس کو نیست و نابود کر دے گا۔

تفسیر روح البیان، تفسیر خازن جز اول صفحہ ۲۵۸۔ تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۶۴۳ تفسیر نسفی جز اول صفحہ ۱۲۶

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدِاخْتَصَّ الْحُسَیْنَ وَاَخَذَ یَدَ الْحَسَنِ وَفَاطِمَۃَ وَعَلِیٍّ یَمْشِیْ خَلْفَھَا یَقُوْلُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَھُمْ اِذَا دَعَوْتُ فَاَمِّنُوْا

کہ نبی کریم ﷺ نے دائیں انگلی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو پکڑا اور بائیں انگلی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو۔ اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ تو میری کملی کا دامن پکڑ لے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی چادر کا پلہ پکڑ لے اور پھر اس شان سے اہل بیت کا یہ نورانی قافلہ توحید خداوندی کی ایک روشن دلیل بن کر عیسائیوں کے مقابلہ میں روانہ ہو گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب میں دعا کروں تو تم آمین کہہ دینا اور پھر جب خاندان نبوت کے اس مقدس گھرانے اور اہل بیت کے اس پاک قافلے کو عیسائیوں کے سردار اسقف نے آتے دیکھا تو پکار اٹھا۔

یَا مَعْشَرَ النَّصَارٰی اِنِّیْ لَاَرٰی وُجُوْھًا لَوْسَاَلُوْا اللّٰہَ اَنْ یُّرِیْدَ جَبَلًا لَاَ زَالَہٗ مِنْ مَّکَانِہٖ وَلَا یَبْقٰی عَلَی الْاَرْضِ نَصْرَانِیٌّ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ

کہ تحقیق میں ایسی نورانی صورتیں دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ پہاڑوں کو حکم دیں تو وہ بھی اپنی

جگہ سے ہٹ جائیں اور اگر انہوں نے بددعا کر دی تو پھر قیامت تک زمین پر کوئی عیسائی نہیں رہے گا اور پھر نجران کے عیسائی اہل بیت کی نورانی صورتیں دیکھ کر ہی میدان سے بھاگ گئے یہی وہ نفوس قدسیہ ہیں اور یہی وہ مقدس گھرانہ ہے جن کو اللہ کریم نے پاک وصاف کر دیا ہے، اور ان سے ہر قسم کی نجاستوں اور کثافتوں کو دور کر دیا ہے اور پھر جن کو خداوند تعالیٰ خود پاک وصاف کرے اور خود نجاستوں اور گندگیوں کو دھوئے۔ پھر ایسی مقدس ہستیوں سے کسی غیر شرعی فعل اور اسلام کے خلاف اور حق وصداقت کی خلاف ورزی اور کسی گناہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اسی حقیقت کے پیش نظر سید المرسلین علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا۔

ترمذی شریف جلد ۲ صفحہ ۲۱۴ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۶۴

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٌ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ لِعَلِیٍّ لَایَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ یَجْنِبَ فِی هٰذَا الْمَسْجِدِ غَیْرِی وَغَیْرَكَ

حضرت ابی سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اے علی رضی اللہ عنہ! میرے اور تیرے سوا جنابت کی حالت میں اس مسجد میں کوئی اور نہیں آ سکتا۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

الٰہی بحق نبی فاطمہؓ
کہ بر قول ایماں کنی خاتمہ
اگر دعوتم ردکنی در قبول
من ودست و دامان آل رسول

کہ میرے مولا مجھے اپنی عبادت وریاضت پر کوئی ناز نہیں ہے بس اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا کا صدقہ مجھے آخری وقت کلمہ نصیب فرما دینا اور اگر تو نے میری یہ التجا قبول نہ کی تو پھر قیامت کے دن میں دامن اہل بیت پکڑ کر تیرے دربار میں آ ؤں گا۔

مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۷۳ حضرت ابی ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اور وہ کعبہ کی دیواروں کو پکڑے ہوئے تھے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا۔ وہ فرماتے تھے۔

اَلَا اِنَّ مَثَلَ اَهْلِ بَیْتِیْ فِیْكُمْ سَفِیْنَةُ نُوْحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا هَلَكَ

کہ میری اہل بیت کی مثال اے مسلمانو! تمہارے لئے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی ہے جو شخص بھی اس میں سوار ہو گیا بچ گیا اور جو سوار نہ ہوا ہلاک ہو گیا۔

(مسلم شریف جلد ۲ صفحہ ۲۷۹۔ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۶۷)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں کھڑے ہوئے اور فرمایا:۔

اَنَا تَارِكٌ فِیْكُمُ الثَّقَلَیْنِ اَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ فِیْهِ الْهُدٰى وَالنُّوْرُ.

کہ اے مسلمانو! میں تمہارے اندر دو بڑی ہی عمدہ اور نفیس چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب کہ اس میں ہدایت بھی ہے اور نور بھی۔

وَاَهْلُ بَیْتِیْ اور دوسری چیز میری اہل بیت ہے۔ نسل انسانی کی ہدایت وراہنمائی کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث پاک میں جن دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے ان میں ایک قرآن پاک ہے اور دوسری اہل بیت اطہار۔ تو جو مسلمان بھی ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑ لے گا وہ کبھی گمراہ نہیں ہو گا۔

غرضیکہ بتانا یہ مقصود تھا کہ قرآن پاک کی عظمت کے ساتھ ساتھ اہل بیت کی تعظیم وتکریم، محبت والفت اور غلامی ونیاز مندی بھی ایک کلمہ پڑھنے والے مسلمان کے لئے ضروری ہے اور اگر کوئی مسلمان ان دونوں میں سے کسی ایک کو ہی مرکز ہدایت سمجھے گا تو عمر بھر راہ حق سے بھٹکا رہے گا، جیسے کہ بعض لوگ قرآن پاک کو چھوڑ کر صرف اہل بیت کو ہی مرکز ہدایت سمجھتے ہیں اور بعض اہل بیت کو چھوڑ کر صرف قرآن کو ہی منبع حق وصداقت جانتے ہیں۔ پہلا فرقہ رافضیہ ہے اور دوسرا فرقہ خارجیہ مگر اللہ کے فضل وکرم اور کملی والے کا صدقہ ایک فرقہ اہلسنت والجماعت ہی ایسا فرقہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث پاک پر پوری طرح عمل پیرا ہے اور وہ جہاں قرآن کو نسل انسانی کیلئے ہدایت نامہ مانتے ہیں وہاں اہل بیت کو بھی اپنی راہنمائی وپیشوائی کے لئے ایک مشعل راہ جانتے ہیں اور پھر اس سے بڑھ کر عترت پیغمبر کی اور شان کیا ہو گی کہ اگر کوئی مسلمان نماز میں سارا قرآن بھی پڑھے اور

رکوع وسجود میں کروڑ بار تسبیح بھی پڑھے مگر جب تک اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰے مُحَمَّدٍ وَّعَلٰے اٰلِ مُحَمَّدٍ نہ کہے گا نماز نہ ہوگی۔

غور طلب امر یہ ہے کہ آخر خدا تعالیٰ کو ایسی کون سی ضرورت پیش آئی کہ اس نے اپنی نماز میں آل محمد علیہ السلام کے لفظ کو واجب کر دیا! تو معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ رب العزت کو یہ علم تھا کہ کربلا کے حق وباطل کے خونیں معرکے میں اسی آل محمد ﷺ نے اپنے بچوں کی قربانی دیکر میرے نام کو بلند رکھنا ہے۔ اس لئے اس نے اپنی نماز میں آل محمد کو شامل کر دیا۔ تا کہ ان کا نام بھی مسلمانوں کی زبانوں پر آ کر قیامت تک کے لئے بلند رہے۔

اب اہل بیت اطہار کے علیحدہ علیحدہ فضائل ومناقب لکھنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ تا کہ ان کو پڑھ کر ہر صحیح العقیدہ مسلمان اپنے دین وایمان کی روح کو تازہ کرے اور دشمنان عترت پیغمبر کی گستاخیوں اوران کے شرمناک حملوں کی مدافعت کر سکے۔

شیرِ خدا رضی اللہ عنہ

آپ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد ہے اور والد کا نام عمران ہے اور کنیت ابوطالب! اور آپ کعبے میں پیدا ہوئے آپ امیرالمومنین بھی ہیں اور امام المتقین بھی، شیر خدا بھی ہیں اور مشکل کشا بھی، مرتضیٰ بھی ہیں اور داماد مصطفیٰ بھی اور آپ نفسِ رسول بھی ہیں اور زوج بتول بھی،

کون علی رضی اللہ عنہ؟ جس نے کبھی خیبر کے قلعے کو اکھاڑا اور کبھی مرحب وابن ود کو پچھاڑا اور جس کی تلوار کبھی احد کے میدان میں چمکی اور کبھی بدر کے ریگستانوں میں! اور جس کی شمشیر براں کبھی غزوہ تبوک میں لہرائی اور کبھی غزوۂ خندق میں کفر پر گری اور جس نے اپنی بہادری و شجاعت کے صلے میں اللہ کی طرف سے لَافَتٰی اِلَّا عَلِیٌ لَاسَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَارُ کا تمغۂ جرأت حاصل کیا۔

کون علی رضی اللہ عنہ؟ وہ جس نے ہجرت کی رات محبوب خدا علیہ السلام کے بستر پر بسر کی اس رات بڑا شدید امتحان تھا اور اس رات نبی کے بستر پر سونا گویا تلواروں کے سائے میں سونا تھا اور موت و ہلاکت سے دست بدست جنگ تھی۔ مکہ مکرمہ کے نامور اور مشہور قبیلوں کے بہادروں کا مقابلہ تھا۔ ہر لمحہ جان جانے کا خطرہ تھا اس لئے کہ کافر پورے ساز و سامان کے ساتھ نبی کریم علیہ السلام کو قتل کرنے کے اٹل ارادے سے آئے تھے۔ مگر چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ایمان کے کوہ گراں تھے اور عشق رسول میں سرگرداں تھے۔ اس لئے بغیر کسی تامل کے اپنے آقا و مولا کے بستر پر سونا منظور کرلیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نبی کے حکم کے بعد سوچنا ایمان کی توہین ہے۔

نزہت المجالس جلد ۲ صفحہ ۲۱۰ میں حضرت علامہ صفوری رحمتہ اللہ علیہ امام نسفی کے حوالے

سے لکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قبل از ولادت کرامت یہ تھی۔

اِنَّهٗ كَانَ يَتَعَرَّضُ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ فَيَمْنَعُهَا مِنَ السُّجُوْدِ لِلصَّنَمِ اِذَا اَرَادَتْ ذٰلِكَ

کہ آپ کی والدہ بت پرست تھیں مگر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کے بطن میں آئے تو آپ کی والدہ جب بھی کسی بت کو سجدہ کرنے کا ارادہ کرتیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ روک دیتے تھے۔

مکہ مکرمہ کی اونچی اونچی اور بلند پہاڑیوں کے دامن میں اللہ کے گھر خانہ کعبہ کے اردگرد عرب کے مشہور و نامور قبیلوں کے لوگوں کا بے پناہ ہجوم تھا مکہ مکرمہ اور گردو نواح کے مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے اور جوان اس وقت کے عرب کے دستور اور اپنے آباؤ اجداد کی پرانی رسموں کے مطابق طواف کعبہ کر رہے تھے ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد بھی شامل تھیں جو اپنے بطن مبارک میں ایک نفس اقدس اور اپنے صدف رحم میں اسلام کا ایک گراں قدر موتی چھپائے ہوئے اس ہنگامہ ہائے حیات انسانی سے بے خبر کعبے کی مقدس دیوار کے سائے میں اپنے دل کی گہرائیوں میں حزن وملال کا ایک طوفان اور اپنی پیشانی پر خفت و ندامت کے آثار لئے سر جھکائے بیٹھی تھیں کیوں کہ آثار ولادت پیدا ہو چکے تھے اور قدرت کے قانون کے مطابق دردزہ شروع ہو چکا تھا اور وہ سوچ رہی تھیں کہ یہاں کوئی حجاب نہیں اور کوئی پردہ نہیں۔ پھر ایسی حالت میں اب وہ کدھر جائے اور ابھی وہ سوچ ہی رہی تھیں کہ اچانک کعبہ کی دیوار پھٹ گئی اور غیب سے آواز آئی کہ اے فاطمہ بنت اسد کعبے کے اندر آ جا چنانچہ آپ کعبہ کے اندر چلی گئیں اور پھر امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت خانہ کعبہ میں ہوئی۔

کسے را میسر نہ شد ایں سعادت

بکعبہ ولادت بمسجد شہادت

کہ قیامت تک کوئی ماں اب ایسا فرزند نہیں جنے گی جو پیدا کعبہ میں ہو اور شہید مسجد میں۔

جناب خلیق قریشی لائل پور کے ایک باذوق ادیب، باہوش خطیب اور صاحب دل شاعر بھی ہیں۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولادت و شہادت کو اپنے پاکیزہ تخیلات میں

اس طرح ادا کیا ہے کہ:

تائیدِ حق میں پہلی شہادت علی رضی اللہ عنہ کی ہے
پیغمبری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت علی رضی اللہ عنہ کی ہے
مولد بھی محترم ہے ولد بھی ہے محترم
کعبہ ہے اور جائے ولادت علی رضی اللہ عنہ کی ہے
مولود کعبہ کے لئے مشہد بھی خوب تھا
مسجد میں اللہ اللہ شہادت علی رضی اللہ عنہ کی ہے
کعبہ سے ابتدا ہے تو سجدہ پہ انتہا
مرقوم ذوحرم میں حکایت علی رضی اللہ عنہ کی ہے

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی تو کملی والے آقائے دو عالم تشریف لائے۔ ابھی تک شیر خدا نے آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو گود میں اٹھایا اور پھر خود ہی نہلایا اور ساتھ ہی فرمایا کہ آج علی کو پہلا غسل میں دے رہا ہوں اور کل آخری غسل مجھے علی رضی اللہ عنہ دے گا اور پھر نبی کریم علیہ السلام نے اپنی زبان مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے منہ میں دی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنکھیں کھول دیں۔

ادھر آغوش کی حسرت ادھر دیدار کا ارماں
علی رضی اللہ عنہ نے کھول دی آنکھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گود پھیلائی

جوان ہونے کے بعد ایک دن حضور علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم نے میرے آنے سے پہلے آنکھیں کیوں نہ کھولیں تھیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ آقا میری تمنا یہ تھی کہ میری آنکھ کھلے تو میری نگاہ رخِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑے۔

بخاری شریف جلد اول صفحہ ۵۲۵ مسلم شریف جلد ۲ صفحہ ۲۷۹ ترمذی شریف جلد ۲ صفحہ ۲۱۴۔ مشکوۃ شریف صفحہ ۵۶۳۔

حضرت سہیل بن عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ خیبر کے موقعہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں نے عرض کی۔ کہ خیبر کا قلعہ فتح نہیں ہو رہا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لَاُعْطِیَنَّ ھٰذِہِ الرَّایَۃَ غَدًا یَفْتَحُ اللّٰہُ عَلٰی یَدَیْہِ

کہ کل میں یہ اسلام کا جھنڈا اس کو دوں گا کہ جس کے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ فتح دے گا اور وہ ایسا آدمی ہے یُحِبُّ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ کہ جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتا ہے۔ یا یُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

صبح ہوئی تو ہر مسلمان کی تمنا یہ تھی کہ اسلام کا جھنڈا مجھے عطا ہو۔ لیکن حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اَیْنَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِب : کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟

غلاموں نے عرض کی، آقا! ان کی آنکھیں دکھتی ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اس کو بلاؤ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں پر لگا دیا کہ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ آنکھیں درست ہو گئیں کہ جیسے کبھی کوئی تکلیف ہوئی ہی نہیں تھی اور پھر رسول اکرم علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اسلام کو جھنڈا عطا کر دیا اور ذوالفقار حیدری اپنے ہاتھوں سے کمر پر باندھی بس پھر کیا تھا یہ اللہ کا شیر لشکر اسلام لے کر خیبر کی طرف روانہ ہوا۔ دل میں عشق رسول تھا۔ ہاتھوں میں اسلام کا جھنڈا اور نگاہوں میں جلوۂ یار۔ نعرۂ تکبیر کی خدائی آواز فضائے آسمانی میں گونجی اور پھر اللہ کے شیر نے خیبر کی پتھریلی زمین پر علم اسلام گاڑ دیا۔

خیبر کے قلعہ قموص کا محافظ مرحب یہودی جو کفر کی دنیا کا ایک مشہور و معروف اور زور آور پہلوان تھا لوہے میں غرق، سر پر دو من وزنی خود پہنے اور ہاتھوں میں گرز لئے ہوئے مقابلے میں آیا۔ ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی یہ پڑھتے ہوئے آگے بڑھے۔ سَمَّتْنِیْ اُمِّیْ حَیْدَرْ کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے پس پھر کیا تھا دو تلواریں آپس میں ٹکرائیں ایک اسلام کو مٹانے کے لئے اور دوسری بچانے کے لئے ایک شمع تو حید و رسالت کو بجھانے کے لئے اور دوسری جلانے کے لئے یہ حق و باطل کی دست بدست جنگ تھی اور اسلام و کفر کا معرکہ تھا۔ ایک طرف سراپا کفر تھا اور دوسری طرف علی رضی اللہ عنہ اس کے پیچھے ابوجہل تھا اور اس کے پیچھے مصطفیٰ علیہ السلام۔ مرحب نے بڑی چالاکی سے وار کیا۔ علی رضی اللہ عنہ نے بڑی ہوشیاری سے روکا اس نے پینترہ بدلا۔ اس نے قدم بڑھایا مرحب نے گرز

اٹھائی۔علی رضی اللہ عنہ نے ہاتھ سے پکڑی جھٹکا دیا اور گرز گر پڑی اور پھر علی رضی اللہ عنہ کی تلوار ہوا میں لہرائی۔فضا میں چمکی اور بجلی کی طرح مرحب پر گری وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا اس نے پھر تلوار کا ایک بھرپور وار کیا علی رضی اللہ عنہ نے ڈھال پر روکا۔ڈھال ٹوٹ گئی تو شیر خدا نے قوت پروردگار سے درِ خیبر کو اکھاڑا اس کو ڈھال بنالیا اور پھر شمشیر حیدری اٹھی اور لپکی۔مرحب نے ڈھال پر لی لیکن تلوار ڈھال کو دو ٹکڑے کرتی ہوئی خود تک پہنچی۔خود کو توڑ کر سر پر آئی اور سر کاٹتی ہوئی جسم تک پہنچی۔جسم کو چیرتی ہوئی زمین پر گری تو زمین پکار اٹھی کہ یا اللہ مجھے علی کی تلوار سے بچالے اور پھر اللہ کے شیر نے جوش میں آکر قلعہ کی دیوار کو زور سے پکڑ کر ہلایا اور زلزلہ آگیا اور درِ خیبر کو چالیس گز کے فاصلے پر گرایا۔اس فتح و نصرت پر ایک بار پھر نعرۂ تکبیر گونج اٹھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عطا کیا ہوا اسلام کا جھنڈا خیبر کے قلعہ پر گاڑ دیا درویش لاہوری کہتا ہے کہ

کبھی تنہائی کوہ و دمن عشق ۔۔۔ کبھی سوز و سرود و انجمن عشق
کبھی سرمایۂ محراب و مسجد ۔۔۔ کبھی مولا علی رضی اللہ عنہ خیبر شکن عشق

ایک دن شیر خدا کوفہ کی جامع مسجد میں مصلے پر بیٹھے جو کی روٹی کے سوکھے ہوئے ٹکڑے کھا رہے تھے اور وہ چبائے نہیں جاتے تھے دو آدمی حاضر ہوئے اور عرض کی۔آقا یہ راز سمجھ میں نہیں آیا کہ وہاں تو آپ نے خیبر کے دروازے کو توڑ دیا اور یہاں یہ سوکھے ہوئے ٹکڑے نہیں چبا سکتے؟ شیر خدا مسکرائے اور فرمایا کہ یہ سوکھے ہوئے ٹکڑے کھا رہا ہوں تو علی کی اپنی طاقت خرچ ہو رہی ہے مگر خیبر کے قلعے کو توڑنے والی تو محمد (علیہ السلام) کی نگاہ تھی۔ (تفسیر روح البیان جلد ۲ صفحہ ۱۰۵)

وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ کے تحت مدینہ منورہ کے بعض منافقین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب پر اعتراض کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ، کو پتہ چلا آپ نے سارے شہر میں منادی کرادی اور جب مدینہ کے تمام لوگ مسجد نبوی میں جمع ہو گئے تو آپ منبر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چڑھ گئے اور فرمایا کہ اے میرے نبی کے علم غیب پر اعتراض کرنے والو۔میں نبی نہیں علی ہوں اور نبی کا غلام ہوں اور پھر فرمایا سَلُوْنِی عَمَّادُوْنَ الْعَرْشِ کہ

آج مجھ سے جو پوچھنا ہے پوچھو۔ میں تم کو عرش اعظم کی باتیں بھی بتاؤں گا۔

ایک آدمی کھڑا ہو گیا اور بولا کہ جب آپ نے یہ دعویٰ کیا ہے تو بتاؤ هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ يَا عَلِيُّ کہ اے علی رضی اللہ عنہ! کیا تو نے اپنے رب کو کبھی دیکھا ہے؟ تو آپ جوش میں آ گئے اور فرمایا کہ خدا کی قسم میں ایک سجدہ کرتا ہوں اور دوسرا اس وقت تک نہیں کرتا جب تک کہ خدا کو نہ دیکھ لوں۔ (نزہت المجالس جلد ۲ صفحہ ۲۱۰)

قَالَ عَلِيٌّ سَلُونِي عَنْ طُرُقِ السَّمٰوَاتِ فَإِنِّي أَعْلَمُ بِهَا مِنْ طُرُقِ الْأَرْضِ

حضرت علی نے فرمایا کہ مجھ سے پوچھو اور میں زمین و آسمانوں کی ہر چیز کو جانتا ہوں

فَجَاءَ جِبْرِيْلُ فِي صُوْرَةِ رَجُلٍ پس حضرت جبریل علیہ السلام انسانی صورت میں آئے اور کہا کہ اگر تم اپنے دعویٰ علم میں سچے ہو تو بتاؤ کہ اس وقت جبریل کہاں ہے؟ تب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زمین و آسمان پر نظر ڈالی اور مشرق و مغرب، شمال و جنوب کو دیکھا اور پھر مسکرا کر کہا کہ جبریل تم ہی ہو اور پھر کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ میں اتنا علم کہاں سے آ گیا تو آپ نے جواب دیا کہ یہ سب کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاک تھوک کا صدقہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک کے ذریعے مجھ کو عطا کیا۔

اشعۃ اللمعات جلد ۴ صفحہ ۳۳۱ باب وفات النبی علیہ السلام حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا چوں غسل دادہ شد آنحضرت راجمع شدآب درپلکہائے وےلپس برداشتم من برزبان خود آں را فرد بردم۔ کہ جب میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری غسل دیا تو پانی کے چند قطرے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس پلکوں پر ٹھہرے رہے تو میں نے ان کو اپنی زبان سے چوس لیا۔ بس پھر علم و ادراک کا سمندر میرے سینے میں ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ اور میں کہتا ہوں کہ زمین و آسمان اور فرش و عرش کا علم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ ہوتا تو اس میں نہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی توہین تھی بلکہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی کسر شان تھی۔ کیوں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمادیا تھا کہ أَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔

(مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۶۴۔ ترمذی شریف جلد ۲ صفحہ ۲۱۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَنَادَارُ الْحِکْمَۃِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا کہ میں حکمت کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔

اور علامہ دوانی نے اخلاق جلالی میں حکمت کی تعریف یہ کی ہے کہ عالم موجودات کو طاقت بشری کے ساتھ کما حقہ، جاننا اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ باب علم وحکمت ہیں تو پھر اس ساری کائنات اور اس عالم موجودات کا علم ان کو کیوں نہ ہوتا۔

کبھی لاہور جاؤ تو اصل شہر میں داخل ہونے سے پہلے دہلی دروازے یا لوہاری دروازے یا بھاٹی دروازے یا کی دروازے سے گذرنا پڑتا ہے تو کملی والے آقائے دوعالم علیہ السلام کا دنیا کو یہ بتانا بھی مقصود تھا کہ جس طرح کسی شہر میں داخل ہونے سے پہلے کسی دروازے سے گذرنا پڑتا ہے اسی طرح میرے تک پہنچنے سے پہلے علی رضی اللہ عنہ کے قدم چومنے ضروری ہیں اور حضرت علی کے قدموں تک نہیں پہنچ سکتے تو کسی مرد درویش کی چوکھٹ ہی کو چوم لو۔

مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۳۸۵ سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد بڑے جاہ وجلال، بڑی شان وشوکت اور بڑی آب وتاب کے ساتھ مکہ مکرمہ میں ورود فرمایا۔ اللہ کے گھر خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے جن کی پرستش ہوتی تھی۔ اللہ کی طرف سے حکم آیا کہ اے میرے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان بتوں کو توڑ کر میرے گھر کو پاک کرو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھڑی لی اور بتوں کو توڑنے لگے۔ اور ساتھ ہی یہ پڑھتے ہیں۔

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ الْبَاطِلُ

قریب قریب والے، نزدیک نزدیک والے اور پاس پاس والے بت سرور کائنات نے خود توڑ دیئے مگر چند ایک بت اور اونچے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آواز دی اَیْنَ عَلِیٌّ۔ کہ علی کہاں! صدائے نبوت کو سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ فوراً حاضر ہوئے اور عرض کی۔ آقا کیا حکم ہے! کملی والے نے فرمایا کہ علی رضی اللہ عنہ ان بتوں کو توڑ دو۔ عرض کی آقا! اگر ان کو توڑا ہے تو ان کو بھی خود ہی توڑ دو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں توڑ تو دوں مگر بت اونچے ہیں اور میرا ہاتھ وہاں تک نہیں پہنچتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی

بھی سمجھ نہیں آتی۔ اس لئے کہ یہاں کہتے ہو کہ میرا ہاتھ نہیں پہنچتا اور وہاں انگلی کا اشارہ کر کے تو چودھویں رات کا چاند توڑ دو اور پھر عرض کی آقا اگر آپ کا ہاتھ وہاں تک نہیں پہنچتا تو نیچے میں بیٹھ جاتا ہوں آپ میری پشت پر کھڑے ہو کر بتوں کو توڑ دو۔ سرورِ کائنات ﷺ مسکرائے اور فرمایا۔ علی رضی اللہ عنہ تم نے ٹھیک کہا لیکن اگرچہ تم شیر خدا ہو مگر نبوت کا بوجھ نہ اٹھا سکو گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی آقا تو پھر کیا کیا جائے۔ امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا کہ میں نیچے بیٹھ جاتا ہوں اور تم میرے کندھوں پر چڑھ کر بتوں کو توڑ دو۔ چنانچہ سید المرسلین ﷺ بیٹھ گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے کندھوں پر چڑھ کر بتوں کو توڑنے لگے تو امام الانبیاء ﷺ نے پوچھا علی! اس وقت کہاں تک پہنچ گئے ہو؟ تو حضرت شیر خدا نے عرض کی آقا اگر حکم دو تو عرش عظیم کے پائے کو پکڑ کر نیچے کھینچ لاؤں۔ وہ نبی معراج کی رات کو خود کہاں پہنچا ہوگا اور پھر اپنی زندگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ صرف ایک دفعہ نبی کے کندھوں پر سوار ہوا۔ مگر میرا آقا حسین رضی اللہ عنہ تو نو سال مصطفٰے کے کندھوں پر کھیلتا رہا ہے۔ بت ٹوٹ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نیچے اتر آئے تو مسکرائے کملی والے نے فرمایا: علی رضی اللہ عنہ مسکراتے کیوں ہو؟ عرض کی یا رسول اللہ میں نے عرش سے چھلانگ لگائی ہے مگر مجھے کچھ بھی نہیں ہوا۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا علی رضی اللہ عنہ! چڑھایا میں نے تھا اور اتارا جبرئیل نے ہے۔ (ترمذی شریف جلد ۲ صفحہ ۲۱۱)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

لَا يُحِبُّ عَلِيًّا مُنَافِقٌ وَلَا يُبْغِضُهُ مُؤْمِنٌ

کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرنے والا مومن ہے اور بغض رکھنے والا منافق ہے۔

تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۲۱ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور ﷺ نے فرمایا اَلنَّظَرُ اِلٰی وَجْهِ عَلِيٍّ عِبَادَةٌ کہ علی کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے۔ اسی لئے حضرت علی کے نام کے ساتھ کرم اللہ وجہہ بھی کہا جاتا ہے۔

تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۲۲ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا عَلِيٌّ مَعَ الْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِيٍّ کہ علی قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علی رضی اللہ عنہ کے

ساتھ اور یہ دونوں حوض کوثر تک جدا نہیں ہوں گے۔

تفسیر روح البیان جلد ۳ صفحہ ۲۴۷ جنگ خیبر سے واپسی پر صہبا کے مقام پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: علی رضی اللہ عنہ میں تھک گیا ہوں تو حضرت علی کرم اللہ وجہ، نے عرض کی۔ یارسول اللہ ﷺ میرے زانوؤں پر سر رکھ کر لیٹ جاؤ۔ چنانچہ سید المرسلین ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زانوؤں پر سر رکھ کر لیٹ گئے۔

غور کرو کہ جھولی علی رضی اللہ عنہ کی ہے اور سر نبی ﷺ کا۔

زمین پر عرش اعلیٰ کے نشاں معلوم ہوتے تھے
علی کی گود میں دونوں جہاں معلوم ہوتے تھے

اور اتفاق ایسا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابھی عصر کی نماز پڑھنی تھی، سورج غروب ہوتا جارہا تھا اور نماز عصر کا وقت بھی تنگ سے تنگ ہورہا تھا۔ مگر وہ مجسمۂ دین وایمان پیکر علم وعرفان اور سراپائے تفسیر قرآن عشق مصطفیٰ ﷺ اور اطاعت رسول میں ایسا محو تھا کہ نہ نماز کے قضاء ہو جانے کی فکر تھی اور نہ ہی ایک اہم فریضہ کے چھوٹ جانے کا غم۔ بس نگاہیں مرتضیٰ کی تھیں اور رخ انور مصطفیٰ کا۔

میری نماز ہے یہی میرا سجود ہے یہی
میری نظر کے سامنے جلوۂ حسن یار ہو

وہ جانتے تھے اور ان کا عقیدہ یہی تھا کہ

مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ

کہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

لیکن ان کے مقابلے میں اگر آج کل کا کوئی گستاخ ملا ہوتا تو کملی والے کو اپنی مثل سمجھ کر اور جگا کر نماز پڑھ لیتا مگر وہ علی رضی اللہ عنہ تھے اور راز دار سر مصطفیٰ تھے اور باب مدینۃ العلم تھے اور وہ جانتے تھے کہ

نمازیں پھر ادا ہوں گر قضا ہوں
نگاہوں کی قضائیں کب ادا ہوں

کہ نماز قضا ہوگئی تو پھر پڑھ لوں گا۔ مگر خدا جانے محبوب خدا کا سرِ اقدس میری جھولی میں پھر آئے کہ نہ آئے۔

آخر سورج غروب ہوگیا اور حضرت علی کی نماز قضاء ہوگئی مگر آنسو جاری ہوگئے۔ سید المرسلین ﷺ خواب راحت سے بیدار ہوئے۔ چشم نبوت کھولی اور فرمایا علی رضی اللہ عنہ! روتے کیوں ہو۔ عرض کی آقا نماز قضا ہوگئی ہے۔ علی رضی اللہ عنہ کی ایک نماز قضا ہوئی تو وہ رونے لگے۔ محبان علی رضی اللہ عنہ کی پانچوں گل!

کملی والے نے فرمایا کہ مجھے جگا کر نماز پڑھ لینی تھی۔ عرض کی آقا (نخواستم کہ لذت خواب برتو قطع کنم) کہ میرے ایمان وعشق نے یہ پسند نہ کیا کہ میں آپ کو جگا کر آپ کے آرام میں خلل پیدا کروں۔

غور کرو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے دو مسئلے آگئے۔ ایک نبی کی اطاعت اور ایک خدا کی عبادت، عبادت خدا کرتے ہیں تو اطاعت مصطفیٰ جاتی ہے اور اطاعت مصطفیٰ کو قائم رکھنے سے عبادت خدا گئی۔ مگر شیر خدا نے عبادت خدا بھی اطاعت مصطفیٰ میں ہی سمجھی! اور اگر وہ اطاعت مصطفیٰ کو چھوڑ کر عبادت خدا کر لیتے تو ہوسکتا تھا کہ وہ قبول نہ ہوتی۔ مگر اطاعت مصطفیٰ کا یہ انعام ملا کہ ڈوبا ہوا سورج پھر عصر کے وقت پر آیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز ادا کر لی۔ سورج غروب نہیں ہوتا بلکہ وہ عرش الٰہی کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ ڈوب گیا۔ اس قانون قدرت کے مطابق، سورج عرش کے نیچے سجدہ کر رہا تھا ادھر کملی والے کی انگلی کا اشارہ ہوا تو سورج نے عرض کی ہوگی کہ مولا تیرے عرش کے سجدے چھوڑ کر کیسے واپس جاؤں تو خدا تعالیٰ نے فرمایا ہوگا کہ اے سورج! آج میرے عرش کا سجدہ تو قضا ہوسکتا ہے۔

لیکن علی کی نماز قضا نہیں ہوسکتی۔ یہ نبی کا معجزہ بھی تھا اور علی رضی اللہ عنہ کی کرامت بھی تھی۔ یہ اعجاز نبوت بھی تھا اور شان ولایت بھی تھی وہ مرکز نبوت تھا۔ یہ منبع ولایت تھا۔ وہ خدا کا رسول تھا۔ یہ زوج بتول تھا وہ مصطفیٰ یہ مرتضیٰ تھا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے آقا مولا کی اطاعت وزیارت کو عبادت سمجھا اور نبی

کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چہرۂ اقدس کو دیکھنا عبادت قرار دے دیا۔

یوں تو زمانہ نبوی ﷺ میں اسلام کی کوئی بھی جنگ ایسی نہیں ہے جس میں شیر خدا رضی اللہ عنہ ، نے اپنی بہادری و شجاعت کے جوہر نہ دکھائے ہوں، غزوہ احد سے لے کر فتح مکہ تک جہاں دیکھو علی رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ ہے۔ مگر جنگ خندق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جس جوانمردی، جرأت، استقلال اور بہادری کا ثبوت دیا اس پر زمین والے ہی نہیں آسمان کے فرشتے بھی قیامت تک تحسین و آفریں کے پھول برساتے رہیں گے اور یہی وہ جنگ ہے جس میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ خود سید المرسلین بھی خندق کھودنے میں شریک تھے۔ غرضیکہ کفر میں ہزار آزمودہ کار اور لڑاکے جوان لے کر پوری طاقت اور قوت کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لئے آیا تھا اور ان میں کفر کا ایک مشہور شہسوار زور آور اور جنگجو عمرو بن عبدود بھی شامل تھا جو ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ لشکر کفار کے رعب و دبدبہ سے مسلمانوں کے دل دہل گئے اور پھر وہی عرب کا مشہور شہسوار اور کفر کے لشکر کا بہادر اور دیو پیکر عمرو بن عبدود گھوڑے کو ایڑ لگا کر خندق کو پھاند کر لشکر اسلام میں آ پہنچا اور بڑے تکبر و غرور اور بڑے جوش خروش سے پکارا ھَلْ مِنْ مُبَارِزٍ ۔ کہ ہے کوئی مسلمان مقابلہ کرنے والا؟ شہنشاہ دو عالم ﷺ نے لشکر اسلام کی طرف نگاہ اٹھائی تو تمام کے تمام دم بخود تھے اس نے پھر پکارا ہے کوئی مسلمان مقابلہ کرنے والا؟ کملی والے نے پھر مسلمانوں کی طرف دیکھا۔ کوئی بھی نہ اٹھا۔ اس نے پھر دعوت مبارزت دی تو پھر خون حیدر رضی اللہ عنہ جوش میں آ گیا۔ اٹھے۔ نبی ﷺ کے قدم چومے اور اجازت چاہی۔ سید المرسلین ﷺ نے اجازت دی۔ علی رضی اللہ عنہ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ اپنا عمامہ علی رضی اللہ عنہ کے سر پر رکھ کر ذوالفقار حیدری علی رضی اللہ عنہ کو عطا کی اور فرمایا علی رضی اللہ عنہ جاؤ اس کافر کو تمہارے سپرد کیا اور تمہیں اللہ کے سپرد

پئے تعظیم جھک کر اور ہادی کی رضا لے کر
چلا میدان میں شیر خدا نام خدا لے کر
نہ سینے پر زرہ تھی اور نہ سر پر خود پہنا تھا
فقط تلوار تھی تلوار ہی مردوں کا گہنا تھا

اور پھر یکا یک دو تلواریں آپس میں ٹکرائیں۔ ایک حق وصداقت کی تباہی کے لئے اور دوسری اس کی پشت پناہی کے لئے۔ ایک اسلام کو مٹانے کے لئے اور دوسری اس کو بچانے کے لئے، مقابلہ بڑا ہی سخت تھا۔ وہ پیکر کفر وطغیان تھا۔ یہ مجسمۂ دین وایمان تھا۔ اسے اپنے سازوسامان پر ناز تھا اور اسے اپنی قوت ایمان پر فخر تھا۔ فولادی تلواروں کی جھنکار، آبدار شمشیروں کی چمک اور مضبوط ڈھالوں کی کھڑکھڑاہٹ سے خندق کی زمین لرز گئی اور عین اس وقت جب کہ دونوں بہادر اپنی اپنی بہادری کے جوہر دکھا رہے تھے، سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے نگاہ اٹھائی۔ جنگ کا انداز دیکھا اور فرمایا۔

بَرَزَ الْاِیْمَانُ کُلُّهُ مَعَ الْکُفْرِ کُلِّهٖ

کہ وہ دیکھو آج مکمل ایمان مکمل کفر سے لڑ رہا ہے۔

مکمل ایمان علی تھا اور مکمل کفر ابن ود

ہو صحبت یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق وباطل ہو تو فولاد ہے مومن

عمرو نے تلوار اٹھائی۔ علی رضی اللہ عنہ نے ہمت دکھائی، اس نے پکارا، اس نے للکارا وہ جوش میں تھا۔ یہ ہوش میں تھا۔ وہ غصے میں تھرا رہا تھا یہ حوصلے میں مسکرا رہا تھا۔ اس کی تلوار لہرائی۔ اس کی شمشیر چمکی اور پھر ایک دوسرے پر وار پر وار اور حملوں پر حملے ہونے لگے۔ اس نے کنپٹی ماری اس نے توڑ دیا اس نے بازو بند مارا۔ اس نے ڈھال پر اتارا۔ وہ بھی بہادر وجرار تھا۔ یہ بھی حیدر کرار تھا۔ اس نے تلوار ماری۔ علی رضی اللہ عنہ نے روکی اور پھر اللہ کے شیر نے جلال میں آ کر ضرب حیدری لگائی جس کی وہ تاب نہ لا سکا اور زمین پر گر پڑا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، اس کی چھاتی پر بیٹھ گئے اور اس کا سر کاٹ لیا اور لشکر اسلام سے نعرۂ تکبیر کی آواز گونج اٹھی اور اس طرح شیر خدا کے ہاتھوں غزوۂ خندق میں اسلام کو کفر اور توحید کو شرک پر فتح ہوئی۔ حق کو باطل پر اور شرافت کو وحشت پر غلبہ حاصل ہوا۔ انسانیت کو بربریت پر اور نیکی کو بدی پر برتری ملی اور پھر اس جرأت کے صلے میں اور اس بہادری کے بدلے میں حضرت شیر خدا کو دربار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ انعام ملا۔

ضَرْبُ عَلِيٍّ يَوْمَ الْخَنْدَقِ أَفْضَلُ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ.

کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جنگ جو انہوں نے غزوۂ خندق کے دن لڑی وہ تمام مسلمانوں کے تمام اعمال سے افضل ہے۔ (مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۲۳۴)

لِمُبَارَزَةِ عَلِيِّ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ يَوْمَ الْخَنْدَقِ أَفْضَلُ مِنْ أَعْمَالِ أُمَّتِي إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

کہ جنگ خندق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لڑنا میری امت کے قیامت تک کے نیک اعمال سے افضل ہے۔

تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۳۰۱۔ نبی کریم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ غزوۂ خندق میں ابن ود کے ساتھ لڑتے وقت تم نے کیا محسوس کیا تو شیر خدا نے عرض کی آقا!

لَوْ كَانَ كُلُّ أَهْلِ الْعَرَبِ فِي جَانِبٍ وَأَنَا فِي جَانِبِ الْآخَرِ لَقَدَرْتُ عَلَيْهِمْ.

کہ اگر تمام عرب کے بہادر ایک طرف ہوتے تو میں پھر بھی ان پر غالب آ جاتا اور ایسا ہوتا بھی کیوں نہ جب کہ وہ:۔

شاہ مرداں شیر یزداں قوت پروردگار ہے

درویش لاہور کہتا ہے۔ کہ

تری خاک میں ہے شرر اگر تو خیال فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نان شعیر پر ہے مدار قوت حیدری

جب مردان حق پرست، پیران عظام اور غوثان زمانہ اور صاحبانِ ایمان کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ منبع ولایت ہیں۔ اس لئے کوئی پیر اس وقت تک پیر، کوئی ولی اس وقت تک ولی، کوئی غوث اس وقت تک غوث اور کوئی قطب اس وقت تک قطب نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ علی رضی اللہ عنہ کے قدم نہ چومے اور اس کی فقیری درویشی پر علی رضی اللہ عنہ کی مہر نہ لگے تو پھر موجودہ مادہ پرستی کے دور اور ضلالت و گمراہی کے زمانے میں بھی ہمارے پیروں فقیروں اور ہمارے درویشوں اور دستگیروں کو اور مزاروں کے مسند نشینوں کو۔ خانقاہوں کے سجادہ نشینوں کو اور

ہر مرد مومن کو بھی چاہیئے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چل کر کفر وطغیان کے مقابلے میں اور باطل وشرک کے مقابلے میں اور ضلالت وگمراہی کے اندھیروں میں رشد وہدایت کی شمع روشن کرنے کے لئے بغل میں قرآن اور ہاتھوں میں تلوار لے کر حجروں سے نکلے۔ مکانوں سے باہر آئے اور مصلوں سے اٹھے اور کفر وشرک کی دنیا میں توحید اسلام کی صدائے حق وصداقت بلند کر کے پرچم دین واسلام کو بلند کرے اور پھر آج تو جب کہ ہندوستان کے مہاشے پاکستان کی ایک اسلامی ریاست کو مٹا دینا چاہتے ہیں۔ اور اس مملکت خداداد پاکستان کو فتح کرنے کے لئے نئے نئے منصوبے بنا رہے ہیں اور بھی ضروری ہو گیا ہے کہ ہر مسلمان صدر پاکستان کی بہادرانہ قیادت اور مضبوط مرکز کے سائے میں پاکستان کی سلامتی اپنے وطن کی سرحدوں کی رکھوالی اور ملک وملت کی حفاظت کے لئے متحد ہو کر میدان میں نکلے۔

کیونکہ جنت اگر اللہ اللہ کرنے میں ہے، تسبیح پھیرنے میں ہے اور حجروں میں بیٹھ کر ہو ہو کرنے میں ہے تو فرمان مصطفےٰ کے مطابق تلواروں کے سائے میں بھی ہے۔

آؤ مسلمانو! آج وعدہ کریں۔ اے علی رضی اللہ عنہ کے ماننے والو عہد باندھیں اور اے شیر خدا کے غلامو! حلف اٹھائیں کہ تمام بدعات ومکروہات فسق وفجور، فحاشی وعیاشی، رشوت وسود، جوا وشراب، بددیانتی وفریب کاری اور دوسری تجارتی ومعاشرتی برائیوں کو چھوڑ کر دلوں کو پاک وصاف کر کے اسلامی قدروں اور شریعت مصطفیٰ علیہ السلام کی حدوں کے اندر رہتے ہوئے تمام سیاسی ومذہبی اختلافات ختم کر کے اپنے اندر شیر خدا رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلنے کی ہمت پیدا کریں گے اور غریبوں سے ہمدردی، یتیموں سے پیار اور بیکسوں سے خیر خواہی کے جذبے کو بیدار کریں گے۔

کون علی رضی اللہ عنہ؟ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا میں والی ہوں اس کا علی رضی اللہ عنہ والی ہے اور

اِنَّ عَلِيًّا مِنِّي وَاَنَا مِنْ عَلِيٍّ

کہ میں علی رضی اللہ عنہ سے ہوں اور علی رضی اللہ عنہ مجھ سے ہے۔

اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَّالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ فَلَقِيَهُ عُمَرُ بَعْدَ ذَالِكَ فَقَالَ لَهُ

هَنِيْئًا يَا ابْنَ طَالِبٍ اَصْبَحْتَ وَاَمْسَيْتَ مَوْلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ وَّمُؤْمِنَةٍ.

اے اللہ! جو علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتا ہے تو بھی اس سے محبت رکھ اور جو علی رضی اللہ عنہ کا دشمن ہے تو بھی اس سے دشمنی کر۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ سے ملے اور کہا اے علی تجھے مبارک ہو کہ تو نے صبح اس حالت میں کی ہے کہ تمام مومنین اور مومنات کے مولا ہو۔ علی مجھ سے ہے اور میں علی رضی اللہ عنہ سے ہوں۔

بنی لفظ کن سے یہ مخلوق کل | گیا نور احمدؐ سے یہ راز کھل
فرش سے عرش تک اٹھا پھر یہ غل | کہ محمد گل است وعلیبوئے گل

مصطفٰی پھول ہے اور علی رضی اللہ عنہ اس پھول کی خوشبو ہے اور خوشبو ہمیشہ پھول کے اندر ہوتی ہے۔

علی رضی اللہ عنہ مجھ سے ہے اور میں علی رضی اللہ عنہ سے ہوں۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ اَحَبَّ عَلِيًّا فَقَدْ اَحَبَّنِيْ وَمَنْ اَحَبَّنِيْ فَقَدْ اَحَبَّ اللّٰهَ.

کہ جس نے علی رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جو علی رضی اللہ عنہ کا دشمن ہوا وہ میرا دشمن ہوا اور جو میرا دشمن ہے وہ خدا کا دشمن ہے۔

سچ ہے کہ دین ودنیا کا سلطان علی رضی اللہ عنہ ہے
پھر قبر کا اور حشر کا سامان علی رضی اللہ عنہ ہے
ایمان کے متلاشیو ایمان کی کہہ دوں
ایمان کی قسم میرا ایمان علی رضی اللہ عنہ ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ سَبَّ عَلِيًّا فَقَدْ سَبَّنِيْ

کہ جس نے علی رضی اللہ عنہ کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی۔

نبی ہے بادشاہ تو وزیر علی رضی اللہ عنہ ہے | ہر جنگ میں بھی اللہ کی شمشیر علیؓ ہے
دنیا میں مانتا ہوں کہ میں گنہگار ہوں | پر کیا خوف حشر کا کہ دستگیر علیؓ ہے

کون علی رضی اللہ عنہ؟

وہ رازدار خفی جلی ہے جدھر بھی دیکھو علی علی ہے
گواہ مدینے کی ہر گلی ہے جدھر بھی دیکھو علی علی ہے

کون علی رضی اللہ عنہ؟ آیت تطہیر علی رضی اللہ عنہ، حق کی شمشیر علی رضی اللہ عنہ، نبی کی تدبیر علی رضی اللہ عنہ اور اللہ کی تقدیر علی رضی اللہ عنہ۔

خاتون جنت رضی اللہ عنہا

سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک بیٹی سید الاولیاء رضی اللہ عنہ کی محترم بیوی اور سید الشہداء رضی اللہ عنہ کی معزز ماں، خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے قدموں کی خاک پر قربان، ان کے پاؤں کے نشانوں پر فدا اور ان کی چادر تطہیر کے سائے پر نثار۔

کون خاتون جنت؟

اہل بیت اطہار کی عزت، سلطنت اسلام کی مقدس شہزادی، چادر تطہیر کی مالکہ، رجس ونجس سے مبرا اور حیض ونفاس سے پاک۔

کون زہرا؟

جس نے اپنے نرم ونازک اور پاک ہاتھوں سے چکی پیس پیس کر اور قرآن پاک کی لوریاں سنا سنا کر اپنے شہزادوں کو پالا اور جس کی شرم وحیا عفت وعصمت اور طہارت وپاکیزگی جنت کی حوروں کے لئے بھی باعث رشک تھی۔

وہ عبداللہ کی پوتی آمنہ کے پور کی بیٹی
وہ کملی اوڑھنے والے محمدؐ نور کی بیٹی
ملا تھا اور بھی حصہ اسے عزوشرافت کا
اسی کی گود سے دریا ابلنا تھا شہادت کا

کون بتول؟

جو شادی کے بعد اپنے پیارے اور شفیق باپ کے نورانی حجرے سے رخصت ہوئی تو ستر ہزار فرشتوں کی جماعت کا حفاظتی دستہ ناقۂ زہرا کے پاؤں کی دھول چومتا جا رہا تھا اور جنت کی حوریں راستے میں اپنی عفت کی چادر بچھاتی جاتی تھیں اور رضوان جنت آسمان سے

پھولوں کی بارش کرتے جا رہے تھے۔

ترمذی شریف جلد ۲ صفحہ ۲۲۷ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے خاتون جنت رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر اور کسی کو کھانے پینے، بولنے چالنے اور اٹھنے بیٹھنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ نہیں دیکھا۔

اِذَا دَخَلَتْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ اِلَيْهَا فَقَبَّلَهَا وَاَجْلَسَهَا فِي مَجْلِسِهٖ

کہ جب بھی حضرت زہرا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو جایا کرتے تھے اور پیشانی کو بوسہ دیا کرتے تھے اور اپنی مجلس میں بٹھایا کرتے تھے۔

وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا قَامَتْ مِنْ مَجْلِسِهَا

اور جب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر تشریف لاتے تو آپ تعظیم کے لئے کھڑی ہو جاتی تھیں۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی بیٹی حضرت زہرا کی عزت افزائی کیلئے کھڑے ہو جانا کوئی معمولی بات نہیں ہے بلکہ یوں سمجھئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھڑے ہونے سے ساری کائنات کھڑی ہو جایا کرتی تھی تو جس کی عزت کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو جائیں۔ نہیں نہیں بلکہ نبوت کھڑی ہو جائے تو پھر اس کے مقام واحترام، عزت وآبرو اور طہارت ونفاست کا کیا ٹھکانا ہو سکتا ہے اور پھر ہو بھی کیوں نہ جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ہی فرما دیا ہے۔

مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۶۸ ترمذی شریف جلد ۲ صفحہ ۲۲۷ مسلم شریف جلد ۲ صفحہ ۲۹۰

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِّنِّيْ کہ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے اور جس نے فاطمہ کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔ کملی والے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی کے لئے یہ ارشاد اس لئے فرمایا کہ ابوجہل نے اپنی بیٹی جس کا نام عوزا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دینے کی خواہش ظاہر کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پیشکش کو قبول بھی کر لیا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو

حضور ﷺ نے منبر پر چڑھ کر ایک طویل خطبہ دیا اور فرمایا:

وَاِنِّی لَسْتُ اُحَرِّمُ حَلَالًا وَلَا اُحِلُّ حَرَامًا وَلٰکِنْ وَاللّٰهِ لَاتَجْتَمِعُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَبِنْتُ عَدُوِّ اللّٰهِ مَکَانًا وَاحِدًا اَبَدًا

کہ میں کسی حرام چیز کو حلال اور کسی حلال کو حرام نہیں کرتا مگر خدا کی قسم قیامت تک رسول خدا کی بیٹی اور دشمن خدا کی بیٹی ایک مکان میں نہیں رہ سکتیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا اور پھر جب تک خاتون جنت رہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوسرا نکاح نہیں کیا۔

اشعۃ اللمعات جلد ۲ صفحہ ۳۸۰ حضرت شیخ محدث عبدالحق۔ ہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ حضرت فاطمہ حضور ﷺ کے دل کا ٹکڑا ہیں اس لئے اگر کسی نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو گالی دی تو اس نے نبی کو گالی دی تو جس نے نبی کو گالی دی تو وہ کافر ہو گیا۔

مسلم شریف جلد ۲ صفحہ ۲۹۰ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۶۸۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ایک روز ہم تمام ازواج مطہرات نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھی تھیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی طرح چلتی ہوئی تشریف لائیں اور جب حضور ﷺ نے دیکھا تو فرمایا مَرْحَبًا یَا بِنْتِیْ کہ اے میری بیٹی تمہارا آنا مبارک ہو اور پھر حضور ﷺ نے ان کو اپنے پاس بٹھالیا۔

ثُمَّ سَارَّ فَبَکَتْ بُکَاءً شَدِیْدًا ۔ پھر حضور ﷺ نے ان کی سرگوشی کی۔ پس خاتون جنت رونے لگیں اور جب حضور ﷺ نے بیٹی کا حزن وملال دیکھا تو پھر کان میں کوئی بات کی تو حضرت زہرہ مسکرا پڑیں اور جب نبی کریم چلے گئے تو میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے اس سرگوشی کے متعلق پوچھا تو خاتون جنت نے فرمایا کہ میں اپنے ماں باپ کی راز افشا نہیں کر سکتی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کے وصال پاک کے بعد میں نے پھر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا سے اس راز کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ پہلی بار جو میرے باپ سیدالمرسلین ﷺ نے میرے ساتھ راز کی بات کی تھی۔ وہ یہ تھی کہ حضرت جبرائیل میرے

ساتھ سال میں ایک دفعہ قرآن کا دورہ کیا کرتا تھا۔ مگر اس نے اس سال میں دو دفعہ قرآن پاک کا دورہ کیا ہے تو میں سمجھ گئی کہ میرے باپ اس ظاہری دنیا میں تھوڑے دن اور ہیں، اس لئے میں رونے لگی۔ اور جب دوسری بار نبی کریم ﷺ نے مجھ سے راز کی بات کی وہ یہ تھی۔

يَا فَاطِمَه اَلَا تَرْضِيْنَ اَنْ تَكُوْنِي سَيِّدَةِ نِسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اَوْنِسَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

کہ اے بیٹی فاطمہ! کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تم جنت کی عورتوں کی سردار ہو یا تمام مسلمان عورتوں کی سردار ہو۔

اشعت اللمعات جلد۴ صفحہ ۳۸۰ حضرت شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پاک کی شرح میں لکھتے ہیں۔

بدآنکہ ایں حدیث دلالت دارد بر فضل فاطمہ بر تمامہ نساء مومنات حتی از و مریم و آسیہ و خدیجہ و عائشہ رضی اللہ عنہا

کہ یہ حدیث پاک تمام مسلمان عورتوں پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت ثابت کرتی ہے۔ یہاں تک کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا، حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا و حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بھی۔ اور اسی چیز کو درویش لاہوری علامہ اقبال نے عقیدت کے پھول دربار زہرا میں پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز
از سہ نسبت حضرت زہرہ عزیز

کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا صرف ایک وجہ سے دنیا میں ممتاز ہیں کہ وہ حضرت عیسیٰ کی والدہ ہیں لیکن خاتون جنت حضرت زہرہ تین وجہ سے دنیا میں ممتاز ہیں۔ پہلی یہ کہ:

نور چشم رحمۃ اللعالمین!
آں امام اولین و آخرین

کہ وہ رحمت دو جہاں علیہ السلام کی لخت جگر ہیں اور دوسری وجہ یہ کہ:

بانوئے آں تاجدار ھل اتی
مرتضیٰ، مشکل کشا، شیر خدا

وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جو مرتضیٰ بھی ہیں، مشکل کشا بھی ہیں اور شیر خدا بھی ان کی زوجہ محترمہ ہیں اور تیسری وجہ یہ ہے کہ:۔

مادر آں مرکز پر کار عشق ‏ ‏ ‏ مادر آں قافلہ سالار عشق

کہ وہ عشق کی پرکار کے مرکز اور عشق کے قافلے کے سردار حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ماں ہیں۔اور وہ لوگ جو حضرت مریم کی فضیلت کے قائل ہیں ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ صرف اپنی قوم کی عورتوں سے افضل تھیں۔لیکن فضیلت فاطمہ بوحی واعلام پروردگار تا آخر عموم فضل وے برتمام نساء عالم ثابت شدہ کہ حضرت فاطمہ کی تمام دنیا کی عورتوں پر فضیلت وحی الٰہی اور اعلان خداوندی سے ثابت ہے جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے ادا ہوا۔اور بعض علماء کرام حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حضرت فاطمہ سے افضل اس لیے مانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عائشہ صدیقہ جنت میں میرے ساتھ ہوگی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوگی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و مکان حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بلا شبہ اعلیٰ وارفع ہوگا۔لیکن محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:۔

(اے فاطمہ رضی اللہ عنہا من وتو وعلی رضی اللہ عنہ وحسن رضی اللہ عنہ وحسین رضی اللہ عنہ دریک مکان ودریک مقام خواہیم بود)

کہ اے فاطمہ رضی اللہ عنہا تو اور میں اور علی رضی اللہ عنہ اور حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ جنت میں ایک ہی مقام اور مکان میں ہوں گے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین بھی ہیں اور بارگاہ الٰہی میں مقبول بھی اور عتیقہ بھی ہیں اور صدیقہ بھی۔لیکن حسب ونسب میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں وہ زوجۂ رسول ہیں اور یہ بنت رسول وہ ام المومنین ہیں اور یہ بنت سید المرسلین۔

اس پیکر شرم وحیا، مجسمۂ عفت وعصمت، تصویر طہارت ونفاست اور آئینۂ اخلاق محمدی کی عزت وآبرو اور تعظیم وتکریم کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ دنیا میں بسنے والے ہر انسان کی روح تو ملک الموت قبض کرے۔لیکن جب خاتون جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی باری آئی تو ان کی روح خدا نے خود قبض کی ہے۔(تفسیر روح البیان جلد ۳ صفحہ ۲۰۳)

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا کے تحت حضرت علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

اِنَّ فَاطِمَةَ الزَّهْرَا رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا لَمَّا نَزَلَ عَلَيْهَا مَلَكُ الْمَوْتِ لَمْ تَرْضِىْ بِقَبْضِهَا قَبَضَ اللّٰهُ رُوْحَهَا.

جب خدا تعالیٰ نے ملک الموت کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی روح قبض کرنے کے لئے بھیجا تو وہ اس پر راضی نہ ہوئیں تو پھر خداوند تعالیٰ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی روح پاک خود قبض کی۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی کسی دعا کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ قرآن پاک میں جہاں کہیں بھی انسانی روح قبض کرنے کا ذکر ہے وہاں مَوْتِكُمْ ہے یعنی ضمیر مذکر کی ہے لیکن یہاں موتھا ضمیر مونث ہے تو شاید کسی وقت حضرت زہرا نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی ہو کہ اے میرے پروردگار تو نے کسی مؤنث کی روح قبض کرنے کی نسبت اپنی طرف کی ہے اور اس کا ظہور بھی ضرور ہوگا اور جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے میری آنکھوں نے کسی غیر مرد کو نہیں دیکھا اور عزرائیل اگرچہ فرشتہ ہے لیکن میرے لئے وہ بھی غیر ہے۔ اس لئے میری موت کے وقت میری روح خود ہی قبض کر لینا تا کہ آیت کے مطابق تیری اس نسبت کا ظہور بھی ہو جائے اور میرا پردہ بھی رہ جائے۔

اے سیدہ دو جہاں تیرے پردے کے نثار۔ اے خاتون جنت تیری شرم وحیا کے قربان۔ اور اے شہزادیٔ کونین تیری عفت وعصمت پر فدا تیرا نام پاک وسیلۂ نجات۔ تیرا ذکر جمیل باعث حسنات اور تیری چادر تطہیر سایۂ رحمت، سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پاک کا یعنی لقائے خداوندی کا وقت آیا تو بنت رسول سیدۂ دو جہاں حاضر خدمت ہیں، دروازہ پر دستک ہوئی تو نور دیدۂ مصطفیٰ نے پوچھا کون ہے؟ جواب آیا۔ ایک اعرابی ہوں۔ مگر جگر گوشہ رسول نے پوچھا۔ کیوں آئے ہو؟

عرض کی گئی خلاصۂ کائنات کی عیادت کو آیا ہوں۔ خاتون جنت نے فرمایا کل آنا۔ آنے والا لوٹ گیا۔ دوسرے دن کاشانۂ نبوت پر پھر دستک ہوئی۔ حضرت زہرا نے پوچھا کون ہے؟ جواب ملا۔ ایک اعرابی ہوں۔ حضرت بتول نے فرمایا۔ کیوں آئے

ہو؟ جواب آیا اپنے آقا کی مزاج پرسی کے لئے بہت دور سے آیا ہوں۔ اندر آنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ خاتون جنت نے فرمایا ابھی میرے ابا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ کل آنا۔ آنے والا پھر لوٹ گیا۔

دروازہ نبوت پر یہ دستک دینے والا اور پھر حضرت فاطمہ کے کہنے پر واپس لوٹ جانے والا عزرائیل تھا۔ جس نے ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک کسی سے اندر آنے کی اجازت طلب نہیں کی تھی اور نہ ہی قیامت تک کرے گا لیکن یہاں وہ جانتا تھا کہ دروازۂ رسالت میں بیٹھی ہوئی پیکر عفت وعصمت اور تصویر شرم وحیا حضرت زہرا ہے۔ اگر میں اجازت کے بغیر اندر چلا گیا اور میری نظریں اس کے معصوم چہرے پر پڑ گئیں تو ہوسکتا ہے کہ دفتر ملائکہ سے میرا نام کٹ جائے۔

تیسرے دن پھر آستانۂ نبوت کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا تو نبی ﷺ کی لخت جگر نے پھر پوچھا کون ہے؟ جواب آیا وہی کل والا اعرابی ہوں! امام الانبیاء ﷺ کی مزاج پرسی کے لئے بہت دور سے آیا ہوں اندر آنے کی اجازت دیجئے۔ حضرت زہرا نے پھر فرمایا۔ کل آنا۔

دروازہ پھر ہلایا گیا۔ سید المرسلین ﷺ نے چشم رحمت کھولی اور فرمایا بیٹی دروازے پر کون ہے؟ عرض کی ابا جان کوئی اعرابی ہے آج تین دن ہوگئے ہر روز آپ کی عیادت کو آتا ہے مگر میں ناسازیٔ مزاج اقدس کے پیش نظر اس کو اندر آنے کی اجازت نہیں دیتی۔ کملی والے کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ بیٹی کو سینے سے لگایا اور فرمایا بیٹی! یہ اعرابی نہیں ہے یہ وہ فرشتہ ہے جو باپ کو بیٹے سے، ماں کو بیٹی سے اور بھائی کو بھائی سے جدا کر دیتا ہے اور یہ وہ عزرائیل ہے۔ جو تمہارے باپ کی روح اقدس کو قبض کر کے آج تمہیں یتیم بنانے آیا ہے۔ اسے میرے آستانۂ رسالت اور تمہارے پردے کا خیال ہے جو تین دن سے اندر آنے کی اجازت طلب کر رہا ہے ورنہ اس نے آج تک کسی سے اجازت طلب نہیں کی اور فرمایا بیٹی! صبر کرو اور پردہ کر کے دروازہ کھول دو۔

بس یہ سن کر سیدہ دوجہاں کی آنکھوں میں آنسو جاری ہوگئے اور ہوتے بھی کیوں نہ۔ آج یہ کونین کی شہزادی اور جنت کی عورتوں کی سردار اپنے باپ کی شفقت سے محروم ہوکر

یتیم ہو رہی تھی۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پاک کے بعد جب تک سیدۂ دو عالم زندہ رہیں۔ کسی نے بھی ان کو ہنستے نہیں دیکھا بلکہ تمام دن اور ساری ساری رات آنکھوں سے آنسو جاری رہتے تھے اس لئے کہ رحیم وکریم باپ کی جدائی مشفق وشفیق والد کی شفقت سے محرومی اور پھر یتیمی کا احساس! کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قدموں پر گر کر روتیں اور کبھی شہزادوں کو گود میں لے کر آہیں بھرتیں اور جب یہ نور چشم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روتیں تو عرش کے فرشتے بھی ساتھ روتے جنت کے غلمان روتے۔ فردوس کی حوریں روتیں، زمین وآسمان روتے اور جنت کے رضوان روتے غرضیکہ کائنات کا ذرہ ذرہ روتا

یہ ہنستی تھی تو فطرت بے خودی میں مسکراتی تھی
یہ روتی تھی تو ساری کائنات آنسو بہاتی تھی

علی رضی اللہ عنہ نے تسلی دی۔ مدینہ منورہ کی عورتوں نے ڈھارس بندھائی۔ کنیزوں نے حوصلہ دیا مگر خاتون جنت کے لئے باپ کی جدائی کا صدمہ ایک ایسا صدمہ تھا اور یہ غم ایسا غم تھا کہ جس کا علاج نہ علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور نہ [illegible] عورتوں کے پاس اور ایسا صدمہ وغم اور درد والم وہی ایک بیٹی جان سکتی ہے جو ماں کے پیار سے پہلے ہی محروم ہو چکی ہو اور پھر باپ کی شفقت سے بھی محروم ہو کر یتیم ہو جائے۔

اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ، کو سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کے چپ کرنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو فرمایا۔ اے خاتون جنت میں جانتا ہوں کہ یہ صدمہ تمہارے لئے ایک قیامت ہے مگر اپنے اس رحیم وکریم باپ کی وصیت کو یاد کر کے صبر کرو۔ اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے رونے سے آسمان کا کلیجہ پھٹ جائے اور زمین پر لرزہ طاری ہو جائے اور کہیں قیامت برپا نہ ہو جائے باپ کی وصیت کے پیش نظر بیٹی نے رونا بند کر دیا اور عرض کی آقا! آج رات مجھے میرے باپ کے روضۂ اقدس پر لے چلنا۔ بہت ممکن ہے کہ آتش غم فراق آنسوؤں سے بجھ جائے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کیوں نہیں۔ ضرور لے چلوں گا۔

آدھی رات ہوئی اور جب مدینہ منورہ کی مقدس گلیوں میں خاموشی چھا گئی اور کائنات کا ذرہ ذرہ محوِ خواب ہو گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اٹھے دیکھا تو سیدہ دو عالم بے ہوش پڑی ہیں، چہرۂ اقدس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پانی چھڑکا۔ بتول کو ہوش آئی۔ آنکھیں کھولیں اور پوچھا رات کتنی باقی ہے؟ شیرِ خدا نے فرمایا کہ ابھی آدھی رات گذری ہے تو حضرت زہرا نے عرض کی کہ پھر مجھے ابا جان کے مزار پر انوار پر لے چلو۔ جناب علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اٹھو اور عرض کی بیٹی زینب اور دونوں شہزادوں کو بھی جگاؤ کہ ساتھ چلیں۔ اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سہارا دیا۔ سر پر چادرِ تطہیر اوڑھائی۔ بازوؤں کو تھاما اور پھر اس طرح یہ نورانی قافلہ آدھی رات کے وقت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ اقدس کی طرف روانہ ہوا۔ اور وہ سیدۂ دو جہاں جو کبھی باپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتی تو امام الانبیاء اپنی بیٹی کے استقبال کیلئے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ آج آدھی رات کے وقت وہی سید الانبیاء علیہ السلام کی لختِ جگر باپ کی تربت اطہر کی زیارت کر کے آتشِ ہجر و فراق کو اپنے آنسوؤں کے قطروں سے بجھانے جا رہی ہے۔ اپنے دونوں شہزادوں حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے پہلوؤں میں لئے اور اپنی بیٹی سیدہ بی بی زینب کے سر پر ہاتھ رکھے جا رہی ہے قدم لڑکھڑا رہے ہیں اور دامن آنسوؤں سے تر ہوتا جا رہا ہے۔ سیدہ نے سرد آہ بھری۔ بیٹی زینب نے پوچھا۔ اماں جان آپ روتی کیوں ہیں اور آہیں کیوں بھرتی ہیں؟ فرمایا بیٹی! آج مجھے وہ وقت یاد آ رہا ہے کہ جب کربلا کے میدان کی طرف روانہ ہوتے وقت تو بھی اپنے نانے مصطفیٰ علیہ السلام کے روضے پاک کی جالی چومنے کے لئے آئے گی۔ آج میرے ساتھ تو ہے اور اس وقت تیرے ساتھ بچی سکینہ ہوگی۔ آج میرے ساتھ حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ ہیں اور کل تیرے ساتھ عون و محمد ہوں گے۔

راستہ طے ہوتا گیا اور منزل قریب ہوتی گئی اور پھر جونہی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نگاہ اور بیٹی کی نظر اپنے باپ کے روضے پر پڑی تو بے ساختہ پکار اٹھی۔

یَاخَیْرَ خَلْقِ اللّٰہِ مَالَنَکَ وَلِلتُّرَاب

کہ اے کائنات سے افضل آپ کو خاک سے کیا تعلق۔ اتنا کہا اور روضے پر گر پڑیں

اور چہرے پر مزار پرانوار کی خاک ملی اور پھر اتنا روئیں کہ روضۂ اطہر پر ہر روز حاضری دینے والے ستر ہزار فرشتے بھی تڑپ اٹھے۔

اور پھر فرمایا:

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّهَا
صُبَّتْ عَلَى الْاَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا

کہ مجھ پر وہ مصیبتیں پڑی ہیں کہ اگر ان مصیبتوں کو دنوں پر ڈالا جائے تو وہ بھی راتیں ہو جائیں۔

اور پھر فرمایا:

مَاذَا عَلَیَّ مِنْ شَمِّ تُرْبَةِ اَحْمَدٍ

آج سید المرسلین ﷺ کی تربت پاک سے مجھے وہ خوشبو آ رہی ہے کہ ایسی خوشبو میں نے آج تک کہیں نہیں پائی۔

مقدمہ معارج النبوت صفحہ ۱۲ حضرت علامہ معین الدین کاشفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ایک رات حضرت علی دیر سے گھر آئے تو خاتون جنت نے عرض کی کہ آقا آج اتنی دیر کہاں رہے ہو؟ تو جناب شیر خدا نے فرمایا کہ بس تمہارے باپ امام الانبیاء علیہ السلام کی خدمت اقدس میں بیٹھ کر پیاری پیاری باتیں سنتے دیر ہو گئی ہے۔

حضرت زہرا نے پوچھا کہ میرے باپ نے کیا فرمایا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی صاحبزادی کے جہیز میں ایک جوتی دی جس پر لعل و جواہرات جڑے ہوئے تھے اور اپنے داماد کو ایک ایسا تاج دیا جس پر ہیرے اور موتی لگے ہوئے تھے یہ سن کر سیدہ عالم کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ شاید حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ خیال کریں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تو اپنی بیٹی کو قیمتی جہیز دیا اور داماد کو قیمتی تاج دیا جس پر ہیرے اور موتی جڑے ہوئے تھے مگر میرے باپ سید الانبیاء علیہ السلام نے جو شہنشاہ دو جہاں ہیں اپنی بیٹی کے جہیز میں کیا دیا۔ مٹی کے دو پیالے۔ چمڑے کا ایک مشکیزہ، کھجور کی ایک چٹائی اور ایک چکی اور ایک مصلے اور پھر داماد

کے لئے نہ گھوڑا نہ جوڑا۔

اسی خیال میں کئی راتیں اور کئی دن گذر گئے کہ ایک رات حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ جنت کے ایک اعلیٰ مقام پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک نورانی، مرصع اور ہیروں سے جڑے ہوئے ایک سنہری تخت پر جلوہ افروز ہے اور ہزاروں حوران بہشتی ان کی غلامی میں حاضر ہیں تب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے فاطمہ رضی اللہ عنہا مجھے پیاس لگ رہی ہے۔ پانی پلاؤ۔ تو کونین کی شہزادی حضرت زہرا نے ایک حسین وجمیل کنیز جو زرق برق پوشاک پہنے ہوئے اور قیمتی زیورات سے آراستہ تھی کو حکم دیا کہ جاؤ اور حوض کوثر سے علی رضی اللہ عنہ کے لئے پانی کا پیالا لاؤ۔ تب شیر خدا نے پوچھا اے فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ کنیز کون ہے؟

تو خاتون جنت نے جواب دیا کہ یہ کنیز حضرت سلیمان صلی اللہ علیہ وسلم کی وہی بیٹی ہے جس کا ذکر میرے ابا جان نے آپ سے کیا تھا۔ نزہت المجالس جلد ۲ صفحہ ۲۲۶ قریش مکہ کی چند عورتیں قیمتی لباس پہنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور کہا۔ اے ابوالقاسم اگر چہ ہمارا مذہب آپ سے جدا ہے لیکن رشتہ داری کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہمارے گھر ایک شادی کی تقریب میں بھیج دو۔

قریش کی یہ عورتیں اپنی دولت وامارت اور عیش وعشرت کے مقابلے میں حضرت خاتون جنت کے دنیاوی فقر وغنا اور ظاہری غربت وافلاس کا مذاق اڑانا چاہتی تھیں۔ لیکن شاید وہ نہیں جانتی تھیں کہ کسی دولت مندی کی دولت، کسی کے سیم وزر کے خزانے، کسی شہنشاہ کا تخت وتاج اور یہ دارا وسکندر کی شان وشوکت سب اسی گھرانے کا صدقہ ہے اور الفقر فخری کو اپنی زندگی کا معیار بنانے والے اگر مکہ کی پہاڑیوں کو اشارہ کر دیں تو انہیں پہاڑیوں کا ایک ایک پتھر لعل وجواہرات میں تبدیل ہو جائے اور ایک ایک سنگریزہ سونے اور چاندی میں بدل جائے۔

پہلے تو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور پھر فرمایا کہ اچھا! تم چلو اور میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی آتی ہے وہ عورتیں واپس چلی گئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مصلے سے اٹھے اور حضرت زہرہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا۔ بیٹی میری شان رحمت وشفقت اور مقام

لطف وکرم کا یہی تقاضا ہے کہ میرے دروازے پر آیا ہوا کوئی سوالی بھی خالی نہ جائے اور اسی بنا پر میں نے قریش کی امیر زادیوں سے ان کی شادی میں تمہیں بھیجنے کا وعدہ کرلیا ہے۔ بیٹی تمہارا کیا ارادہ ہے؟ مادر حسنین رضی اللہ عنہا نے عرض کی ابا جان آپ کا حکم سر آنکھوں پر مگر میں حیران ہوں کہ وہاں تو قریش کے سرداروں کی عورتیں ہوں گی جو ریشمی لباس میں ملبوس اور سونے چاندی کے زیورات سے آراستہ ہوکر اس شادی کی مجلس میں آئیں گی۔ مگر اپنی یہ حالت ہے کہ:۔

زربفت کے پردے میں کنیزوں کے مکاں میں اک کہنہ ردا بنت پیمبر کے لئے ہے!

اور جب وہ میرے پھٹے ہوئے لباس اور پرانی سی چادروں کو دیکھیں گی۔ تو نہ صرف میرا بلکہ اسلام کا مذاق اڑائیں گی۔ کملی والے آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اے جان پدر! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، بیشک وہ قریش کے بڑے بڑے سرداروں کی عورتیں ہیں مگر تم بھی سید المرسلین اور شہنشاہ دوعالم کی بیٹی ہو اور وہ تو صرف مکہ کے سرداروں کی عورتیں ہیں۔ مگر تم جنت کی عورتوں کی سردار ہو اور ان کے پاس دنیا کا ساز وسامان ہے اور تمہارے پاس دولت دین وایمان ہے اور کل حشر کے میدان میں جب یہ برہنہ ہوں گی۔ تو اس وقت تمہاری ہی چادر تطہیر رحمت وبخشش کا سایہ بن کر گنہگاروں کے سروں پر چھا جائے گی۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی یہ فرما ہی رہے تھے کہ حضرت جبریل حاضر خدمت ہوئے اور اللہ کی طرف سے سلام پیش کرنے کے بعد عرض کی۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا فرماتا ہے کہ سیدہ طاہرہ سے کہہ دو کہ وہ قریش کے سرداروں کی امیر زادیوں کی مجلس میں جاتے ہوئے اپنے پھٹے ہوئے لباس اور پرانی چادروں پر پریشان نہ ہو۔ بلکہ وہ اسی لباس میں جائے اور پھر ہماری شان قدرت دیکھے سیدہ کا خیال ہے کہ میرے پرانے اور پھٹے ہوئے لباس کو دیکھ کر وہ مذاق اڑائیں گی اور ہماری مرضی یہ ہے کہ یہی عورتیں ضیائے حسن وجمال فاطمہ پر پروانہ وار نثار ہوکر قید کفر سے نجات پائیں۔

محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی لخت جگر کو بارگاہ الٰہی کا یہ مژدۂ جانفزا سنایا تو شہزادی

کونین اٹھی اور گلیم فقر جسم اطہر پر لپیٹی، چادر تطہیر سر پر رکھی اور لباس شرم وحیا زیب تن کیا اور تنہا ہی سوئے خانہ شادی روانہ ہوگئی۔ ادھر تمام زنان قریش منتظر تھیں کہ دیکھیں آج ہمارے دولت کدہ جاہ وحشمت میں انگلی کے ایک اشارے سے چاند کو دو ٹکڑے کر دینے والے کی بیٹی اور اپنے اعجاز نبوت سے مکہ کے پہاڑوں کو سونا بنا دینے والے کی لخت جگر کس سج دھج، فاخرہ لباس اور کون سے قیمتی زیورات پہن کر آتی ہے وہ راہ دیکھ رہی تھیں کہ اچانک ان کے کانوں میں آواز آئی کہ تعظیم وتکریم کے لئے کھڑی ہو جاؤ اس لئے کہ خدا کے محبوب پاک کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لا رہی ہیں۔

قریش کی تمام عورتیں باادب کھڑی ہوگئیں اور پھر انہوں نے دیکھا کہ سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا اپنے حسن وجمال باطنی سے خانہ شادی کے در و دیوار کو روشن کرتی ہوئی اس شان وشوکت سے جلوہ افروز ہو رہی ہیں کہ سینکڑوں کنیزان پاک دامن ارد گرد ساتھ آ رہی ہیں۔ کسی نے چادر تطہیر کا دامن عفت اٹھا رکھا ہے اور کوئی ہر قدم کے نشان کو بوسے دے رہی ہے اور کوئی پنکھا جھلتی آ رہی ہے۔ پس پھر کیا تھا۔ حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے اس ہیبت وجلال اور حسن وجمال کو دیکھ کر زنان قریش کی آنکھیں شرم سے جھک گئیں کہ کسی میں تاب نظارہ نہ رہی۔ کچھ بدنصیب تو اس کو جادو کا ایک کرشمہ سمجھ کر مجلس سے اٹھ کر چلی گئیں۔ اور بہت سی قدموں میں جھک گئیں اور پوچھنے لگیں مِنْ اَیْنَ لَکِ کہ اے فاطمہ رضی اللہ عنہا ایسا خوبصورت لباس تجھے کہاں سے ملا۔ فَقَالَتْ مِنْ اَبِیْ سیدہ طاہرہ نے فرمایا کہ میرے باپ سے فَقُلْنَ مِنْ اَیْنَ لِاَبِیْكِ انہوں نے پھر پوچھا کہ تمہارے باپ کو کہاں سے ملا؟ قَالَتْ مِنْ جِبْرِیْلَ شہزادیٔ دو عالم نے فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام سے قُلْنَ مِنْ اَیْنَ لِجِبْرِیْلَ وہ پھر بولیں کہ جبریل کو کہاں سے ملا؟ خاتون جنت نے فرمایا قَالَتْ مِنَ الْجَنَّةِ کہ جنت سے ملا ہے۔ تو وہ تمام کی تمام یہ سنکر کلمہ شہادت ول انھیں اور حلقہ بگوش اسلام ہوگئیں۔ اے نور چشم مصطفیٰ تیری عزت وحرمت کے قربان اے بانوئے شیر خدا تیرے حسن وجمال باطنی کے نثار اے شہزادیٔ کونین تیرے رعب و جلال ظاہری کے فدا۔ اور اے تصویر اخلاق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تیری چادر عفت وعصمت کو سلام اور اے مادر حسنین تیرے قدموں کی خاک کے صدقے۔

کون فاطمہ؟

نبی ﷺ کے دل کا ہے ٹکڑا نبی ﷺ سے سنتے ہیں!
علی رضی اللہ عنہ کے گھر کی ہے عزت علی رضی اللہ عنہ سے سنتے ہیں
وہ اور جس نے معزز کیا گھرانے کو
حسینؓ پال کے جس نے دیا زمانے کو

نزہت المجالس جلد ۲ صفحہ ۲۳۲ بحوالہ امام نسفی

كَتَبَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ فِيْ لَوْحَيْنَ

کہ ایک دفعہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے تختیوں پر خط لکھے اور ہر ایک کہتا تھا کہ میرا خط اچھا ہے۔ (مختلف روایات اور مختلف طریقے سے)

دونوں شہزادے اپنے اپنے خط کا فیصلہ کرانے کے لئے تاجدار دوجہاں اپنے نانا ﷺ کے پاس پہنچے اور عرض کی نانا جان فیصلہ کردو کہ خط کس کا اچھا ہے۔

نبی نے ہنس کے فرمایا کہ اے میرے جگر بندو
علی رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ تختیاں لیکر اے فرزندو

نانا جان کا یہ حکم سن کر

علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تختیاں لیکر وہ شہزادے
ہمارے خط کا ابا فیصلہ تو آپ ہی کر دے

جناب شیر خدا نے فرمایا کہ اے میرے بیٹو! تمہارے خط کا فیصلہ میں بھی نہیں کرسکتا۔ اگر فیصلہ کروانا ہے تو اپنی ماں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اس لئے کہ:۔

تمہاری ماں ہے شہر علم کے سلطان کی بیٹی
مسلم ہے تمہاری خوشخطی اور منصفی اسکی

یہ سن کر دونوں شہزادے کہ جن سے چاند شرمائے
اٹھائیں تختیاں اور ہنستے ہنستے ماں کے پاس آئے

لگایا ان کو اپنے سینے سے خاتون جنت نے
کلی فردوس کی اور منبع دریائے الفت نے

اور پھر فرمایا۔ آج میرے شہزادے اس پریشانی کے عالم میں میرے پاس کیوں آئے ہیں؟ شہزادوں نے دست بستہ عرض کی۔ اماں جان، ہم آپ سے یہ فیصلہ کروانے آئے ہیں کہ ہم میں سے خط کس کا اچھا ہے۔ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ بیٹو! گھبراؤ نہیں۔ میں ابھی تمہارا فیصلہ کیے دیتی ہوں۔ شہزادوں نے عرض کی۔ اماں جان وہ فیصلہ جو نانے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا۔ اور وہ فیصلہ جو باپ شیر خدا نے بھی نہیں کیا آپ وہ فیصلہ کس طرح کر سکیں گی۔ تو سیدہ پاک نے فرمایا کہ میرے کانوں میں سات موتی ہیں۔ میں ان کو اوپر سے پھینک دیتی ہوں۔ پس جس کی تختی پر چار گر پڑیں گے اس کا خط اچھا ہوگا۔ دونوں شہزادوں نے فیصلہ کا یہ طریقہ منظور کر لیا اور پھر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے وہ موتی اوپر اچھال دیئے تو:

گرے وہ تختیوں پر دفعتاً چھ تین تین ہوکر
وہ دونوں دیکھتے تھے ساتویں کو پرحزیں ہوکر

اور جب ان سات موتیوں میں سے تین تین ہر ایک تختی پر گرے تو دونوں شہزادے ساتویں کو بڑی بے تابی سے دیکھتے ہیں کہ دیکھیں یہ کس کی تختی پر گرتا ہے۔

مگر وہ ساتواں ٹھہرا رہا اللہ کی قدرت سے
اسی نے فیصلہ کرنا تھا شہزادوں کا عزت سے

اور پھر:

خدا کی طرف سے جبریل کو پھر یہ پیام آیا
کہ کردے اس کے دو ٹکڑے تو یہ اللہ نے فرمایا
کہ شہزادوں کی اس خدمت گذاری کا صلہ یہ ہے
کسی کے مرتبے میں فرق نہ آئے ہمارا فیصلہ یہ ہے

اے شہنشاہ دو جہاں کی پاک بیٹی! تیری تکریم پر ہزاروں درود اور اے زوجۂ پناہ بے کساں! تیری طہارت پر لاکھوں سلام۔ اور اے مادر سالارکارواں عشق تیری آبرو پر

کروڑوں صلوٰۃ!

کون فاطمہ رضی اللہ عنہا؟

سخی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سخاوت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی۔عابد فاطمہ رضی اللہ عنہا کے عبادت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی۔ امام فاطمہ رضی اللہ عنہا کے امامت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی۔قاری فاطمہ رضی اللہ عنہا کے تلاوت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شہید فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شہادت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی۔نہیں نہیں! خدا فاطمہ رضی اللہ عنہا کا اور ساری خدائی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی۔

وہ زہرا جس کے گھر تسنیم وکوثر کی تھی ارزانی
ملی تھی مشک ان کو تا کہ خود لایا کریں پانی

وصال پاک سیدہ لولاک

مملکت اسلام کی شہزادی، آغوش نبوت کی پروردہ۔ مرکز ولائیت کی حرم پاک اور قافلہ سالار عشق کی پیاری ماں۔ حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا پر بھی کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْت کے قانون قدرت کا وہ وقت آ ہی گیا۔ جس کی گرفت سے کوئی انسان بچ نہیں سکتا۔ یعنی موت کا وقت۔

فخر موجودات اور خلاصۂ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پاک کے چھ مہینے بعد ایک دن شیر خدا گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آٹا گوندھ رہی ہیں اور پھر شہزادوں کے کپڑے دھو رہی ہیں اور پانی گرم کیا جا رہا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بے وقت انتظام ہوتا دیکھ کر فرمایا۔ اے نور دیدۂ مصطفیٰ یہ آج کیا ہو رہا ہے؟

حضرت زہرا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اور عرض کی آقا آج میں آپ سے جدا ہو رہی ہوں۔ ہجر و فراق کی سیاہ راتیں گزر چکی ہیں۔ اور وصل و ملاقات کے روشن دن آ گئے ہیں۔ ابا جان کو آج رات خواب میں دیکھا ہے۔ میرے سرہانے کھڑے ہیں اور ادھر ادھر دیکھ رہے ہیں جیسے کوئی چیز تلاش کر رہے ہیں۔ میں نے پوچھا۔ ابا جان کہاں ہیں؟ میں تو آپ کے غم و فراق میں تڑپتی رہتی ہوں اور سوز ہجر میں جاں سوختہ رہتی ہوں۔ تو آپ نے فرمایا۔ بیٹی گھبراؤ نہیں فرقت کے دن گزر چکے اور اب جلدی تم مجھے آ کر ملو گی اور میں تمہیں لینے کے لئے آیا ہوں۔

اے میرے آقا! معلوم ہوتا ہے کہ میرا آخری وقت آن پہنچا ہے اور شاید آج میں تم سے جدا ہو جاؤں اور آٹا اس لئے گوندھ رہی ہوں کہ روٹیاں پکا کر اپنے شہزادوں کو کھلا جاؤں۔ میرے بعد میرے بیٹے روٹی کس سے مانگیں گے اور ان کو کھانا کون کھلائے گا اور کپڑے اس لئے دھو رہی ہوں کہ میرے بعد خدا جانے ان کے کپڑے کوئی دھوئے کہ نہ

دھوئے اور پانی اس لئے گرم کر رہی ہوں کہ اپنے شہزادوں کی زلفیں دھو کر اور گیسو سنوار کر انہیں ایک بار دولھا بنا کر جی بھر کے دیکھ لوں۔ معلوم نہیں میرے بعد کتنا غبار ان کے بالوں پر جم جائے گا اور یتیم کس حالت میں رہیں اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قدم پکڑ کر عرض کی۔ اے میرے آقا! اگر مجھ سے کوئی خطا ہو گئی ہو تو معاف کر دو اور میرے بعد رونا نہ۔ اس لئے کہ اگر آپ روئے تو میرے شہزادے بھی روئیں گے اور ان کے رونے سے قبر میں میری روح کو بے قراری ہوگی۔ اے میرے آقا! میرے بعد آپ کو دوسری شادی کرنے کی اجازت ہوگی۔ مگر خدا کے لئے میرے بچوں کا خیال رکھنا یہ یتیموں کی طرح مدینہ کی گلیوں میں روتے نہ پھیریں۔

اور پھر عرض کی۔ میرے آقا! میرا جنازہ رات کو اٹھانا اور کسی کو میری موت کی خبر نہ کرنا۔ اس لیے کہ میں نہیں چاہتی کہ لوگ میری میت کو دیکھیں اور اس طرح میری پردہ دری ہو اور پھر دونوں بیٹوں کو بلایا۔ سروں پر دست شفقت پھیرا۔ پیار کیا۔ سر منہ چوما۔ غسل دے کر نئے کپڑے پہنائے زلفیں سنواریں اور پھر سینے سے لگا کر زار زار رونے لگیں اور فرمایا اے میرے جگر گوشو! میں نے تمہیں بڑی محبت اور پیار سے پالا ہے۔ میں نے تمہارے آرام اور خوشی کی خاطر اپنے دنوں کا چین قربان کیا۔ راتوں کی نیند نثار کی۔ تمہارے چہروں پر شکن دیکھتی تھی۔ تو میرا دل دھڑکنے لگتا۔ مگر اب معلوم نہیں میرے بعد تمہارا کیا حال ہو۔ اور پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا بیٹا حسین! حسن تم سے بڑا ہے اس کا احترام کرنا اور اے بیٹا حسن! حسین تم سے چھوٹا ہے اس سے پیار کرنا۔ ماں اپنے بیٹوں سے آخری باتیں کر رہی تھی۔ مگر بیٹے نہیں جانتے تھے کہ ہماری مشفق و شفیق ماں ہم سے ہمیشہ کیلئے جدا ہو رہی ہے اور ہم اپنی ماں کے پیار سے محروم ہو رہے ہیں اور آج ہماری ماں کی چادر شفقت کا سایہ ہمارے سروں سے اٹھ رہا ہے اور ہماری یہ دولت ہمیشہ کے لئے ہم سے چھن رہی ہے۔

اور فرمایا بیٹا حسن! مجھے زہر کا پیالہ یاد آ رہا ہے اور بیٹا حسین میدان کربلا کا وہ خونین منظر اس وقت میرے سامنے ہے اور مجھے تمہارے جسم پر تیروں کی بارش ہوتی نظر آ رہی ہے۔ اور علی اکبر کی لاش پر گھوڑے دوڑتے ہوئے دیکھ رہی ہوں۔ علی اصغر کے حلق پر تیر!

عابد کے پاؤں میں بیڑیاں اور زینب کے خیمے جلتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ اے میرے پیارے حسین رضی اللہ عنہ! اس امتحان میں ثابت قدم رہنا اور سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کر کے نانے مصطفیٰ کے دین کی لاج رکھنا اور جب مدینہ سے کربلا کو کوچ کرو تو میری بھی قبر پر فاتحہ پڑھ کے جانا۔

اور پھر بیٹی کو گلے لگایا اور فرمایا۔ بیٹی زینب اپنے دونوں بھائیوں کو اداس نہ ہونے دینا اور جب تک تو زندہ رہے حسین کو ایک لمحہ کے لئے بھی جدا نہ کرنا۔ میدان کربلا میں بھائی کا ساتھ دینا۔ میں جانتی ہوں۔ کہ اسلام کی عزت، دین کی آبرو اور شریعت مصطفےٰ کی حفاظت کی خاطر تمہارے دونوں بچے عون اور محمد بھی قربان ہوں گے مگر یہ قربانی خوشی سے دینا اور لاشوں کا پہرہ دینا۔

دونوں شہزادوں اور بیٹی زینب کو تلقین کرنے کے بعد سیدہ بارگاہ الٰہی میں سربسجود ہوگئیں اور عرض کی اے میرے پروردگار بحرمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری تمام خطائیں معاف فرما اور میرے خالق کائنات میں تیرے محبوب کی بیٹی ہوں اور جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے میری آنکھوں نے سوائے علی رضی اللہ عنہ کے اور کسی کو نہیں دیکھا اس لئے اے میرے مولا اگر میری جان قبض کرنے کے لئے عزرائیل کو بھیجے گا تو مجھے کوئی عذر نہ ہوگا۔ لیکن میرے پردے میں ضرور فرق آ جائے گا اسلئے تیرے دربار لطف وکرم میں میری یہ التجا ہے کہ میری روح تو آپ خود ہی قبض کرنا۔

چنانچہ حضرت زہرا کی یہ التجا بارگاہ رب العزت میں قبول ہوگئی اور خداوند تعالیٰ نے اس پیکر شرم وحیا کی روح مبارک خود قبض فرمائی اور اس طرح اس شان سے جگر گوشۂ رسول ۳ رمضان المبارک ۱۱ھ کو اس دار فانی سے دار البقاء کی طرف رحلت فرما گئیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

خاتون جنت کی وفات ایک ناقابل برداشت صدمہ تھا! حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان پر کلمات شکر وصبر تھے اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ مگر شہزادوں کی حالت قابل رحم تھی۔ وہ ماں کے جسم اطہر سے لپٹ گئے اور پھر گریہ وزاری سے کائنات کی ہر چیز کو رلایا۔ اور

بار بار پاؤں سے لپٹتے اور کہتے۔ اماں جان تم ہمیں اکیلے چھوڑ کر کہاں جا رہی ہو۔ ہمیں غسل کون دے گا؟ ہماری زلفیں کون سنوارے گا۔ ہم روئیں گے تو چپ کون کرائے گا۔

ایک طرف سے شہزادوں کی اس گریہ وزاری سے مدینہ میں ایک حشر برپا تھا۔ اور دوسری طرف سیدہ زینب کی آہ و بکا سے مدینہ کے درو دیوار رو رہے تھے وہ بار بار اس صدمۂ جانکاہ سے بے ہوش ہو جاتیں۔ ہوش آتا تو پھر ماں کے پاؤں سے لپٹ جاتیں۔

آخر شیر خدا نے شہزادوں اور بیٹی کو سنبھالا، پیار کیا اور اولاد بتول کو چپ کرایا اور پھر اس سلطنت اسلام کی مقدس شہزادی اور صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر کا جنازہ مبارک حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا زوجۂ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما، نے تیار کیا اور سیدہ ہی کی وصیت کے مطابق غسل دیا اور کفن پہنایا اور گہوارہ تیار کیا اور پھر اس نور چشم مصطفیٰ بانوئے شیر خدا اور مادر سید الشہداء کا جنازہ آدھی رات کے پردے میں اٹھالیا گیا اور پھر اس جسد اطہر کو جنت البقیع میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

دو شہزادے

ہست بر اہل معرفت روشن — صفت حضرت حسینؓ و حسنؓ
آں یکے اختر یست تابندہ — واں دگر گوہر یست رخشندہ
آں یکے نور دیدۂ نبویؐ — واں دگر شمع جان مرتضوی
آں یکے ماہ آسمان کمال — واں دگر سروِ بوستان جمال

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور العین۔ علی رضی اللہ عنہ کے دل کے چین اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پیارے حسن وحسین رضی اللہ عنہما۔ ایک کا لباس سبز اور دوسرے کا سرخ۔ ایک نے زہر کا پیالہ پیا اور دوسرے نے جام شہادت نوش فرمایا۔ ایک نے زہر پی کر شکر خدا ادا کیا دوسرے نے نیزے پر چڑھ کر قرآن پڑھا۔ ایک نے اپنی خلافت کا تاج دے کر اسلام کو فتنہ وفساد سے بچایا۔ دوسرے نے اپنا سب کچھ قربان کر کے اسلام کی آبرو بچائی۔ نہ اس کی مثال ہے اور نہ اس کی نظیر اور سچ تو یہ ہے کہ اگر امام حسن رضی اللہ عنہ دین وشریعت کی پابندی اور اہل بیت اطہار کی عزت کی شرط پر اپنی خلافت کا تاج سخاوت کے طور پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سر پر نہ رکھتے اور اگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کربلا کے میدان میں اپنے بال بچوں کی قربانی دے کر اور علی اکبر رضی اللہ عنہ کی جوانی اور علی اصغر رضی اللہ عنہ کی معصومیت راہ حق میں لٹا کر خود بھی نیزے پر نہ چڑھتے تو آج نہ کعبے کا طواف ہوتا اور نہ مسجدوں میں اذانیں۔ نہ مصلوں پر نماز ہوتی اور نہ منبروں پر قرآن پڑھا جاتا۔

ترمذی شریف جلد ۲ صفحہ ۲۱۹، مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۷۱

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ الْحَسَنُ اَشْبَهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَابَيْنَ اِلَى الرَّاْسِ وَالْحُسَيْنُ اَشْبَهُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاكَانَ اَسْفَلَ مِنْ ذَالِكَ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ، سر سے لے کر سینے تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ تھے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ، سینہ سے لے کر پاؤں تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ تھے۔

گویا دونوں کو کھڑا کرو تو مکمل شبیہ مصطفیٰ علیہ السلام اور یہی وجہ تھی کہ صحابہ رضوان اللہ اجمعین کرام کا جب دل چاہتا دونوں شہزادوں کو کھڑا کر کے نظارہ مصطفیٰ کر لیتے۔

ترمذی شریف جلد ۲ صفحہ ۲۱۸۔ مشکوۃ شریف صفحہ ۵۷۰ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ ایک رات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں کسی کام کے لئے حاضر ہوا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے۔

وَهُوَ مُشْتَمِلٌ عَلٰى شَيْءٍ لَا اَدْرِيْ مَا هُوَ

اور آپ چادر میں کوئی چیز لپیٹے ہوئے تھے۔ جسے میں نہیں جانتا کہ وہ کیا چیز تھی اور پھر جب میں اپنے کام سے فارغ ہو گیا تو میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! یہ چادر میں کیا لپٹا ہوا ہے۔

فَكَشَفَهُ فَاِذَا الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ

پس آپ نے چادر اٹھائی تو اندر سے حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ نکلے اور پھر نبی کریم نے فرمایا کہ یہ میری بیٹی کے بیٹے ہیں اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُحِبُّهُمَا فَاَحِبَّهُمَا وَاَحِبَّ مَنْ يُحِبُّهُمَا

کہ اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان کو محبوب رکھ اور جو ان سے محبت رکھتا ہے تو بھی اس سے محبت رکھ۔

(نزہت المجالس جلد ۲ صفحہ ۲۳۳)

ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیٹی حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے تو سیدہ کونین نے عرض کی ابا جان آج صبح سے میرے دونوں شہزادے حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ گم ہیں اور مجھے کچھ پتہ نہیں کہ وہ کہاں ہیں۔ ابھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام فوراً حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:۔

اِنَّهُمَا فِي مَكَانِ كَذَا وَكَذَا وَقَدْ وُكِّلَ بِهِمَا مَلَكٌ يَحْفَظُهُمَا

حضرت زہرا سے فرمادو کہ پریشان نہ ہووے۔ دونوں شہزادے فلاں مقام پر لیٹے ہوئے ہیں اور خدا تعالیٰ نے ان کی حفاظت کے لئے ایک فرشتہ مقرر کر دیا ہے۔

پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مقام پر گئے تو دونوں شہزادے آرام کر رہے تھے اور فرشتے نے ایک پر نیچے اور دوسرا اوپر رکھا ہوا ہے۔

(مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۰۰، ترمذی شریف جلد ۲ صفحہ ۲۱۸)

حضرت ابی سعید رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ.

کہ حسن رضی اللہ عنہ وحسین رضی اللہ عنہ جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حسن رضی اللہ عنہ وحسین رضی اللہ عنہ میرے دو پھول ہیں۔

ایک دن دونوں شہزادے آپس میں کشتی لڑ رہے تھے اور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پاس بیٹھے ہوئے دیکھ رہے تھے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو فرما رہے تھے۔ کہ بیٹا حسن رضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ کو یہاں سے پکڑو، وہاں سے پکڑو، سیدہ دو جہاں نے عرض کی۔ ابا جان آپ حسن رضی اللہ عنہ کو ہی داؤ بتلا رہے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حسین کی طرف جبریل علیہ السلام ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

آپ کا اسم مبارک حسن رضی اللہ عنہ ہے اور کنیت ابو محمد ہے اور القاب سبط اکبر حلیم۔ کریم۔ زاہد اور طیب ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۵ رمضان المبارک ۳ھ سہ شنبہ کے روز ہوئی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اپنے نواسے کی ولادت کی خبر ملی تو خوشی و مسرت سے حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے اور فرمایا بیٹی میرے بچے کو مجھے دکھاؤ۔ شیر خدا نے شہزادے کو رحمت دو عالم کی جھولی میں ڈال دیا۔ کملی والے نے فرمایا۔ اے علی رضی اللہ عنہ اس بچے کا نام کیا رکھا ہے۔ شیر خدا نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا نام تو اس کے نانا پاک ہی رکھیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس بچے کا نام خدا رکھے گا۔

فَجَاءَ جِبْرِیْلُ فَقَالَ یَامُحَمَّدُ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِنَّ اللّٰہَ یُھَنِّیْکَ بِھٰذَا الْمَوْلُوْدِ

پس حضرت جبریل حاضر ہوئے اور عرض کی۔ یارسول اللہ۔ اللہ تعالیٰ اس بچے کی ولادت کی آپ کو مبارک دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ اس کا نام حضرت ہارون صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لڑکے کے نام پر شبر رکھا جائے۔ جس کا معنی حسن رضی اللہ عنہ ہے۔ حضرت ہارون صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے کے نام پر اس لئے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا کہ اے علی رضی اللہ عنہ تیری نسبت میرے ساتھ ایسے ہے جیسے کہ حضرت موسیٰ کی نسبت حضرت ہارون کے ساتھ۔

۱ نزہت المجالس جلد ۲۔ صفحہ ۲۲۹

ترمذی شریف جلد ۲۔ صفحہ ۵۷۱

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے باہر تشریف لائے تو ایک غلام نے دیکھ کر عرض کی۔

نِعْمَ الْمَرْكَبُ رَكِبْتَ يَاغُلَامُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ نِعْمَ الرَّاكِبُ.

اے صاحبزادے جس سواری پر تو سوار ہے وہ سواری کتنی اچھی ہے۔تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سوار بھی تو اچھا ہے۔

ترمذی شریف جلد۲صفحہ۲۱۸

حضرت ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ایک دن منبر پر کھڑے ہوئے حضرت حسن کو پاس کھڑا کر کے فرمایا:

هٰذَاسَيِّدٌ يُصْلِحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ

کہ یہ میرا بیٹا حسن رضی اللہ عنہ سید ہے،سردار ہے۔جس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔چنانچہ امام المتقین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب آپ مسلمانوں کے اتفاق سے خلیفہ بنے تو اہل کوفہ نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔لیکن ساتھ ہی اس وقت کے کچھ دشمنان اہل بیت نے عترت رسول کے متعلق شرمناک اور توہین آمیز روش اختیار کر لی۔چنانچہ ایسے حالات پیدا کر دیے گئے کہ قریب تھا کہ مسلمانوں کے دوگروہوں کے درمیان ایک ایسی خطرناک جنگ چھڑ جائے کہ جس سے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کا قتل عام ہو بلکہ اسلام کی بنیادوں کو بھی نقصان پہنچے۔

چنانچہ انہیں خطرناک حالات کے پیش نظر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ اور چند دن کے بعد بڑی ہی حکمت عملی ،حسن تدبر اور فراست امامت سے کام لیتے ہوئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان شرائط پر صلح کر کے اپنے نانے مصطفیٰ ﷺ کے علم غیب پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔جس کے متعلق نبی کریم ﷺ نے کئی سال پہلے ہی فرما دیا تھا کہ اس میرے بیٹے حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرائے گا۔

شرائط صلح یہ تھیں

۱۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہوں گے۔

۲۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک لاکھ درہم سالانہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ادا کرتے رہیں گے۔

۳۔ اہل مدینہ و عراق سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے کے متعلق کسی شخص سے بھی کوئی مواخذہ و مطالبہ نہ کیا جائے۔

۴۔ اہل بیت اطہار کی عزت و آبرو اور مال و جان کی حفاظت کی جائے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، نے یہ تمام شرطیں منظور کر لیں۔

اور صلح ہوگئی۔ مگر اس وقت کے کچھ محبان اہل بیت کو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، کے حق میں دستبردار ہو جانا بہت ہی ناگوار گذرا اور انہوں نے طرح طرح کی نکتہ چینیاں بھی کیں اور اشاروں میں ناراضگی کا اظہار بھی کیا اور شاید موجودہ دور کے کچھ مسلمان بھی انہیں لوگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ، کے اس حسن عمل کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے حالانکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مسلمانوں کی دو جماعتوں کو خوفناک جنگ سے بچانے کے لئے اسلام کی بنیادوں کو قائم رکھنے کے لئے اور دین میں فتنہ و فساد کو روکنے کے لئے یہ ایک بہت بڑی قربانی تھی۔ بہت بڑا ایثار تھا اور ایک بڑی سخاوت تھی اس لئے کہ وہ دنیا کی کسی سلطنت کے حکمران نہیں تھے بلکہ وہ خلافت اسلامیہ کے علمبردار تھے اور حکومت الٰہیہ کے مسند نشین تھے۔ وہ خلیفۃ المسلمین بھی تھے۔ اور امیر المومنین بھی، اس لئے وہ نہیں چاہتے تھے کہ دنیا پرست حکمرانوں کی طرح اپنی خلافت کو قائم رکھنے کے لئے مسلمانوں کا قتل عام کرائیں۔ دین میں فتنہ و فساد برپا ہو اور اسلام کی بنیادیں کمزور ہوں یہ ٹھیک ہے کہ آپ کو زہر دیا گیا اور آپ کی وفات کا سبب بھی یہی زہر تھا۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ زہر دینے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھا یا ان کی کوئی سازش تھی۔ نہ ہی یہ درست ہے کہ زہر آپ

کی بیوی حضرت جعدہ بنت اشعث نے دیا جیسا کہ ہمارے بعض مؤرخین نے یہاں دھوکہ کھایا ہے اور نہ ہی یہ قابل قبول ہے کہ آپ کی بیوی جعدہ یزید کے جھانسے میں آ گئی اور یزید نے اس کو یہ لالچ دیا کہ تم سے نکاح کر لوں گا۔

جیسا کہ ہمارے بعض مؤرخوں نے ایک من گھڑت افسانہ گھڑ لیا ہے اس لئے کہ اس کی نقل تو کہیں ہے نہیں اور عقل بھی تسلیم نہیں کرتی کہ امام الاتقیاء، سرتاج الاولیاء، جگر گوشہ بتول اور نواسۂ رسول کی بیوی کسی کے بہکانے پر بہک جائے۔

یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ قرآن پاک و حدیث کے مقابلے میں تاریخی واقعات کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی اور قرآن پاک کا فیصلہ یہ ہے۔

مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءُهٗ جَهَنَّمُ

کہ جس نے مسلمانوں کو قصداً قتل کیا اس کی سزا دائمی جہنم ہے۔ ایک عام مسلمان کو قتل کرنے کی سزا جب دائمی جہنم ہے تو پھر اس کا قتل جو نواسۂ رسول ﷺ بھی ہو اور نورِ نگاہ مرتضیٰ بھی۔ منبع حسنات بھی ہو اور گنجینۂ برکات بھی۔ دستگیر جہاں بھی ہو اور مرشد اہل ایمان بھی تو پھر ایسے بے نظیر مسلمان کے قتل کی سزا کا کیا ٹھکانہ ہو سکتا ہے اور دوسری طرف سید المرسلین ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس کا جسم حضرت حسن رضی اللہ عنہ، کے جسم سے مس کر گیا اس پر جہنم کی آگ حرام ہے تو حضرت جعدہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں۔ اس لئے ان کا جسم حضرت حسن رضی اللہ عنہ، کے جسم اطہر سے ضرور مس ہوا ہو گا تو ارشاد نبوی ﷺ کے مطابق حضرت جعدہ پر جہنم کی آگ حرام ہے اور قرآن پاک کا فیصلہ یہ ہے کہ قتل مومن کی سزا دائمی جہنم ہے تو اگر مؤرخوں کے فرضی افسانے کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو فرمان مصطفیٰ ﷺ پر حرف آتا ہے۔

بات یہ ہے کہ تاریخ دانوں کے پاس اس کی کوئی صحیح سند نہیں ہے اور انہوں نے بغیر کسی معتبر حوالے کے حضرت جعدہ پر زہر دینے کا الزام لگا دیا ہے۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی اس سازش میں شریک کر لیا ہے۔

تو جب مؤرخین کے پاس اس کی کوئی سند نہیں ہے تو پھر تاریخ دانوں کی اپنی ذاتی

رائے کے مقابلہ میں قرآن وحدیث کو کیسے جھٹلایا جاسکتا ہے اور پھر مورخین کی اس زیادتی کو اس سے بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا مزاج زیادہ بگڑ گیا تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اے برادر مکرم مجھے بتادو کہ زہر کس نے دیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں بتادوں تو کیا تم اسے قتل کردو گے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ ہاں۔ تو آپ نے فرمایا تو پھر جس پر میرا گمان ہے اگر وہی ہے تو میں اس کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں وہی اس سے بدلہ لے گا اور اگر وہ نہیں ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کوئی بے قصور مبتلائے مصیبت ہو۔

اے شہزادۂ کونین! اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نورالعین اور اے برادر حسین رضی اللہ عنہ! آپ کی ذات پر قربان اور آپ کی پردہ پوشی پر نثار! اور اے عدل وانصاف کے بادشاہ آپ کے عدل وانصاف پر سلام۔ کہ زہر کے اثر سے دل وجگر کے ٹکڑے ٹکڑے ہو ہو کر نکل رہے ہیں۔ آنتیں کٹ کٹ کر باہر آرہی ہیں اور زندگی کا چراغ بجھنے کو ہے مگر آپ نے اس کا نام نہیں بتایا جس پر کہ آپ کو شک تھا۔

تو جن کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا اور جب انہوں نے اپنے قاتل کا نام نہیں بتایا تو پھر تیرہ سو سال کے بعد کسی کو کیا حق ہے کہ وہ حضرت جعدہ کا تعین کرے اس حقیقت کے پیش نظر اب میں حضرت جعدہ پر الزام لگانے والے مورخین اور دوسرے مصنفین سے پوچھتا ہوں کہ آپ کے اس بے تکی افسانے کی بناء پر اگر حضرت جعدہ واقعی اس فعل مذموم کی ذمہ دار ہیں تو کیا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ یا امامین کے صاحبزادوں کو جعدہ کی زہر خورانی کا کوئی ثبوت ملا اور اگر ملا تو کیا انہوں نے اس پر کوئی شرعی حد لگائی یا قصاص کا مطالبہ کیا یا کوئی اور سزا دی اور اگر ان میں کوئی چیز بھی ثابت ہے تو پیش کرو نہیں تو اپنی کتابوں سے جعدہ کا نام مٹادو۔

الغرض زہر کے اثر سے آپ کو اسہال کبدی لاحق ہو گیا اور جگر کے ٹکڑے کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ ایک روایت کے مطابق جگر کے ستر ٹکڑے گرے بے تابی و بے قراری بڑھتی گئی اور طبیعت بگڑتی گئی۔ پیشانی پر آثار حزن وملال پیدا ہونے لگے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ بھائی

جان! آپ اتنے بے قرار کیوں ہیں تو فرمایا کہ اس وقت میری آنکھوں کے سامنے میدان کربلا کا ہولناک منظر ہے اور تمہارے جسم پر تیروں کی بارش ہوتی دیکھ رہا ہوں۔ علی اکبر رضی اللہ عنہ کے بدن کے ٹکڑے ہوا میں اڑتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ علی اصغر رضی اللہ عنہ کے حلق پر تیر پیوست ہوتا دیکھ رہا ہوں۔ اور بہن زینب کے خیمے جلتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ اے میرے پیارے حسین بھائی! میدان کربلا میں ثابت قدم رہنا اور نانا نے مصطفیٰ کی شریعت کے دامن کو داغدار نہ ہونے دینا۔ حضرت شبیر نے عرض کی بھائی جان فکر نہ کریں۔ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا۔ اب کیا حالت ہے۔ فرمایا اب میرا وقت قریب آ گیا ہے۔ وہ دیکھو۔۔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باپ شیر خدا رضی اللہ عنہ اور ماں حضرت زہرا رضی اللہ عنہا مجھے بلا رہے ہیں اور دیکھو یہ لختِ جگر قاسم ہے اس کا ہاتھ تھام لو اسے اپنے پاس رکھنا اور سنو ایک دن میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کی تھی کہ مجھے روضۂ اطہر میں دفن ہونے کی اجازت دی جائے تو انہوں نے خوشی سے منظور کر لیا تھا تو جس وقت میری روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے اور جنازہ تیار ہو جائے تو نانا جان کے روضۂ اقدس پر لے جانا اور جناب صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پھر اجازت لے لینا۔ اگر وہ راضی ہو جائیں تو نانا کے پاک کے روضے میں دفن کرنا اور اگر کسی فتنہ و فساد کا خطرہ ہو تو پھر تکرار نہ کرنا اور مجھے جنت البقیع میں اماں جان کے پہلو میں ہی دفن کر دینا۔

سبط پیغمبر رضی اللہ عنہ یہ وصیت کر ہی رہے تھے کہ شدید درد کا دورہ پڑا اور ساتھ ہی قے شروع ہو گئی۔ طشت لایا گیا جو تے میں جگر کے ٹکڑے کٹ کٹ کر نکلے۔ پھر آپ کی طبیعت بگڑ گئی اور پھر شہزادۂ کونین رضی اللہ عنہ کا طائر روح آشیانہ قدس کی طرف پرواز کر گیا۔

جناب نانا کی فرقت حسینؓ نے دیکھی
پیارے باپ کی میت حسینؓ نے دیکھی
شفیق ماں کی بھی تربت حسینؓ نے دیکھی
عزیز بھائی کی رحلت حسینؓ نے دیکھی

کس احتیاط سے کانٹوں پہ چل رہے تھے حسینؓ
سنا رہا تھا زمانہ سنبھل رہے تھے حسینؓ

اور پھر تجہیز و تکفین کے بعد آپ کا جنازہ مبارک اٹھایا گیا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اجازت طلب کی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ان کے نانے پاک کا حجرہ ہے اس میں میری اجازت کی کیا ضرورت ہے۔ یہاں دفن ہونے کا ان کے سوا اور کس کو حق ہو سکتا ہے مگر مروان نے فساد کرنا چاہا اور نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، کے ساتھی بھی ہتھیار بند ہو گئے لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، نے ان کو بھائی حسن رضی اللہ عنہ، کی وصیت یاد دلائی۔ تو آپ خاموش ہو گئے اور پھر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ، کو جنت البقیع میں خاتون جنت کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ

شاہ ہست حسینؓ بادشاہ ہست حسینؓ
دیں ہست حسینؓ دین پناہ ہست حسینؓ
سر داد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسینؓ

خواجہ اجمیری

آپ کا نام پاک حسین رضی اللہ عنہ اور کنیت ابو عبداللہ ہے اور لقب زکی شہید اکبر طیب، سبط اور تَابِعٌ لِمَرْضَاةِ اللّٰه اور دَلِيْلٌ عَلٰى ذَاتِ اللّٰه ہیں۔

ابن ماجہ شریف صفحہ ۲۸۹۔ مشکوۃ شریف صفحہ ۵۷۲

عَنْ اُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ دَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَام اِنِّيْ رَأَيْتُ حُلْمًا مُنْكِرًا لَّيْلَةً.

حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کی یارسول اللہ علیہ السلام آج رات میں نے ایک بہت خوفناک خواب دیکھا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا وہ کیا خواب ہے میں نے عرض کی یا نبی اللہ وہ بہت ہی بھیانک ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ کیا ہے حضرت ام الفضل نے عرض کی۔

رَأَيْتُ كَاَنَّ قِطْعَةً مِنْ جَسَدِكَ قُطِعَتْ وَوُضِعَتْ فِيْ حُجْرِيْ

کہ میں نے دیکھا ہے کہ آپ کے جسم اقدس کا ٹکڑا میری آغوش میں رکھا گیا ہے تو

سید المرسلین علیہ السلام نے فرمایا

رَأَيْتِ خَيْرًا تَلِدُ فَاطِمَةُ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ غُلَامًا

کہ تو نے اچھا خواب دیکھا ہے۔ انشاء اللہ میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر لڑکا پیدا ہوگا اور پھر ام الفضل فرماتی ہیں کہ واقعی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، پیدا ہوئے اور وہ میری آغوش میں آئے اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

اَتَانِىْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامِ فَاَخْبَرَنِىْ اِنَّ اُمَّتِىْ سَتُقْتَلُ اِبْنِىْ هٰذَا

کہ میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور مجھے خبر دی کہ عنقریب میری ہی امت میرے اس بچے حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کرے گی حضرت ام الفضل فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بچے کو؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں اس بچے کو۔

وَاَتَانِىْ جِبْرِيْلُ مِنْ تُرْبَتِهٖ حُمْرًا کہ جبریل نے مقام شہادت کی سرخ مٹی بھی مجھے لا کر دی آپ کی ولادت باسعادت پر جبریل اللہ کی طرف سے مبارک باد بھی لائے اور ساتھ ہی اظہارِ غم بھی کیا اس وقت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام حسین رضی اللہ عنہ، کے نازک سے گلے کو چوم رہے تھے جبریل علیہ السلام نے آبدیدہ ہو کر عرض کی۔ اے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ جس گلے کو بڑی محبت سے چوم رہے ہیں اس گلے پر خنجر چلے گا اور آپ کا یہ بچہ اللہ کی راہ میں شہید ہوگا اور یہ ہے اس جگہ کی سرخ مٹی۔

سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا نے اپنے باپ کو اپنے بیٹے کا گلا چومتے ہوئے دیکھا تو عرض کی ابا جان! لوگ تو اپنے بیٹوں کے منہ چومتے ہیں۔ پیشانی چومتے ہیں اور سر کو بوسہ دیتے ہیں۔ مگر آپ میرے بیٹے حسین رضی اللہ عنہ کا گلا کیوں چومتے ہیں؟ تو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا بیٹی!

مینوں اج اوویلا یاد پیا آوے جد ظالم ظلم کریسن
ایس میرے حسینؓ دے گل تے اوہ تیر تلوار چلیسن

جناب سیدہ نے عرض کی ابا جان کیا اس وقت آپ نہ ہوں گے؟ کیا میں نہ ہوں گی؟ اور کیا علی رضی اللہ عنہ نہ ہوگا؟

تو حضور علیہ السلام نے فرمایا بیٹی!

نہ میں ہوواں گا تے نہ توں ہوویں گی نہ ہوسیں شیر خدا دا
اک ایہ زینب روندی ہوسیں جد تکسی حال بھرا دا

امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا کہ اس بچے کا نام کیا رکھا ہے۔ شیر خدا نے عرض کی کہ آقا! اس کا نام تو اس کا نانا پاک ہی رکھے گا ابھی نبی پاک خاموش ہی تھے کہ جبریل علیہ السلام امین حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بچے کی ولادت کی مبارک باد قبول فرمایئے اور پھر خدا فرماتا ہے کہ اس بچے کا نام حسین رضی اللہ عنہ رکھا جائے۔

کملی والے نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے کانوں میں آذان کہی اور ساتھ ہی فرمایا۔ بیٹا حسین رضی اللہ عنہ، یہ تیرے نانے مصطفیٰ کی آواز ہے اس کی لاج رکھنا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ، نے آنکھ کھولی۔ اور نانے پاک کی طرف دیکھا اور نگاہ سے نگاہ ملی اور نظر سے نظر ملی تو حضرت امام حسین نے نگاہوں ہی میں جواب دیا کہ نانا جان! آپ فکر نہ کریں اگر آواز آپ کی ہے تو کان حسین رضی اللہ عنہ، کے ہیں اور لوگ تو مسجدوں میں قرآن پڑھتے ہیں۔ منبروں پر قرآن پڑھتے ہیں اور مصلوں پر قرآن پڑھتے ہیں، مگر نانا جان اگر وقت آیا تو میں نیزے پر بھی قرآن پڑھ کے سناؤں گا۔

جب تک دنیا قائم رہے گی۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کا نام زندہ رہے گا۔ اس لئے نہیں کہ وہ نواسۂ رسول ﷺ ہے اس لئے نہیں کہ وہ جگر گوشۂ بتول ہے اور اس لئے نہیں کہ وہ نور نگاہ علی رضی اللہ عنہ ہے۔ نواسۂ رسول ہونا بڑی سعادت، جگر گوشۂ بتول ہونا بڑی شان اور نور نگاہ علی رضی اللہ عنہ ہونا بڑی عزت! لیکن امام حسین رضی اللہ عنہ کا نام اس لئے بھی زندہ رہے گا کہ:۔

اس کی ہمت پر علی رضی اللہ عنہ شیر خدا کو ناز ہے
اس نواسے پر محمد ﷺ مصطفیٰ کو ناز ہے
سجدے تو سب نے کئے پر اس کا نیا انداز ہے
اس نے وہ سجدہ کیا جس پر خدا کو ناز ہے

خدا کو ناز ہے اور ہو بھی کیوں نہ؟ سجدہ فرش والے بھی کرتے ہیں اور عرش والے بھی، زمین والے بھی کرتے ہیں اور آسمان والے بھی۔ جنت کی حوریں بھی کرتی ہیں اور بہشت کے غلمان بھی اور زمین سے لے کر آسمان تک اور فرش سے لے کر عرش تک کائنات کا ذرہ ذرہ خداوند تعالیٰ کی حمد وثناء اور تسبیح وتہلیل میں ہر وقت مشغول رہتا ہے مگر عرش عظیم کے سائے میں سجدہ کرنا آسان ہے۔ جنت کی پر کیف فضاؤں میں حمد وثناء کرنی مشکل نہیں۔ مسجد کے حجرے میں اللہ اللہ کرنا آسان ہے لیکن بیٹے کی لاش پر گھوڑے دوڑتے دیکھ کر! معصوم اصغر کے حلق پر تیر پیوست ہوتا دیکھ کر! عباس کے بازو قلم ہوتے دیکھ کر! عون ومحمد کی لاشیں تڑپتی دیکھ کر! اور پھر اپنے جسم پر سینکڑوں زخم کھانے کے بعد میدان کربلا کی تپتی ہوئی ریت پر بارگاہ الٰہی میں سجدہ کرنا حسین رضی اللہ عنہ ہی کا کام ہے۔

اس دنیا میں اہل بیت سے بغض وعناد رکھنے والے ایسے بھی خارجی ہیں جو اپنے بغض وعناد کی بنا پر یہ کہتے ہیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ لڑنے کے لئے گئے اور لڑائی کے ذریعے اپنی خلافت منوانے کے لئے گئے مگر اے عترت پیغمبر سے تعصب رکھنے والے خارجیو! اور اے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کی حکومت کا باغی کہنے والے یزیدیو! اپنی آنکھوں سے تعصب کے پردے اٹھا کر دیکھو۔ اپنے دلوں سے بغض وعناد کے غبار کو مٹا کر سوچو! اپنی عقل وہوش پر سے خارجیت کی پٹیاں اتار کر سمجھو اور اپنے دماغی شعور سے دشمنی امام حسین رضی اللہ عنہ کی مٹی کو جھاڑ کر بات کرو کہ اگر وہ لڑنے کے لئے جاتے تو اپنے ساتھ عرب کے بہادروں کا ایک لشکر لے کر جاتے۔ مدینہ کے غازیوں کی فوج لیکر جاتے اور مکہ کے مجاہدوں کی تلواریں لے کر جاتے اور اگر وہ لڑنے کیلئے جاتے تو اپنے چھ ماہ کے شیر خوار اصغر کو ساتھ لے کر نہ جاتے۔ چھ سال کی معصوم بیٹی سکینہ کو لے کر نہ جاتے اور اپنی بہن زینب کی عماری لے کر نہ جاتے! وہ لڑنے نہیں گئے تھے مگر ان کو مجبوراً لڑایا گیا اور جھگڑا خلافت کا نہیں تھا۔ کسی امامت کا نہیں تھا اور کسی سیادت کا نہیں تھا جھگڑا تھا تو اسلام کی حدوں کو توڑنے کا۔ لڑائی تھی تو دین سے دشمنی کی۔ اور تنازعہ تھا تو شریعت مصطفیٰ سے بغاوت کا۔

ہاں! اگر یزید کی حکومت بھی غیر اسلامی نہ ہوتی اور اس کا نظام حکومت بھی غیر شرعی نہ

ہوتا اور اس کی طرز سلطنت بھی غیر دینی نہ ہوتی اور اگر وہ بھی شریعت مصطفٰی کے مطابق اپنی حکومت کو چلاتا اور آئین قرآنیہ نافذ کرتا اور وہ اسلام کی حدوں کو نہ توڑتا اور دین کے قواعد وضوابط کی توہین نہ کرتا اور شریعت مصطفٰی ﷺ سے بغاوت نہ کرتا اور اپنی حکومت کو شخصی حکومت نہ بناتا اور ملوکیت و باطل پرستی کا شکار نہ ہوتا اور خلفائے راشدین کے نقش قدم پر چل کر اپنی حکومت کو خالص اسلامی، دینی اور شرعی رکھتا تو پھر اگر امام حسین رضی اللہ عنہ، اس کی اور اس کی حکومت کی مخالفت کرتے تو پھر ان پر جو بھی الزام لگایا جاتا درست ہوتا اور جب یزید نے ایسا نہیں کیا اور یقیناً ایسا نہیں کیا تو پھر اس حق کے امام پر کسی قسم کا کوئی الزام لگانا اور اس پر کوئی اعتراض کرنا صرف بددیانتی ہی نہیں بے دینی بھی ہے۔

امام عالی مقام کے بے سروسامان آنے پر تنقید کرنے والے سوال کرتے ہیں کہ وہ تنہا کیوں آئے؟ بے سروسامان کیوں آئے؟ اور اپنے ساتھ عورتوں اور بچوں کو کیوں لائے؟

مگر ایسے لوگوں کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ باطل جب بھی آتا ہے شان وشوکت سے آتا ہے۔ تخت وتاج لے کر آتا ہے اور جاہ وجلال کے ساتھ آتا ہے اور ساز وسامان لے کر آتا ہے اور حق جب بھی آیا ہے۔ بے سہارا آیا ہے بے وسیلہ آیا ہے، بے ساز وسامان آیا اور تنہا آیا۔ نمرود کے شاہی دربار میں تارخ کا بیٹا ابراہیم ہو یا فرعون کے سامنے عمران کا فرزند موسیٰ! کفار مکہ کی مجلس میں عبداللہ کا در یتیم ہو یا یزید کے مقابلے میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کا لخت جگر۔

آئین مشیت کا شناسا ایسا!
جس کے قدموں میں ہو کوثر وہ پیاسا ایسا
کیوں فخر سے جھومے نہ رسول عربی
تقدیر سے ملتا ہے نواسہ ایسا

فرعون کو خداوند تعالیٰ نے حکومت دی، بادشاہت دی تخت وتاج دیا اور مصر کا راج دیا! مگر وہ بدبخت انسان خداوند تعالیٰ کے اس عطیئے کو اپنی عقل ودانش اور اپنا ہی کسب کمال سمجھ بیٹھا اور پھر اس میں اتنا غرور وتکبر آ گیا اور اس میں اتنی سرکشی ونافرمانی پیدا ہو گئی کہ یہ سب کچھ دینے والے کے مقابلے میں اَنَا رَبُّکُمُ الاَعلٰی بن بیٹھا۔

نمرود کو بھی اللہ تعالیٰ نے شان وشوکت دی اور دولت وحشمت دی بادشاہت وحکومت دی اور بخت کمال دیا۔مگر وہ بدقسمت انسان بھی اپنے دینے والے کا شکر گذار بندہ نہ بن سکا اور وہ بھی اپنے آپ کو خدا سمجھ بیٹھا کفار مکہ کے پاس بھی سیم وزر کے خزانے تھے۔سونے اور چاندی کے ڈھیر تھے عرب کی سرداری تھی اور مکہ کی مختاری تھی۔لیکن اگر چہ وہ خدا تو نہ بنے مگر اپنے ہی ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کو خدا بنا بیٹھے۔

یزید نے بھی اپنے باپ سے حکومت لی اور شخصی حکومت اور آمرانہ بادشاہت لیکن وہ بھی اپنے آپ کو خلافت اسلامیہ کا حقدار اور مسلمانوں کا امیر سمجھ بیٹھا۔

مگر ان باطل پرستوں کا انجام کیا ہوا؟

خدا کی قدرت!

فرعون دریائے نیل کی لہروں میں ڈوبا!اور نمرود کو مچھر نے مارا۔ابوجہل کو بچوں نے قتل کیا اور یزید درد قولنج سے ختم ہوا اور حق پرستوں کا انجام خدا کی شان۔حضرت موسیٰ کلیم اللہ ہوئے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کملی والے اللہ کے حبیب بنے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ، شہیدوں کے امام۔فرعون ڈوب گیا اور اس وقت کے مصریوں کا خدا مر گیا۔نمرود مٹ گیا۔اور اس وقت کے رومیوں کا رب ختم ہوا۔ابوجہل قتل ہوا۔اور اس وقت کے عربوں کا بادشاہ بے نشان ہو گیا۔یزید مر گیا اور اس وقت کے عراقیوں کا تاجدار چل بسا۔مگر فرعون کے ڈوبنے پر نہ مصریوں نے آنسو بہائے اور نہ نمرود کے مٹنے پر رومی روئے نہ ابوجہل کے مرنے پر مکے والوں نے ماتم کیا اور نہ ہی یزید کی موت پر عراقیوں نے گریہ وزاری کی۔غرضیکہ دریائے نیل میں ڈوبنے والے فرعون کی موت پر کوئی نہ رویا اور نہ ہی کوئی روئے گا۔مگر نہر فرات کے کنارے شہید ہونے والے امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر کائنات کا ذرہ ذرہ رو رہا ہے۔زمین والے رو رہے ہیں آسمان والے رو رہے ہیں ہندوستان والے اشکبار ہیں اور افغانستان والے چیخ رہے ہیں پاکستان والوں کا کلیجہ پھٹ رہا ہے اور ایران والے تڑپ رہے ہیں۔عراق والے آہ وبکا کر رہے ہیں اور مصر والے بے چین ہیں۔نہیں نہیں!یہی نہیں بلکہ اس کی شہادت کے بعد چھ مہینے تک آسمان

کے کنارے سرخ رہے۔ستارے آپس میں ٹکرائے اور بیت المقدس کے ہر پتھر سے تازہ خون کے فوارے نکلے۔اور یہ سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔بلکہ قیامت تک اس کی شہادت پر دنیا آنسو بہاتی رہے گی۔اس لئے کہ فرعون ڈوب کر مر گیا۔نمرود مر کر بے نشاں ہو گیا۔ابو جہل قتل ہو کر ختم ہوا اور یزید مر کر نابود ہو گیا مگر میرا آقا حسین رضی اللہ عنہ فنا ہو کر بھی باقی ہے۔مر کر بھی حیات ہے اور شہید ہو کر بھی زندہ ہے۔اس لیے کہ اس کا نام زندہ ہے اس کا عمل زندہ ہے اس کا کردار زندہ ہے اور اس کے نام لیوا زندہ ہیں۔اس کے غلام زندہ ہیں اور اس کے ماننے والے زندہ ہیں۔

کون حسین رضی اللہ عنہ؟

جو عابد تھے اور ایسے عابد کہ انتہائی مظلومی و بے کسی کے عالم میں بھی شب عاشورہ کی ساری رات اپنے خیمے میں عبادت الٰہی میں گذاری اور ایسے عابد کہ اپنے جسم پاک پر سینکڑوں زخم کھانے کے بعد بھی میدان کربلا کی تپتی ہوئی ریت پر تہ خنجر بھی دو نفل ادا کر گئے۔

ا: تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۴۵

کون حسین رضی اللہ عنہ؟

جو بہادر تھے! اور ایسے بہادر کہ بے سروسامان ہونے اور تین دن کے بھوکے اور پیاسے ہونے کے باوجود بھی بیس ہزار دشمنوں کے مقابلے میں صبح سے لے کر ظہر تک ڈٹے رہے اور ایسے بہادر کہ جن پر تیروں کا مینہ برسا نیزوں کی بارش ہوئی۔برچھیوں کے بادل چھائے اور تلواروں کے طوفان اٹھے مگر آپ کے پاؤں میں ذرہ بھر بھی لغزش نہ آئی اور آخری دم تک ثابت قدم رہے۔

کون حسین رضی اللہ عنہ:

جو سخی تھے! اور ایسے سخی کہ دشت کربلا میں اللہ کی راہ میں اپنے جوان بیٹے اکبر کو قربان کیا۔اپنے معصوم اصغر کو اپنی جھولی میں دم توڑتے دیکھا اپنے بھائی کی امانت قاسم کے سر کو پامال کروایا۔اپنی بہن کے جگر گوشوں عون و محمد کی لاشوں کو خون میں خاک پر تڑپتے

دیکھا۔ اپنے بھائی عباس کے بازو قلم کروائے۔ اور پھر سب سے آخر میں اپنے بیمار بیٹے عابد کو، اپنی لاڈلی بیٹی سکینہ کو، اور اپنی پیاری بہن زینب کو بے سہارا چھوڑ کر اپنی جان کی بھی سخاوت کردی۔ اسی لئے تو جوش ملیح آبادی خدا سے ایک بات کہتا ہے۔

اے بار الہا نوحہ سناتا پھرتا
تا روز حشر اشک بہاتا پھرتا
امداد نہ کرتے اگر کربلا میں حسینؓ
اسلام تیرا ٹھوکریں کھاتا پھرتا

ہوسکتا ہے کہ کسی کے پریشان ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ میدان کربلا میں جو کچھ ہوا، وہ کیوں ہوا؟ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ایسا کیوں کیا؟ تو اس کا ایک ہی جواب ہے اور وہ یہ کہ امام عالی مقام کے کانوں میں آخری دم تک نانے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آواز آتی رہی۔ لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ کہ کسی فاسق وفاجر حکمران کی اطاعت اور سیاہ کار و گنہگار بادشاہ کی بیعت ایک مسلمان کے لئے باعث ذلت ہے اور پھر ان کو آغوش ملی تو فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی۔ نگاہ پیار ملی تو امام الاولیاء کی اور ان کی ماں سیدۃ النساء عالمین ہے۔ ان کا باپ سید المومنین ہے اور ان کا نانا سید المرسلین ہے اور انہوں نے آنکھ کھولی تو پہلی نگاہ محبوب خدا کے نورانی چہرے پر پڑی اور دودھ کا پہلا قطرہ وہ ملا جو یطھر کم تطہیرا تھا۔ اور دست شفقت ملا تو شیر خدا کا۔ اس لیے وہ جانتے تھے کہ اِلَّا اللّٰہ کی بنیاد لَآ اِلٰہَ پر قائم ہے اور اسلام باطل کی نفی سے شروع ہوتا ہے اور حق کے اثبات پر مکمل اور کوئی مسلمان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنی زبان سے لاالـــہ کہہ کر تمام معبودان باطل کی نفی نہ کرے اور تمام خواہشات نفسانی اور ہر شرک ربانی کے ہر نقش کو اپنے دل سے نہ مٹائے اور اسلام کے دشمنوں دین کے غداروں کے خلاف نبرد آزما نہ ہو اور باطل پرست حکمرانوں اور ملوکیت و آمریت کے خلاف دست و گریبان نہ ہو اور غیر اسلامی، غیر دینی اور غیر شرعی نظام حکومت کو مٹانے کے لئے میدان میں نہ آئے اور یہی وہ مقام ہے کہ جہاں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے حق پرست دل نے سمجھا حق شناس نگاہوں نے

دیکھا۔اور پھر حق گو زبان یہ پکار اٹھی کہ۔

حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسین رضی اللہ عنہ

یزید بھی لاالــہ تھا۔باطل پرست حکمران تھا۔دین کا دشمن اور شریعت کا باغی تھا۔اور اس کا نظام حکومت بھی غیر اسلامی۔غیر دینی اور غیر شرعی تھا۔جس کے مقابلے میں الا الــلہ کو قائم رکھنے کے لئے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے جان و مال۔خویش و اقارب اور اپنے بچوں تک کی بازی لگادی۔

جو دہکتی آگ کے شعلوں پہ سویا وہ حسینؓ
جس نے اپنے خون سے عالم کو دھویا وہ حسینؓ
جو جواں بیٹے کی میت پرنہ رویا وہ حسینؓ
جس نے سب کچھ کھو کے پھر کچھ بھی نہ کھویا وہ حسینؓ
جس نے اپنے بچوں کی دیدی سخاوت وہ حسینؓ
ہنس کے جس نے پی لیا جام شہادت وہ حسینؓ

ابن ماجہ شریف صفحہ ۱۴

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حُسَیْنٌ مِنِّی وَاَنَا مِنَ الْحُسَیْنِ رضی اللہ عنہ۔کہ حسین رضی اللہ عنہ مجھ سے ہے اور میں حسین رضی اللہ عنہ سے ہوں اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔اَحَبَّ اللّٰہُ مَنْ اَحَبَّ حُسَیْنًا کہ جو حسین رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتا ہے۔اللہ اس سے محبت رکھتا ہے۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عصر کی نماز ہو رہی تھی۔امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جماعت کرا رہے تھے اور مقتدی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ تھے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، کی چھ سال کی عمر تھی۔وہ مدینہ منورہ کی مقدس گلیوں میں کھیل رہا تھا وہ کبھی مدینے کے در و دیوار کو دیکھتا اور کبھی نانے مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مصلے کو۔کملی والے آقائے دوعالم سجدے میں گئے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے چھلانگ لگائی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کندھوں پر سوار ہو گئے۔عرش والے حیران رہ گئے۔فرشتے دم بخود تھے اور حوریں محوِ حیرت مگر روحِ فطرت مسکرا رہی تھی۔جبریل علیہ السلام پکار اٹھا۔مولیٰ یہ کیا تماشا

ہے کہ بچہ حسین رضی اللہ عنہ امام الانبیاء کے کندھوں پر نماز میں اور سجدے کی حالت میں سوار ہو گیا ہے خدا نے فرمایا۔ جبریل علیہ السلام! خاموش! آج جس بچے حسین رضی اللہ عنہ کو تم سجدے میں نانے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کندھوں پر دیکھ رہے ہو۔ کل اس بچے حسین رضی اللہ عنہ کو میدان کربلا میں نیزے پر چڑھ کر قرآن پڑھتے بھی دیکھنا۔

سید المرسلین نے ارادہ کیا کہ سجدے سے سر اقدس اٹھاؤں مگر جبریل علیہ السلام نے آ کر فرمان خداوندی سنایا کہ جب تک حسین رضی اللہ عنہ اپنی مرضی سے نہ اترے تم سجدہ سے سر نہیں اٹھا سکتے۔ کملی والے نے نماز لمبی کر دی اور تین یا پانچ کی بجائے بہتر دفعہ تسبیح پڑھی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ، اپنی مرضی سے نانے پاک کے کندھوں پر سے اترے اور ہنستے کھیلتے گھر آ گئے۔ ماں نے پوچھا۔ بیٹا کیا ہوا عرض کی اماں جان۔ آج آپ کا باپ میرا نانا اور تمام نبیوں کا امام سجدے میں تھا۔ بیٹا کیا ہوا کہ میں دوڑ کر ان کے کاندھوں پر سوار ہو گیا اور جب تک میں اترا نہیں میرے نانے نے سجدے سے سر نہیں اٹھایا۔ خاتون جنت نے فرمایا۔ بیٹا حسین رضی اللہ عنہ تم نے نماز کا خیال نہ کیا۔ اور تم نے نبوت کا لحاظ نہ کیا۔ بیٹے نے عرض کی۔ اماں جان، پریشان نہ ہوں۔ یہ ایک راز کی بات ہے۔

ماں نے پوچھا، بیٹا وہ کیا راز ہے۔ عرض کی۔ اماں جان! میرے نانے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لئے بہتر (۷۲) تسبیحیں پڑھی ہیں اور کربلا کے میدان میں اس کے بدلے اپنے نانا کے دین کی خاطر اپنے بہتر (۷۲) تن قربان کر دونگا۔

چار صفات ایسی ہیں کہ اگر وہ کسی مرد مومن میں پیدا ہو جائیں تو پھر وہ خدا اور رسول نہیں باقی سب کچھ ہے۔ وہ صفات یہ ہیں۔

عبادت　　سخاوت　　شجاعت　　اور　　شہادت

اب ان چار صفات کو دیکھو اور پھر امام حسین رضی اللہ عنہ کی ذات کو دیکھو گویا کہ ان چار صفات کو اکٹھا کریں تو ایک حسین رضی اللہ عنہ بنتا ہے اور ان چار صفات کے مجموعہ کا نام حسین رضی اللہ عنہ ہے۔

امام عالی مقام کی عبادت کو دیکھو کہ خنجر تلے بھی نماز پڑھ گیا۔ اس کی سخاوت پر غور کرو کہ

اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں لٹا دیا۔

اس کی شجاعت ملاحظہ ہو کہ تین دن کی بھوک۔ پیاس کے باوجود چالیس ہزار لشکر باطل کے مقابلہ میں ڈٹا رہا۔ اس کی شہادت کو دیکھو کہ نیزے پر بھی قرآن پڑھ گیا۔

اب عبادت اور شہادت کا موازنہ کیا جائے تو ایک اور حقیقت بھی کھلتی ہے۔

عبادت ہے شجر لیکن شہادت ہے ثمر اس کا
عبادت ہے دعا لیکن شہادت ہے اثر اس کا
عبادت بے شبہ بے چین دل کو چین دیتی ہے
شہادت چین لے کر عظمت دارین دیتی ہے

اور

عبادت کی حقیقت ہے محبت میں فنا ہونا
شہادت کی حقیقت ہے فنا ہو کر بقا ہونا

پھر شہادت کے لفظی معنیٰ پر غور کیا جائے تو مظلوم کربلا کی عظیم شخصیت اور بھی نکھر جاتی ہے اور آپ کی شہادت پاک قرآن پاک کی آیت کی روشن دلیل بن کر سامنے آتی ہے کہ شہید زندہ ہیں۔ اور شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے۔ امام عالی مقام نے اپنا خون دے کر دین اسلام اور حق و صداقت کے جس پودے کی آبیاری کی تھی۔ وہ پودا آج بھی ہرا بھرا ہے اور قیامت تک رہے گا۔

عبرانیوں نے زبور میں ردوبدل کیا۔ اسرائیلیوں نے تورات میں تحریف کی اور عیسائیوں نے انجیل میں تغیر و تبدل کر دیا مگر قرآن پاک کی شان یہ ہے کہ قیامت تک اس کا ایک نقطہ بھی تبدیل نہیں ہو سکتا۔ ایسا کیوں ہوا۔؟ اور ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ عبرانیوں، اسرائیلیوں اور عیسائیوں کے پاس کتابیں تو تھیں مگر حسین رضی اللہ عنہ جیسا قاری نہیں تھا۔ لیکن مسلمانوں کے پاس کتاب بھی ہے اور حسین رضی اللہ عنہ جیسا قاری بھی خدا نے عطا کر دیا۔

یزید

کون یزید؟

اسلام کی مقدس پیشانی پر ایک بدنما داغ۔ دین کی پاک چادر پر ایک سیاہ دھبہ۔ اور مذہب کے نورانی ماتھے پر ایک کلنک کا ٹیکہ!

کون یزید؟

جس نے خلافت اسلامیہ کی بجائے شخصی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ جس نے امانت الٰہیہ میں خیانت کی۔ اور جس نے اپنے باپ کی وصیت کو جھلا کر خلفائے راشدین کے ہر نقش حق پرستی کو مٹا دیا۔

یزید کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، کے مقابلے میں کھڑا کرنا ہی دین کی توہین ہے اور اسلام سے جنگ ہے۔ اس لئے کہ یہ پیکر فتنہ وشرارت! وہ مجسمۂ حق وہدایت! یہ دنیا کا بدمست، وہ دین میں سرمست، یہ باطل پرست! وہ حق پرست! یہ مجسمۂ کفر وطغیان! وہ پیکر دین وایمان یہ فسق وفجور میں مبتلا! وہ سراپائے تسلیم ورضا! یہ مکروفریب کی جیتی جاگتی تصویر! وہ اخلاق محمدی کی زندہ تفسیر! یہ اسلام میں ایک نفس شریر، وہ وارث چادر تطہیر۔ تو پھر:

چہ نسبت خاک را بعالم پاک

مگر جیسا کہ میں پیش لفظ میں لکھ آیا ہوں کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں خارجی گروہ اپنے پورے سازوسامان کے ساتھ ناموس اہل بیت پر حملہ آور ہو چکا ہے اور وہ اپنی تقریروں اور تحریروں میں یزید کو خلیفۂ برحق، متقی پیدائشی جنتی۔ امیرالمؤمنین۔ خلیفۃ المسلمین اور

رضی اللہ عنہ، کہہ کر اور اس کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت میں بری الذمہ قرار دے کر محبان اہل بیت اور غلامان عترت پیغمبر کے دلوں کو زخمی کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں ضلالت وگمراہی بھی پھیلا رہا ہے۔ چنانچہ حال ہی میں ابو یزید محمد دین بٹ لاہوری نے ”رشید ابن رشید“ کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے جس میں اس نے یزید کی حمد وثناء اور تعریف وتوصیف کر کے مذکورہ بالا تمام القاب یزید کو دیئے ہیں اور شہزادۂ کونین رضی اللہ عنہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو حکومت کا باغی، دین کا دشمن اور فتنہ پرور، حکومت کا لالچی اور غلطیوں کا پتلا لکھا ہے اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو فاسق وجابر لکھ کر آپ کی خلافت حقہ کا مذاق اڑایا ہے اور پھر اس کتاب کی تصدیق خارجی گروہ کے بائیس مولویوں نے کی ہے۔ جس کا تعلق دیوبندیت سے ہے۔ جن کے نام یہ ہیں! ایک مسئلے کے جواب میں:

۱۔ مولوی سید اظہار الحق سہیل شاہ خطیب جامع مسجد ومہتمم مدرسہ اسلامیہ ٹوبہ ٹیک سنگھ لائل پور (فیصل آباد)۔ یہ خارجی مولوی لکھتا ہے کہ میں سیدنا یزید کی روح کو سلام بھیجتا ہوں۔ جو کہ امیر المومنین ہے۔

۲۔ مولوی ابو الوحید غلام محمد مولوی فاضل دیوبند راجن پور، ڈیرہ غازیخاں لکھتا ہے کہ حضرت یزید رحمتہ اللہ علیہ ایک جلیل القدر مجاہد اسلام ہیں۔ اور میرا ایمان ہے کہ وہ ضرور جنتی ہیں اور مجھے اپنے والد کے متعلق تو اتنا یقین نہیں کہ وہ ضرور جنتی ہیں۔ لیکن حضرت یزید کے متعلق میرا ایمان ہے کہ وہ ضرور جنتی ہیں۔ ورنہ حدیث کا انکار کرنا پڑے گا۔

(کتاب رشید ابن رشید صفحہ ۳۴۱، ۳۴۲)

۳۔ مولوی غلام مرشد، سابق خطیب شاہی مسجد لاہور نے لکھا ہے کہ جو الزامات امیر المومنین یزید پر لگائے جاتے ہیں۔ وہ غلط اور بے بنیاد ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت بابرکت میں بیٹھ کر تعلیم حاصل کرنے والے صحابہ کرام نے یزید کی بیعت کر کے اپنا امیر اور امام تسلیم کر لیا تھا لہذا یزید کی صداقت کا اس سے زیادہ ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔

(کتاب رشید ابن رشید صفحہ ۳۴۲)

۴۔ مولوی ظہیر الدین چک نمبر ۳۱۵ گ، ب ضلع لائل پور نے ابو یزید کے ایک خط کے

جواب میں لکھا ہے کہ:

محترمی بٹ صاحب!

آپ نے یزید کے متعلق دریافت کیا ہے کہ وہ کیسے شخص تھے اور اس کے بارے میں ہمیں کیا عقیدہ رکھنا چاہیئے۔ تو اس کے متعلق عرض ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کے قتل میں یزید کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کو علم تھا بے شک یزید خلیفہ برحق تھے۔

(کتاب رشید ابن رشید صفحہ ۳۴۹)

۵۔ مولوی مفتی بشیر احمد خطیب جامع مسجد پسرور ضلع سیالکوٹ نے تحریر کیا ہے کہ شیعہ مذہب میں فاسق اور ظالم کی بیعت بدترین گناہ ہے۔ اور اگر یزید فاسق و کافر تھا تو سیدنا زین العابدین نے یزید کی بیعت کیوں کی۔ (کتاب رشید ابن رشید صفحہ ۳۶۳)

۶۔ مولوی سید نورالحسن شاہ بخاری مہتمم مرکزی تنظیم اہل سنت بوہڑ گیٹ ملتان نے لکھا ہے کہ محترم المقام، وعلیکم السلام!

یاد فرمایا شکریہ! جواباً عرض ہے کہ یزید رضی اللہ عنہ، کے مسلمان ہونے پر تو تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ جو لوگ اس زمانے میں یزید کو کافر کہتے ہیں ان کا اپنا ایمان مشتبہ ہے۔ البتہ اس کے فسق و فجور میں اختلاف ہے۔ بعض اکابرین امت نے اس کے فسق کو تسلیم کیا ہے۔ اس فسق و فجور کی مہم میں زیادہ تر اعدائے دین کا ہاتھ کام کرتا ہے۔ فرض محال اگر فاسق تسلیم بھی کر لیا جائے تو آج کل کے فاسق کہنے والوں سے تو زیادہ فاسق قطعاً نہیں ہوگا۔ (کتاب ابن رشید صفحہ ۳۶۴)

یہ ہے خارجی گروہ کے مولویوں کا یزید کے بارے میں اعتقاد اور ایمان اور آ داب اپنی مستند کتابوں، معتبر تاریخوں اور اکابرین اسلام کے اقوال کا مطالعہ کریں اور پھر انصاف پسند نگاہیں اور حقیقت شناس دل تجزیہ کریں کہ کون حق پرست ہے اور کون باطل کا پجاری کس کا دل سعید ہے اور کس کا شقی۔ محب اہل بیت کون ہے اور دشمن اہل بیت کون، غم حسین رضی اللہ عنہ، میں رونے والے کون ہیں اور آپ کی شہادت پر قہقہے لگانے والے کون ہیں اور پھر معلوم ہو جائے گا کہ یزید کا کردار کیا تھا اور اس نے اسلام پر کیا ظلم کیا اور اس کی غیر اسلامی اور شخصی

حکومت نے دین کو کتنا نقصان پہنچایا اور اس کے فسق و فجور نے شریعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کس طرح مذاق اڑایا۔ (البدایہ والہدایہ جلد ۸ صفحہ ۲۳۱۔ تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۴۶)

عَنْ اَبِیْ دَرْدَاءَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ عَلَیْهِ السَّلَام یَقُوْلُ اَوَّلَ مِنْ اُمَّتِیْ یُبَدِّلُ سُنَّتِیْ رَجُلٌ مِنْ بَنِیْ اُمَیَّه یُقَالُ لَهٗ یَزِیْدِ.

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سنا کہ بنی امیہ میں سے پہلا وہ شخص یزید ہوگا جو میری سنت کو تبدیل کرے گا۔

قربان جاؤں فرمان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک سو سال پہلے ہی فرما دیا کہ جو پہلا شخص میری سنت کو تبدیل کرے گا۔ اس کا نام یزید ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان حق ترجمان سے نکلی ہوئی بات کبھی بھی جھوٹی نہیں ہو سکتی تو پھر یزید نے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق ضرور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو تبدیل کیا ہوگا۔ تو پھر میں یزید کے حامی ابو یزید لاہوری اور دوسرے خارجی مولویوں سے پوچھتا ہوں کہ جو شخص سنت رسول تبدیل کرے تمہارے نزدیک وہ شخص کون ہے؟

اور قرآن پاک کا فیصلہ یہ ہے کہ

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَخُوْنُوْ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ

کہ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے خیانت نہ کرو۔ مطلب یہ کہ اللہ کے فرض کو نہ چھوڑو اور رسول کی سنتیں نہ ترک کرو اور پھر فرمایا اَطِیْعُوْا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اللہ کی اطاعت اس کے فرائض کی پابندی ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اس کی سنتوں کی پیروی ہے۔

اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳۱: حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِهِمَا کِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّتِیْ

اے مسلمانو! میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں۔ ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑنے

سے تم گمراہ نہیں ہو گے۔ ایک اللہ کی کتاب ہے اور دوسری میری سنت ہے اس حقیقت سے یہ ثابت ہوا کہ سنت رسول اکرم ﷺ کو ترک کرنے والا یا اس میں کسی قسم کا ردوبدل کرنے والا گمراہ و بے دین ہے تو یزید نے بھی سنت رسول اکرم کو صرف تبدیل ہی نہیں کیا تھا۔ بلکہ ترک بھی کر دیا تھا تو یزید کو احادیث نبوی کے مطابق گمراہ اور خارج از امت مصطفیٰ کیوں نہ سمجھا جائے جب کہ نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرما دیا ہے۔

فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي۔ کہ جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میرا امتی نہیں۔ ہاں اگر سید المرسلین ﷺ بنی امیہ کے کسی فرد کا نام نہ لیتے تو یزید کے پرستار خارجی مولوی کیلئے اس کو بچانے کی گنجائش ہو سکتی تھی مگر کملی والے رسول اکرم ﷺ نے تو یزید کا نام بتا کر اس کی گمراہی، بے دینی فسق و فجور اور اس کے خارج از امت ہونے پر مہر ثبت کر دی۔

شرح عقائد نسفی صفحہ ۱۱۷

أُطْلِقَ اللَّعْنُ عَلَيْهِ لِمَا اَنَّهُ كَفَرَ حِيْنَ اَمَرَ بِقَتْلِ الْحُسَيْنِ

کہ یزید پر لعنت بھیجنا علی الاطلاق جائز ہے اس لئے کہ اس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، کے قتل کا حکم دے کر کفر کیا۔

وَاتَّفَقُوا عَلٰى جَوَازِ اللَّعْنِ عَلٰى مَنْ قَتَلَهُ وَاَمَرَ بِهٖ وَاَجَازَهُ وَرَضِيَ بِهٖ

اور جس نے آپ کو قتل کیا اور ان کے قتل کا حکم دیا اور جس نے ان کے قتل کو جائز جانا اور جو اس پر راضی ہوا اس پر لعنت کرنی جائز ہے اور اس پر اجماع امت ہے۔

وَالْحَقُّ اَنَّ رِضَا يَزِيْدَ بِقَتْلِ الْحُسَيْنِ وَاسْتِبْشَارَهُ بِذٰلِكَ وَاِهَانَتَهُ اَهْلَ بَيْتِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اور اس میں شک نہیں ہے کہ یزید حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، کے قتل پر راضی ہوا اور اس نے اہل بیت رسول ﷺ کی توہین کی۔

لِاَنَّهُ رُوِيَ اَنَّهُ شَرِبَ الْخَمْرَ وَفَسَقَ فِي دِيْنِهٖ

اس لئے کہ یہ بھی اس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ شراب بھی پیتا تھا اور اس نے دین میں فسق کیا۔

وَقِيْلَ فَذَتُوْا تَرَ اَنَّ يَزِيْدَ اَرْسَلَ الْجُنْدَ عَلَى الْحُسَيْنِ فَقَتَلُوْهُ

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یزید نے حضرت حسینؓ پر لشکر کشی کی اور انہوں نے آپ کو قتل کر دیا

خارجی مولویوں کو شرح عقائد نسفی کی اس حقیقت افروز بات پر غور کر کے اپنے عقائد بد سے توبہ کر لینی چاہیے اور یہ وہ کتاب ہے جو درس نظامی میں مشہور ہے اور ہر درس میں بڑے اہتمام سے پڑھائی جاتی ہے اور شاید ان مولویوں نے بھی پڑھی ہو اور پھر اس روشن حقیقت کی روشنی کے ہوتے ہوئے بھی یزید کی صفائی پیش کرتے ہوئے یہ کہنا کہ یزید بڑا متقی تھا اور وہ پیدائشی جنتی تھا اور امام عالی مقام کی شہادت سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ کتنی گمراہ کن بات ہے، کتنا بڑا جھوٹ ہے اور کتنی بددیانتی اور بے دینی ہے۔

البدایہ والنہایہ جلد ۵ صفحہ ۲۳۵۔۲۳۶ میں علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے یزید کے فسق و فجور، کفر و طغیان اور گناہ و عصیان کی جو تفصیل لکھی ہے۔ اور اس کی بداعمالیوں اور اس کی عیاشیوں کا جو نقشہ پیش کیا ہے۔ اس کے پڑھنے کے بعد کوئی مسلمان بھی یزید پر لعنت بھیجے بغیر نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

اَنَّ یَزِیْدَ قَدِاشْتَھَرَ بِالْمَعَارِفِ وَشُرْبِ الْخَمَرَ

کہ یہ مشہور ہے۔ کہ یزید راگ ورنگ کا متوالا تھا۔ اور شراب بھی پیتا تھا۔ وَتَخَذَ الْغِلْمَانَ وَالْقِیَانَ اور ہر وقت اپنے پاس حسین دوشیزاؤں اور گانے والی لڑکیوں اور خوبصورت لڑکوں کو رکھتا تھا۔ وَمَا مِنْ یَوْمٍ اِلَّا یُصْبِحُ فِیْهِ مَخْمُوْرًا ۔ کہ ہر صبح اٹھتا تو شراب کے نشے میں مست ہوتا تھا۔ اور کتوں کا شکاری تھا۔ اور بندروں کے سروں پر سونے کی ٹوپیاں پہناتا تھا۔ وَکَانَ اِذَامَاتَ الْقِرْدُ حَزَنَ عَلَیْهِ اور جب کوئی بندر مر جاتا تو اس کا افسوس کرتا تھا۔

علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صواعق محرقہ ۱۳۴ میں یزید کے بیٹے نے جو اپنے باپ کے متعلق بیان دیا ہے۔ وہ اس کی تفصیل اس طرح لکھتے ہیں۔ کہ پھر باپ کو حاکم بنایا گیا۔ وَقَدْ کَانَ غَیْرُاَھْلٍ حالانکہ وہ اس کا اہل نہیں تھا۔ اور پھر اس نے نواسہ رسول سے لڑائی کی۔ فَنَقَصَتْ عُمْرُهٗ اس کی عمر کم ہوگئی۔ وَصَارَفِیْ قَبْرِہٖ مُعْتَرِبًا بِذُنُوْبِهٖ اور وہ اپنی قبر میں اپنے گناہوں کے سبب عذاب میں مبتلا ہو چکا ہے۔ وَقَدْ قَتَلَ عِتْرَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اور اسے نے عزت رسول کو قتل کیا۔ وَبَاحَ الْخَمَرَ وَخَرَّبَ الْکَعْبَةَ

اور اس نے شراب کو حلال کیا۔ اور کعبہ شریف کی بے حرمتی کی۔

علامہ ابن کثیر اور علامہ ابن حجر مکی نے یزید کی جن بداعمالیوں اور بدکرداریوں کی جو تفصیل لکھی ہے۔ اور اس کے فسق و فجور۔ اس کی ضلالت و گمراہی اور عیاشی و بدقماشی کا جو نقشہ پیش کیا ہے اس کے بعد بھی کسی مسلمان کو یہ جرأت ہو سکتی ہے کہ وہ یزید کو متقی۔ پیدائشی جنتی۔ خلیفۃ المسلمین اور امیرالمؤمنین کہے یا لکھے۔ اور پھر کوئی یزید کا حامی و خیرخواہ دین میں ہزاروں طرح کی تاویلات کر کے بھی یہ ثابت کرنے کی کوشش کرے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، کی شہادت سے یزید بری الذمہ ہے۔ مگر جب اس کا اپنا بیٹا ہی اپنے باپ یزید کے خلاف بیان دے کر اپنے باپ یزید کو ہر جرم کا مرتکب قرار دے رہا ہے۔ تو پھر پاکستان کے خارجی گروہ کے مولویوں کے بودے دلائل اور من گھڑت تاویلات یزید کو کیسے بچا سکتے ہیں۔

تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۴۶۔ حضرت عبداللہ بن حنظلۃ بن الغسیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

مَاخَرَجْنَا عَلٰی یَزِیْدَ حَتّٰی خِفْنَا اَنْ نُّرْمٰی بِالْحِجَارَۃِ مِنَ السَّمَآءِ

کہ ہم نے اس وقت یزید کی بیعت توڑی جس وقت کہ ہمیں یہ خوف پیدا ہو گیا کہ کہیں ہم پر آسمان سے پتھر نہ برسنے لگیں۔

اَنَّ رَجُلًا یَنْکِحُ اُمَّھَاتِ الْاَوْلَادِ وَالْبَنَاتِ وَالْاَخَوَاتِ وَیَشْرِبُ الْخَمْرَ وَیَدَعُ الصَّلٰوۃَ.

اس لیے کہ یزید شراب پیتا تھا۔ سوتیلی ماؤں سے، سوتیلی بہنوں اور سوتیلی بیٹیوں سے ہمبستری کرتا تھا۔ اور تارک نماز بھی تھا۔

اے ابن زیاد کے چیلو! عمرو بن سعد کے حواریو۔ شمر کے حامیو اور اے یزید کی صفائی کے گواہو! یہ ہے تمہارا امیر! یہ ہیں تمہارے خلیفہ! یہ ہے تمہارا پیشواء اور یہ ہے تمہارا پیدائشی جنتی اور متقی یزید۔ جو شرابی بھی تھا اور زانی بھی۔ عیاش بھی تھا اور بدقماش بھی۔

تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۴۶۔ حضرت نوفل رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی نے یزید کو امیرالمؤمنین کہہ دیا۔ تو حضرت

عمر بن عبدالعزیز نے اس کو کہا تَقُوْلُ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ کہ تو یزید کو امیرالمومنین کہتا ہے۔ وَاَمَرَبِہٖ فَضَرَبَ عِشْرِیْنَ سَوْطًا اور پھر حضرت عمر ابن عبدالعزیز کے حکم سے اس کو بیس کوڑے لگائے گئے۔

کاش کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں بھی کوئی عمر بن العزیز ہوتا اور پھر اس کے ہاتھ میں کوڑا ہوتا۔ اور خارجیوں کے جسم ہوتے۔ چلو پاکستان میں عمر بن عبدالعزیز نہ سہی مگر یہ حکومت اسلامی جمہوریہ تو ہے۔ ایک دینی ریاست تو ہے۔ اور ایک مذہبی مملکت تو ہے اور اس کے حکمران مسلمان تو ہیں۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی تو ہیں۔ محبان اہل بیت تو ہیں۔ تو پھر سمجھ نہیں آتی کہ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی پاکستان کی ایک اسلامی ریاست میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں یزید کو امیرالمومنین اور خلیفہ برحق لکھنے اور کہنے والوں کو کوئی سزا کیوں نہیں دی جاتی۔

چلو ایک وقت کے لیے میں خارجی مولویوں کی بداعتقادی کو تسلیم کرتے ہوئے یہ مان لیتا ہوں کہ یزید بڑا نیک تھا۔ بڑا پارسا تھا۔ اور شہادت حضرت شبیر رضی اللہ عنہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ مگر شہادت حضرت امام عالی مقام کے بعد یزید کی مدینہ منورہ پر لشکر کشی کر کے قتل وغارت۔ وحشت و بربریت اور ظلم و ستم کا بازار گرم کرنا۔ اور پھر مکہ مکرمہ کا محاصرہ کر کے کعبہ شریف پر پتھر برسانے ایسے سنگین جرائم نہیں ہیں کہ جن کی بنا پر اس پر جتنی بھی لعنت کی جائے کم ہے؟ اور کیا مدینہ منورہ کی بے حرمتی اور اہل مدینہ کی بے عزتی اور پھر مکہ مکرمہ پر چڑھائی اور کعبہ شریف پر پتھروں کی بارش کرنیوالے یزید کو جہنم کی آگ سے بچایا جا سکتا ہے؟ اور کیا ایسا ظالم انسان مسلمانوں کا خلیفہ ہو سکتا ہے؟ اور کیا ایسے انسان کو امیرالمومنین کہا جا سکتا ہے۔ وہی امیر۔ وہی تمہارا پیشوا۔ اور وہی تمہارا پیدائشی جنتی امیر۔

مسلم شریف جلد ا صفحہ ۴۴۲ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا یُرِیْدُ اَھْلَ الْمَدِیْنَۃِ بِسُوْءٍ اِلَّا اَذَابَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی النَّارِ ذُوْبَ الرَّصَاصِ

کہ جو بھی اہل مدینہ سے برائی کا ارادہ کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو قلعی کی طرح پگھلائے گا۔

ترمذی شریف جلد ۲ صفحہ ۲۳۲۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ غَشَّ الْعَرَبَ لَمْ يُدْخِلْ فِي شَفَاعَتِي وَلَمْ تَنَلْهُ مَوَدَّتِي

کہ جس نے اہل عرب کو ڈرایا دھمکایا۔ وہ قیامت کے دن میری شفاعت سے محروم رہے گا۔ اور میری ہمدردی کو نہ پائے گا۔

تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۴۶۔ بحوالہ مسلم شریف۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَنْ اَخَافَ اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ اَخَافَهُ اللّٰهُ وَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ

کہ جس نے مدینہ پاک میں بسنے والوں کو خوفزدہ کیا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو خوفزدہ کرے گا۔ اور اس پر اللہ اور اس کے تمام فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔

ابن ماجہ شریف صفحہ ۱۴۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی۔ حضرت فاطمہ اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اَنَا سِلْمٌ لِمَا سَالَمْتُمْ وَحَرْبٌ لِمَا حَارَبْتُمْ

کہ جس نے تمہاری سلامتی چاہی اس کی میں سلامتی چاہتا ہوں۔ جو تم سے لڑا اس نے مجھ سے لڑائی کی۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث مبارکہ کی روشنی میں یزید کو کیا کہا جا سکتا ہے؟

آداب مدینہ منورہ کی حرمت اور اہل مدینہ کی عزت و وقار تاجدار مدینہ ہی کی زبان پاک سے سنیں۔ اور پھر فیصلہ کریں کہ یزید کی لشکر کشی سے جو قتل و غارت ہوا اور وحشت و بربریت پھیلی اور مدینہ منورہ کی جو بے حرمتی ہوئی اور اہالیان مدینہ کی جو بے عزتی ہوئی اس کے جرم میں یزید کو کون سی سزا دی جا سکتی ہے۔

مشکوۃ شریف صفحہ ۵۴۵ باب الکرامات:

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ قَالَ لَمَّا كَانَ اَيَّامَ الْحَرَّةِ لَمْ يُؤَذَّنْ فِي مَسْجِدِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ ثَلَاثًا وَلَمْ يُقَمْ

حضرت سعید بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یزید نے جب مدینہ منورہ پر لشکر کشی کی جس کو ایام حرہ کہتے ہیں۔ تو تین دن تک مسجد نبوی میں نہ ہی آذان ہوئی اور نہ ہی نماز اور حضرت سعید بن میسب رضی اللہ عنہ ایک کونے میں چھپ کر بیٹھے رہے۔ اور ان کو نماز کے وقت کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ مگر جب نماز کا وقت ہوتا تو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس سے اللہ اکبر کی آواز آتی تھی۔

تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۴۶ علامہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ کہ جس وقت یزید نے مدینہ منورہ پر چڑھائی کی تو نُهِبَتِ الْمَدِيْنَةُ وَافْتُضَّ فِيْهَا اَلْفُ عَذْرًا مدینہ پاک کو لوٹا گیا اور پاک دامن دوشیزاؤں کی عصمت دری کی گئی۔ یہاں تک کہ ایک ہزار عورتوں نے ناجائز بچے جنے۔

یزید کو پیدائشی جنتی کہنے والے خارجیو! مجھے بتاؤ کہ مدینہ منورہ میں جو کچھ ہوا یہ کس نے کیا؟ اور ان تمام خرافات۔ قتل و غارت۔ وحشت و بربریت اور پاکدامن عورتوں کے گوہر عصمت لوٹنے کا ذمہ دار کون ہے؟ وہی تمہارا خلیفہ۔ وہی تمہارا امیر۔ ان واقعات کی روشنی میں یزید کی شخصی حکومت اور غیر اسلامی سلطنت کو خلافت حقہ ماننے والوں اور یزید کو پیدائشی جنتی سمجھنے والوں سے میں پوچھتا ہوں کہ مجھے بتاؤ کہ مدینہ منورہ پر لشکر کشی کرنے سے وہاں کے رہنے والوں کی بے عزتی اور توہین ہوئی کہ نہیں۔ اور مدینہ پاک کی بے حرمتی ہوئی کہ نہیں؟ اور ان کی آبرو لوٹی گئی کہ نہیں۔ اور اگر یہ سب کچھ ہوا اور یقیناً ہوا تو اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھو۔ اور اپنے دلوں سے خارجیت کے غبار کو مٹا کر سوچو کہ تم کس منہ سے یزید کو امیر المؤمنین کہتے ہو؟ اور کیا ارشاد نبوی کے مطابق یزید پر اللہ اور اس کے فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت پڑی کہ نہیں؟ اور اگر یہ ہے اور یقیناً ہے تو پھر تم ایسے ملعون انسان کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں خلیفۃ المسلمین بنا کر اپنے آپ کو جہنم کی آگ کا ایندھن کیوں بنا رہے ہو؟ آؤ اب بھی باز آ جاؤ اور اپنے گمراہ کن عقائد سے توبہ کر لو۔ اللہ تعالی تمہیں اپنے محبوب پاک کے صدقے اور اہل بیت کے وسیلے سے معاف فرمائے

گا۔ ورنہ کل قیامت کے دن تم امام عالی مقام کے پیارے نانے مصطفیٰ علیہ السلام کو کون سامنہ دکھاؤ گے۔

ابو یزید لاہوی مصنف رشید ابن رشید اور دوسرے خارجی مولوی یزید کی بداعمالیوں اور عیاشیوں اور اس کے فسق و فجور پر پردہ ڈالنے کے لیے بخاری شریف کی ایک حدیث پاک کو پیش کر کے اس کو پیدائشی جنتی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے بری الذمہ قرار دینے کی ناکام کوشش کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ اس حدیث پاک سے یزید کا دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ حدیث پاک میں ہے۔ اَوَّلُ جَیْشٍ یَغْزُوْا کہ اللہ کی طرف سے اس لشکر کے لیے مغفرت ہے اور وہ لشکر مغفور ہے جو سب سے پہلے قسطنطنیہ پہ چڑھائی کرے گا۔ اور یہ پہلا لشکر تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیر کمان گیا تھا۔ اور یزید اس پہلے لشکر میں شامل نہیں تھا۔ جیسا کہ البدایہ والنہایہ جلد ٨ صفحہ ٢٢٩ میں ہے۔

ثُمَّ کَانَ اَمِیْرُ الثَّانِیْ اِبْنَہٗ یَزِیْدُ۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا لڑکا یزید پھر دوسرے لشکر کا امیر ہوا۔ وَھُوَا جَیْشُ الثَّانِیْ۔ اور یزید جس لشکر کا امیر ہوا وہ دوسرا لشکر تھا۔ اور پھر حضرت ام حرام نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس لشکر کے لئے اللہ کی طرف سے مغفرت ہے۔ مجھے بھی اس لشکر میں شامل کر لیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَنْتَ مِنَ الْاَوَّلِیْنَ کہ تو پہلے لشکر میں سے ہے۔ علامہ ابن کثیر کی مستند روایت کے مطابق یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔ کہ جس لشکر کے لیے جنتی ہونے کی خوشخبری دی گئی تھی یزید اس لشکر میں شامل نہیں تھا اور اگر خارجی مولویوں کی بات کو مان بھی لیا جائے تو پھر بھی ہر عموم میں بعض خصوص کے قاعدے کے مطابق یزید کو اس مقام سے ہٹایا جائے گا۔ اس لیے کہ اس کی بداعمالیاں اور سیہ کاریاں ایسی شرمناک ہیں کہ اس کو پیدائشی جنتی بنانا تو درکنار ایک شریف اور بھلا مانس آدمی بھی نہیں کہا جا سکتا۔

خارجی مولوی جس بخاری شریف کی حدیث پاک کا کمزور سا سہارا لے کے یزید کی پاک دامنی کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں۔ ان کو چاہیئے کہ اسی بخاری شریف کی اس حدیث پاک پر بھی غور کریں۔

بخاری شریف کتاب الجہاد صفحہ ٤٠٦۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ غزوہ

حنین میں نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کے متعلق فرمایا۔ کہ یہ جہنمی ہے۔ مگر جب جنگ شروع ہوئی تو فَقَاتَلَ الرَّجُلُ مِنْ اَشَدِّ الْقِتَال کہ وہی آدمی بڑی بہادری سے لڑا۔ اور بڑے شدید حملے کرتا تھا۔ اور اس نے سینکڑوں زخم بھی کھائے۔ ایک غلام نے عرض کی یارسول اللہ جس کے متعلق آپ نے فرمایا تھا کہ وہ جہنمی ہے۔ وہ تو اللہ کی راہ میں جہاد کر رہا ہے۔ اور بڑی بہادری سے لڑ رہا ہے۔ تو حضور ﷺ نے پھر فرمایا کہ وہ جہنمی ہے۔ اور جب جنگ ختم ہوگئی تو قَتَلَ نَفْسَہ اس نے زخموں کی تاب نہ لاکر خودکشی کرلی۔ تو صحابہ کرام ذرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کے پاس گئے۔ اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ آپ نے سچ فرمایا تھا۔ کیونکہ اس نے خودکشی کرلی ہے۔

تو اب ابویزید بٹ اور دوسرے خارجی مولوی غور کریں کہ یہ لشکر اسلام کا ایک سپاہی بھی ہے۔ اور جہاد میں شامل بھی ہوا ہے۔ اور بڑی بہادری سے لڑا بھی ہے۔ مگر بعد میں ایک ایسی غلطی کر بیٹھا کہ جس سے جہاد کا تمام ثواب عذاب میں بدل گیا۔ اور جنتی ہونے کے ان تمام انعامات سے محروم کردیا گیا اور جہنمی ہوگیا۔ تو جب ایک مسلمان سپاہی کے لیے ایسا ہوسکتا ہے کہ جہاد میں شامل بھی ہو اور لڑے بھی۔ اور سینکڑوں زخم بھی کھائے۔ مگر بعد میں غلطی کرکے جہنمی ہوجائے۔ تو پھر اس کے مقابلے میں یزید کی کیا حقیقت ہے۔

اول تو یزید اس لشکر میں شامل ہی نہیں تھا اور اگر بفرض محال خارجیوں کی بات کو صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو بھی یزید کی پاک دامنی ثابت نہیں ہوسکتی اس لئے کہ یزید نے تو سنت رسول کو بھی تبدیل کیا۔ شراب بھی پی محرمات سے نکاح۔ تارک نماز بھی تھا۔ مدینہ منورہ پر لشکر کشی بھی کی۔ مکہ مکرمہ کا محاصرہ بھی کیا۔ کعبہ شریف پر پتھر برسائے اور اہل بیت اطہار کو شہید بھی کیا۔ اس سپاہی نے تو جہاد میں شریک ہونے اور پھر لڑنے کے بعد صرف خودکشی ہی کی تھی۔ مگر یزید کے سیاہ کارنامے اور اس کی بداعمالیاں بدکاریاں اور سیہ کاریاں اتنی ہیں کہ جن کی بنا پر اس کو جہنمی ہونے سے بچایا نہیں جاسکتا اور اس کا فسق و فجور اور ظلم و ستم اس کی اسلام دشمنی دین کی حدوں کو توڑنا اور شریعت مصطفیٰ ﷺ سے بغاوت اور پھر نواسۂ رسول کو شہید کروانا۔ یہ سب کچھ اس کے جہنمی ہونے کا ثبوت نہیں تو اور کیا ہے۔

اقبال اور شہادت حسین رضی اللہ عنہ

دشمن اہل بیت ابو یزید بٹ لاہوری مصنف رشید ابن رشید نے اپنی کتاب کی ابتداء علامہ اقبال مرحوم کے ایک شعر سے کی ہے۔ چنانچہ کتاب کے صفحہ نمبر ۷ اپر یہ شعر لکھا ہے۔ کہ

ذرا سی بات تھی اندیشہ عجم نے اسے
بڑھادیا ہے فقط زیب داستاں کیلئے

علامہ اقبال مرحوم کا یہ شعر لکھ کر مصنف نے مسلمانوں میں یہ تاثر پیدا کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ علامہ اقبال بھی واقعۂ کربلا اور شہادت حسین رضی اللہ عنہ، کو ایک معمولی سا واقعہ سمجھتے تھے۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ اس لیے کہ وہ مرد قلندر جس کے سینے میں عشق رسول کا ایک دریا موجزن تھا۔ اور جس کے دل میں محبت اہل بیت کا ایک طوفان برپا تھا۔ اور جس کی نگاہوں میں حُسنِ حضرت حسن رضی اللہ عنہ، کے جلوے تھے۔ اور جس کی آنکھیں غم حسین رضی اللہ عنہ، میں ہر وقت روتی رہتی تھیں۔ اس پر یہ الزام لگانا کہ وہ بھی اس واقعہ کو کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا۔ اقبال کی روح پر ظلم کرنے کے مترادف ہے۔ بلکہ وہ درویش لاہوری تو ایسے ہی خارجی ملاؤں کے متعلق کہتا ہے۔ کہ

یہی شیخ حرم ہے جو چُرا کے بیچ کھاتا ہے   گلیم بوذر ذوق اویس وچادر زہرا

اور وہ مرد قلندر جس نے مسلمانوں کو آزادی وحریت کا سبق دیا اور جس نے مسلمانوں کے دلوں میں خودی وخود آگاہی کی روح پھونکی۔ اور جس نے اہل ہند کو فرنگیوں کی غلامی کے جال سے نجات حاصل کرنے کی راہ بتائی۔ اور جس نے پاکستان کا تخیل پیش کیا۔ اور پھر مسلمانوں میں جذبۂ جہاد پیدا کیا۔ اور وہ مرد درویش۔ جو سکول سے نکلا کالج گیا۔ کالج سے اٹھا اور لندن پہنچا۔ اور وہاں جا کر اس نے فرنگیوں کے عشرت کدوں کو دیکھا۔ رقص وسرود کی محفلیں

دیکھیں۔شراب کے دور چلتے تھے لیکن جب وہ اپنے وطن واپس آتا ہے۔تو کہتا ہے کہ

خیرہ نہ کرسکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ میں خاک مدینہ و نجف

اور پھر جس مرد قلندر نے اپنی کتاب رموز بے خودی میں محبت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، کے پیش نظر اپنی بے خودی میں مقام حسین رضی اللہ عنہ اور فلسفۂ شہادت کو بیان کرکے قلم توڑ دیا ہے۔اب اس کے مرنے کے بعد یہ کہہ کر اس کو بدنام کرنا کہ وہ واقعۂ کربلا کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے اس کی پاکیزہ روح کو تڑپانا اور اس کی قبر پر پھولوں کی بجائے کانٹوں کی چادر چڑھانا نہیں تو اور کیا ہے۔چنانچہ وہ کہتا ہے۔

آں امام عاشقاں پور بتول
سرو آزادے زبستان رسول

کہ وہ حسین رضی اللہ عنہ، جو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا بتول کا لخت جگر اور عاشقان الٰہی کا امام ہے۔اور جو باغ رسالت کا ایک آزادی کا سرو کا پودا ہے۔

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنی ذبح عظیم آمد پسر

یعنی وہ حسین رضی اللہ عنہ، جس کا باپ علی رضی اللہ عنہ، بسم اللہ کی "ب" ہے۔اور وہ حسین رضی اللہ عنہ، جو ذبح عظیم کی تفسیر ہے۔

بہر آں شہزادۂ خیر الملل
دوش ختم المرسلیں نعم الجمل

یعنی وہ حسین رضی اللہ عنہ، جو شہزادۂ کونین تھا۔اور جس کے لئے دوش مصطفیٰ کی اچھی سواری تھی۔

زندہ حق از قوت شبیری است
باطل آخر داغ حسرت میری است

یعنی وہ حسین رضی اللہ عنہ، جس کی قوت حق پرستی سے حق زندہ ہے اور جس کی وجہ سے باطل کے پاس داغ حسرت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

سر ابراہیم و اسماعیل بود
یعنی آں اجمال را تفصیل بود

اور وہ حسین رضی اللہ عنہ، جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کا ایک راز تھا۔ اور وہ دونوں اجمال تھے اور حسین اس اجمال کی تفصیل ہے۔ یعنی وہ قربانی جو اسمٰعیل سے رہ گئی تھی امام حسین نے میدان کربلا میں پوری کر دی۔

خون او تفسیر ایں اسرار کرد
ملت خوابیدہ را بیدار کرد

اور وہ حسین رضی اللہ عنہ جس کے خون شہادت نے سوئی ہوئی ملت اسلامیہ کو بیدار کر دیا۔

تیغ چوں از میاں بیروں کشید
از رگ ارباب باطل خون کشید

اور وہ حسین رضی اللہ عنہ، کہ جب اس نے لَا اِلٰہَ کی تلوار میان سے نکالی تو باطل پرستوں کی رگوں سے خون نچوڑ لیا۔

نقش اِلَّا اللہ بر صحرا نوشت
سطر عنوان نجات ما نوشت

اور وہ حسین رضی اللہ عنہ جس نے اپنے خون کی سیاہی سے اِلَّا اللہ دشت کربلا میں لکھ دیا۔ بلکہ ہماری نجات کا پروانہ لکھ دیا۔

رمز قرآں از حسین رضی اللہ عنہ آموختیم

اور ہم نے قرآن کے رموز و نکات اور قرآن کی تلاوت کرنی حسین رضی اللہ عنہ ہی سے سیکھی ہے۔ اور وہ مرد حق شناس جو سبط پیغمبر کی شہادت عظمیٰ کو غیر اسلامی حکومت، غیر دینی معاشرت، غیر قرآنی قوانین غیر شرعی نظریات آمریت و ملوکیت کے خلاف ایک جہاد اکبر سمجھ کر موجودہ دور کے نام نہاد پیروں بے علم فقیروں۔ اور خانقاہوں کے بدعمل مجاوروں سے کہتا ہے کہ

یہ رسم خانقاہی ہے غم و اندوہ دلگیری
نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری

اور وہ مرد درویش جو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

قوت سلطان و میر از لا الـــــہ
ہیبت مرد فقیر از لا الـــــہ
فقر عریاں گرمی بدر و حنین
فقر عریاں بانگ تکبیر حسین

تو پھر اس درویش لاہوری علامہ اقبال مرحوم کے متعلق یہ کہنا کہ وہ کربلا کے حق و باطل کے خونین معرکے کو ایک معمولی سی بات سمجھتا تھا۔ اس کے عقیدے پر بہتان ہے۔ اور اس کے ایمان پر حملہ ہے۔ رہا علامہ مرحوم کا وہ شعر کہ

ذرا سی بات تھی اندیشہ، عجم نے جسے
بڑھا دیا ہے فقط زیب داستاں کیلئے

اس شعر میں واقعۂ کربلا کی طرف اشارہ نہیں ہے۔ بلکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یزید کو ولی عہد بنانے کے متعلق اشارہ ہے۔

مصنف رشید ابن رشید ابو یزید بٹ لاہوری یزید کی خلافت اس کی پاک دامنی اور اس کے متقی اور پیدائشی جنتی ہونے پر یہ دلیل پیش کرتا ہے۔ کہ چونکہ یزید اکابرین اسلام کا رشتہ دار تھا اس لیے وہ خلیفہ برحق متقی اور پیدائشی جنتی تھا۔ چنانچہ وہ کتاب کے صفحہ ۸۱۔۸۲ پر لکھتا ہے کہ یزید کاتب وحی اور آنحضور کے صحابی کا لخت جگر تھا۔ ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا حقیقی بھتیجا تھا۔ سیدنا عمر فاروق کا پوتی داماد تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔

میں کہتا ہوں کہ یزید کی یہ تمام رشتہ داریاں ٹھیک۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا کسی انسان کی صرف اکابرین اسلام سے رشتہ داری اس کے لیے ذریعۂ نجات ہو سکتی ہے۔ اور اس کا جواب نفی میں ہے۔ اس لیے کہ اگر اکابرین اسلام اور بزرگان دین سے رشتہ داری انسان کے لیے وسیلۂ نجات ہو سکتی تو پھر حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان طوفانی لہروں میں نہ ڈوبتا۔

ابو یزید تو یزید کو صحابی رسول کا فرزند کہہ کر اس کو جنتی بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ مگر

کنعان تو پیغمبر خدا کا بیٹا تھا۔ پھر اس کی یہ خونی رشتہ داری کس کام آئی۔ تو جب ایک الوالعزم نبی کا خونی رشتہ اس کے بیٹے کے لیئے ذریعہ نجات نہ بن سکا تو یزید لعنتی کیا ہے اور اکابرین اسلام سے یہ تمام رشتہ داریاں اس کے لیے فائدہ مند کیسے ہوسکتی ہیں۔

اور پھر شمر لعین بھی تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا رشتہ دار ہی تھا اور وہ اس طرح کہ شمر کی حقیقی پھوپھی ام البنین بنت حرام امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ جن کے بطن سے چار لڑکے عباس، عبداللہ جعفر اور عثمان پیدا ہوئے۔ جو کربلا کے حق و باطل کے معرکے میں حضرت شبیر کے ساتھ شہید ہوئے۔ اس طرح شمر ان کے واسطے سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا پھوپھیرا بھائی تھا۔ اور کربلا کے میدان میں شمر نے ابن زیاد سے ان چاروں کیلئے امان مانگی تھی۔ جو منظور کرلی گئی۔ اور پھر شمر نے ان چاروں کو کہا تھا۔ کہ تم میرے بھائی ہو۔ میری طرف آجاؤ۔ تمہیں امان دی جائے گی۔ مگر ان چاروں نے جواب دیا تھا۔ کہ او لعین! تیرے پاس ہمارے لیے تو امان ہے۔ مگر فرزند رسول اور جگر گوشہ بتول کے لیے کوئی امان نہیں ہے۔ اور ہم اللہ کی راہ میں اپنے سر کٹوا دیں گے۔ مگر حق کے امام کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ غرضیکہ کسی انسان کا اکابرین اسلام اور بزرگان دین کا رشتہ دار ہونا اس کے نیک اور جنتی ہونے کی سند نہیں ہوسکتا۔ چہ جائیکہ یزید جیسا فاسق فاجر۔ عیاش و بدقماش۔ شرابی و زانی۔ شریعت مطہرہ کا باغی اور دشمن اہل بیت صرف اس وجہ سے جنت کا ٹھیکیدار بن جائے کہ وہ اکابرین اسلام کا رشتہ دار تھا۔ بلکہ کسی مسلمان کا جنتی ہونا اس کے اپنے ذاتی کردار اور اعمال صالح۔ افعال حسنہ۔ اتقاء و پرہیزگاری۔ پابندیٔ شریعت اور فرائض کی ادائیگی پر منحصر ہے۔ اور قیامت کے دن کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ باپ اپنے بیٹے سے بھاگے گا اور بھائی اپنے بھائی سے۔

ہاں البتہ امت کے مددگار و غمخوار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیائے عظام اور صدیق و شہید گنہگاروں کی شفاعت ضرور کریں گے۔ مگر یزید تو اس کا بھی حقدار نہیں ہے۔

ابو یزید بٹ مصنف رشید ابن رشید اپنے پیشوا یزید کی صفائی پیش کرتے ہوئے اور اس کی بداعمالیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۹۴ پر لکھتا ہے کہ

کیا ایک نیک انسان رات ہی رات میں فاسق ہو گیا؟ اور غور کیجئے کہ کبھی ایسا ممکن ہے کہ ایک شخص اپنی عمر کے ۳۸ سال تک تو نیک اور پاک باز رہے اور اس کی جوانی بے داغ ہو۔ اور جب اس پر اہم ذمہ داریوں کے پہاڑ ڈال دیئے جائیں تو پھر وہ عشرے یا پندرہ بیس دن یا ایک دو ماہ میں ایسا بدل جائے کہ دنیا میں اس جیسا اور کوئی برا شخص نظر ہی نہ آئے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ سب ٹھیک بھی مان لیا جائے تو بھی یزید کے حامیوں کو اور اس کے صفائی کے گواہوں کو ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس لیے کہ منافقین مدینہ بھی تو پانچ وقت کے نمازی تھے۔ اور وہ سید المرسلین ﷺ کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے۔ اور وہ حاجی بھی تھے۔ اور روزے بھی رکھتے تھے۔ اور کلمہ بھی پڑھتے تھے اور جہاد بھی کرتے تھے۔ اور نبوت و رسالت کی گواہی بھی دیتے تھے۔ مگر ان تمام ارکان اسلام کی پابندی اور فرائض کی ادائیگی کے باوجود خداوند کریم نے قرآن پاک میں ان کے مومن نہ ہونے کا اعلان فرمادیا۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ کہ ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور رسول کی گواہی بھی دیتے ہیں۔ مگر ہرگز ہرگز مومن نہیں ہیں۔ تو اگر منافقین عبادت و ریاضت۔ نماز روزہ، حج و زکوٰۃ اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے کے باوجود بھی مومن نہیں تھے۔ تو یزید تو شرابی بھی تھا اور زانی بھی۔ عیاش بھی تھا اور ظالم بھی۔ دشمن اہل بیت بھی تھا اور تارک نماز بھی۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ تو پھر یزید میں ایسی کون سی خوبی تھی کہ وہ ان تمام بداعمالیوں۔ بدافعالیوں، بدکاریوں اور بدکرداریوں کے باوجود بھی نیک اور جنتی ہو گیا۔

اور پھر کیا شیطان نے ستر ہزار سال خداوند تعالیٰ کی عبادت نہیں کی تھی۔ اور کیا اس نے چالیس ہزار سال بیت المعمور کے حج نہیں کیے تھے۔ اور کیا یہ حقیقت نہیں کہ زمین کا کوئی چپہ ایسا نہیں۔ جہاں شیطان نے سجدہ نہ کیا ہو؟ مگر یہ سب کچھ کرنے کے باوجود بھی وہ قیامت تک کے لیے بارگاہ الٰہی سے راندا گیا۔ اور قیامت تک کے لیے اس کے گلے میں لعنت کا طوق ڈال دیا گیا۔

صرف اس لیے کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت الٰہیہ کو تسلیم نہیں کیا تھا اور خلیفۃ اللہ کا ادب واحترام نہیں کیا تھا۔ ابو یزید تو اس بات پر حیران ہے۔ کہ ۳۸ سال تک نیک اور پارسا رہنے کے بعد ایک انسان ایک ماہ یا پندرہ بیس دن یا رات ہی رات برا کیسے بن سکتا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ ایک ماہ یا پندرہ بیس دن یا رات میں تو ایک مدت ہے۔ ایک وقت ہے۔ اور ایک عرصہ ہے۔ مگر یہاں تو ستر ہزار سال کی عبادت اور چالیس ہزار بیت المعمور کے حج کرنے والا ابلیس ایک لمحہ میں ملعون بن گیا۔ ایک ساعت میں راندا گیا۔ اور آنکھ جھپکنے سے پہلے لعنت کا طوق اس کی گردن میں ڈال دیا گیا۔

خلافت اسلامیہ!

امانت خداوندی تھی۔ جو حضرت آدم سے شروع ہوئی۔ اور نواسۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ پر ختم ہوگئی اور جب انہوں نے اسلام کو ایک بہت بڑی خطرناک جنگ سے بچانے کے لیے اپنی خلافت کا تاج چند شرطوں پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سر پر رکھ دیا۔ تو یہ امانت خداوندی جو خلافت اسلامیہ کی شکل وصورت میں مسلمانوں کے پاس آئی تھی۔ ملوکیت میں تبدیل ہوگئی۔ اور پھر یزید نے اس امانت خداوندی کا جو حشر کیا وہ سب کے سامنے ہے۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ امانت میں خیانت کرنے والا منافق ہے۔ یزید نے شراب کو حلال کیا۔ سنت رسول کو تبدیل کیا۔ سوتیلی ماؤں اور بہنوں سے ہمبستری کی۔ مدینہ منورہ پر لشکر کشی کر کے قتل وغارت اور ظلم وستم کا بازار گرم کیا۔ عورتوں کی عصمت دری کی۔ خانۂ کعبہ کا محاصرہ کر کے اس پر پتھر برسائے تو اس سے زیادہ امانت الٰہیہ میں خیانت اور کیا ہوسکتی ہے۔

پاکستان کا خارجی گروہ اب تیرہ سو سال کے بعد یزید کی صفائی اور پاکدامنی کی پوری طرح کوشش کر رہا ہے۔ مگر کوئی بات بنتی نظر نہیں آتی۔ اس لیے کہ اس کا فسق وفجور، ظلم وستم اور جبر وتشدد مستند تاریخوں اور اکابرین اسلام کی روایات سے منظر عام پر آچکا ہے۔ اور اس کی اہل بیت سے دشمنی، دین کی مخالفت اور شریعت سے بغاوت اور امام عالی مقام کی شہادت کا جرم مکمل طور پر اس پر ثابت ہوچکا ہے۔

شرح عقائد نسفی صفحہ ۱۱۷۔ یہ کتاب درسی نصاب کی ایک مشہور و معروف کتاب ہے اور پاکستان کے ہر درس میں پڑھائی جاتی ہے۔ چنانچہ اس میں یزید کے متعلق لکھا ہے:

اُطلِقَ اللَّعنَ عَلَیہِ لَمَّا اَنَّہٗ کَفَرَ حِینَ اَمَرَ بِقَتلِ الحُسَینِ وَاتَّفَقُوا عَلٰی جَوَازِ اللَّعنِ عَلٰی مَن قَتَلَہٗ وَ اَمَرَ بِہٖ وَاَجَازَہٗ وَ رَضِیَ بِہٖ۔

کہ یزید پر لعنت بھیجنی علی الاطلاق جائز ہے۔ اس لیے کہ اس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا حکم دے کر کفر کیا۔ اور تمام مفسرین و متکلمین اس بات پر متفق ہیں کہ جس نے بھی حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا اور جس نے اس کا حکم دیا اور جس نے اس کو جائز سمجھا اور جو اس پر راضی ہوا اس پر لعنت بھیجنی جائز ہے۔

وَالحَقُّ اَنَّ رِضَا یَزِیدُ بِقَتلِ الحُسَینِ وَ اَستَبشَارَہٗ بِذٰلِکَ وَاَھَانَتَہٗ اَھلَ بَیتِ النَّبِیِّ عَلَیہِ السَّلَامُ

اور یہ بات سچ ہے کہ یزید حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر راضی ہوا اور خوش ہوا اور اس نے عزت رسول کی بے حرمتی کی۔

لَعنَتُ اللّٰہِ عَلَیہِ وَ عَلٰی اَنصَارِہٖ وَاَعوَانِہٖ

اور یزید کے تمام مددگاروں پر بھی لعنت ہے

سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کی گلیوں میں گالیاں سن کر طائف کے بازاروں میں پتھر کھا کر۔ اپنے وطنِ پاک کو چھوڑ کر اور پھر میدانِ احد میں اپنے خون کے فوارے بہا کر اپنے مسلمان غلاموں کی ایسی مقدس جماعت تیار کی تھی جن کے دل صاف تھے اور سینے پاک۔ جن کی روحیں پاکیزہ تھیں۔ اور عقلیں سلیم۔ جو امر بالمعروف کی صحیح تفسیر تھے۔ اور نہی عن المنکر کی زندہ تصویر جو خلافت الٰہیہ کے علمبردار تھے اور حکومت اسلامیہ کے محافظ۔ اور یہ نورانی جماعت اپنے اندر ایسے ٹھوس نظریات اور مستحکم عقائد رکھتی تھی کہ جس سے یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ اس جماعت سے جو بھی نسلیں پیدا ہوں گی ان میں اس مقدس جماعت کے تمام

حاشیہ شرح عقائد نسفی صفحہ ۱۱۶۔ اَنَّہٗ شَرِبَ الخَمرَ وَفَسَقَ فِی دِینِہٖ فَقَد تَوَاتَرَ اَنَّ یَزِیدَ اَرسَلَ الجُندَ عَلَی الحُسَینِ فَقَتَلُوہُ وَاَھَانُوا اَھلَ بَیتِ النَّبِیِّ عَلَیہِ السَّلَامُ یزید شراب پیتا تھا اور فاسق تھا۔ اور یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ یزید نے امام کے قتل کے لیے لشکر بھیجا اور پھر انہوں نے قتل کیا اور آل رسول کی توہین کی۔

خدوخال کے موتی اور محاسن و کمالات کے جوہر قیامت تک چمکتے رہیں گے۔

مگر یکا یک بنی امیہ کے خاندان سے ایک بچہ پیدا ہوا اور پھر وہ جوان ہوا اور پھر اس کو اپنے باپ سے بادشاہت ملی اور دنیا کی حکومت ملی۔ اور پھر اس نے برسرِ اقتدار آتے ہی اسلام کی روحِ جمہوریت کو تباہ کیا۔ خلافتِ اسلامیہ کو غارت کیا۔ سنتِ رسول کو تبدیل کیا اور ملوکیت و آمریت کو مسلمانوں کے دل و دماغ پر مسلط کر دیا۔ اس بچے کا نام یزید تھا۔ اور وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا تھا اور پھر جب اس کی عیش و عشرت و فحاشی اور اس کا فسق و فجور اور ظلم و ستم انتہا کو پہنچ گیا تو حق پرستوں کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان راہِ ہدایت و صراطِ مستقیم سے ہٹ کر ضلالت و گمراہی کے گڑھے میں جا گریں اور امام الانبیاء علیہ السلام کی بنائی ہوئی اس مقدس جماعت کا نام و نشان مٹ جائے اور اسلام کا وہ طرزِ حکومت جو ہمارے رسولِ اکرم علیہ السلام نے نافذ کیا تھا اور ہمارے خلفائے راشدہ جس پر آخری دم تک کاربند رہے تھے۔ کہیں برباد نہ ہو جائے۔ تو اس وقت کے حق پرستوں کی جماعت۔ دین کے متوالوں کا گروہ اور اسلام کے فدائیوں اور پرستاروں کا ٹولہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ خلافت الٰہیہ کی نگہداشت حکومتِ اسلامیہ کی حفاظت۔ شریعت کی حدوں کی نگہبانی۔ اور اسلامی نظام کی پاسبانی کس طرح کی جائے اور یزید کے فسق و فجور اور فتنہ و فساد کا کس طرح مقابلہ کیا جائے۔ لیکن وہ ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ قدرت نے فاطمہ کے لال حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو منتخب کر لیا۔

اور قدرت کا یہ انتخاب کوئی غلط نہیں تھا۔ آخر اس وقت نواسہ رسول کے سوا اور تھا بھی کون جو باطل کے اندھیروں میں حق کی شمع روشن کرنے کے لیے کسی کا سر لینے کی بجائے اپنا سر دیتا اور کسی کے بچے قتل کرنے کی بجائے اپنے بچے قربان کرتا اور کسی کا گھر جلانے کی بجائے اپنی بہن کے خیمے جلواتا۔

اور قدرت کا یہ انتخاب اس لیے بھی صحیح تھا کہ قدرت جانتی تھی کہ کربلا کے میدان میں حق و باطل کے خونیں معرکے میں پیاس کی شدت۔ سوکھی زبان اور خشک ہونٹوں کے باوجود بھی اگر میں اس حسین رضی اللہ عنہ سے دین و ایمان کی حفاظت اور شریعت و قرآن کے تحفظ کے

لیے اس کے ننھے منے بچوں کا خون بھی مانگوں گی تو یہ دے گا۔ اس کے جوان بیٹے کا لہو بھی طلب کروں گی۔ تو حاضر کرے گا۔ اور اس کا اپنا سر بھی مانگوں گی تو یہ عذر نہیں کرے گا اور پھر قدرت نے جو کہا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا کے میدان میں وہ کر دکھایا۔

قدرت نے کہا حسین رضی اللہ عنہ عون و محمد کی لاشیں! حسین رضی اللہ عنہ نے کہا وہ تڑپ رہی ہیں۔ قدرت نے کہا حسین رضی اللہ عنہ عباس رضی اللہ عنہ کے بازو! حسین نے کہا وہ کٹ گئے۔ قدرت پکاری حسین اکبر کی جوانی۔ حسین نے کہا حاضر ہے۔ قدرت نے کہا اصغر کا خون۔ حسین نے کہا یہ ہے۔ قدرت پکاری حسین رضی اللہ عنہ اپنا سر۔ حسین نے کہا نیزے پر۔ اور یزید کی غیر اسلامی اور شخصی حکومت کو مٹانے کے لئے اور یزید کے پنجۂ استبداد سے خلافتِ الٰہیہ کو بچانے کے لیے اور حق و ہدایت اور انسانیت و آدمیت کی رکھوالی کے لیے قدرت نے نواسۂ رسول کو اس وقت ہی منتخب نہیں کیا تھا بلکہ یہ انتخاب روزِ اوّل ہی سے ہو چکا تھا۔ اور پھر اس انتخاب کی اطلاع رسولِ اکرم علیہ السلام کی زبان پاک کے ذریعے سبطِ پیغمبر کو دی جا چکی تھی۔

مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۷۲ حضرتِ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ حضور علیہ السلام بہت پریشان ہیں اور ہاتھ میں ایک بوتل ہے اور بوتل میں خون ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کیا ہے تو نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ میرے بچے حسین اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے۔ اور پھر نبی کریم علیہ السلام نے اپنے نواسے کی شہادت کا وقت بھی بتا دیا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے وہ وقت بھی یاد رکھا اور پھر حضرتِ حسین اسی وقت شہید ہوئے۔ اور پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے کربلا کی سرخ مٹی بھی حضور علیہ السلام کو لا کر دی تھی۔ اور اس عظیم قربانی۔ بلند پایہ ایثار اور شہادتِ عظمیٰ کے لیے قدرت کا یہ انتخاب اسلیے بھی درست تھا کہ خاندانِ نبوت کی لڑی میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا موتی بھی پرو دیا جائے کیونکہ سید المرسلین پر نبوت ختم ہو چکی تھی۔ اور ولایت و امامت کا مرکز اور سخاوت و شجاعت کا منبع حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قرار دیا جا چکا تھا۔ اب شہادت کا درجہ ہی ایسا درجہ تھا جو رسالت کے گھرانے سے علیحدہ تھا۔ اور پھر دشتِ کربلا میں مظلوم کربلا نے اپنا سب کچھ اللہ

کی راہ میں قربان کر کے اور خود بھی جامِ شہادت نوش فرما کر انسانی عظمت کے سب سے بڑے کمال شہادت کو بھی حاصل کر کے خاندانِ نبوت پر معجزات و کرامات، صفات و کمالات، فیوضات و حسنات کی تکمیل کر دیا۔

مگر کیا کیا جائے اس نفس پرستی کا اور کس طرح خاتمہ ہو یہ دورِ جہالت و تعصب کہ کچھ مورخین اور خارجی مولوی جو اپنے ہاتھوں میں شاید اسلام کا جھنڈا اور جنت کی کنجیاں سمجھتے ہیں۔ حضرت امامِ حسین رضی اللہ عنہ کی اس شہادتِ عظمیٰ کو تاریخِ اسلام کا ایک معمولی سا واقعہ قرار دے کر مسلمانوں کے دلوں سے اس غیر فانی نقش کو مٹانا چاہتے ہیں۔ جو نواسۂ رسول دلوں میں پیدا کر گئے ہیں اور اس عظیم قربانی کو اتنا کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ ایک حکومت کے لیے عرب کے دو شہزادوں کی جنگ تھی۔ جس میں ایک جیتا اور دوسرا ہارا۔ بلکہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لال کو شہادت کے عظیم درجے سے گرانا چاہتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان کی متعصب نگاہوں کو سبطِ پیغمبر کے پاک دامن پر اجتہادی غلطی کے دھبے نظر آتے ہیں اور اس بنا پر ایسے لوگ اعلان کرتے پھرتے ہیں کہ حضرتِ حسین کو یہ نہیں کرنا چاہئے تھا۔ ایسا کرتے تو اچھا تھا۔ انہوں نے ضد کی ہٹ دھرمی سے کام لیا اور خواہ مخواہ مصیبت میں مبتلا ہوئے مگر جب بھی اس خطۂ ارضی پر کسی شخصی حکومت کی بجائے اسلامی حکومت ہوگی۔ اور ملوکیت کی جگہ خلافتِ الٰہیہ کا تسلط ہوگا اور آمریت کے آسمان پر روح جمہوریت کا آفتاب طلوع ہوگا اور جب دنیا ایک خدا سے ڈرے گی اور نسل انسانی جب مکار سیاستدانوں سے نجات پا چکی ہوگی تو اس وقت زمین کا ذرہ اور آسمان کا ایک ایک ستارہ پکارے گا کہ او فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لال پر اعتراض کرنے والو! او نواسۂ رسول کے پاک دامن پر غلطیوں کے داغ دیکھنے والے خارجی مولویو یہ چراغ وہی چراغ ہے جسے حضرتِ حسین رضی اللہ عنہ نے دشتِ کربلا میں اپنے بچوں کا خون دے کر جلایا تھا اور یہ وہی باغ ہے جس کو فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لختِ جگر نے اکبر کا لہو دے کر پالا تھا۔ اور آج یہ جو تم خلافتِ الٰہیہ کا جھنڈا۔ اسلامی جمہوریت کا پرچم اور اللہ کی حکومت کا علم دیکھ رہے ہو۔ یہ سب کچھ اسی سرِ اقدس کا مرہونِ منت ہے۔ جو حق و باطل کے معرکے میں صحرائے کربلا میں نیزے پر چڑھایا گیا تھا۔

معرکۂ حق و باطل کی اہم شخصیتیں

☆ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، سید المرسلین کے نواسے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نورِ نظر اور حضرتِ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے لختِ جگر۔

☆ حضرت عباس علمبردار رضی اللہ عنہ، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے علاتی بھائی۔

☆ حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے منجھلے بیٹے۔

☆ حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ، حضرتِ امام حسین رضی اللہ عنہ کے بڑے لڑکے۔

☆ حضرت علی اصغر رضی اللہ عنہ، حضرتِ امام حسین رضی اللہ عنہ کے شیر خوار لڑکے۔

☆ حضرت مسلم رضی اللہ عنہ، حضرتِ امام حسین رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی۔

☆ حضرت محمد و ابراہیم رضی اللہ عنہما، حضرتِ مسلم رضی اللہ عنہ کے لڑکے۔

☆ حضرتِ عون و محمد رضی اللہ عنہما حضرتِ امام حسین رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھانجے اور سیدہ زینب کے لڑکے۔

☆ حضرت حُر رضی اللہ عنہ ایک شامی افسر جو بعد میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑکر شہید ہوئے۔

پاک بیبیاں

☆ حضرت بی بی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن۔

☆ حضرتِ بی بی شہر بانو رضی اللہ عنہا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی محترم بیوی۔

☆ حضرت صغریٰ و سکینہ رضی اللہ عنہما حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیٹیاں۔

یزیدی لشکر

☆ عبید اللہ ابنِ زیاد، کوفہ کا گورنر اور یزید کا نائب۔

☆ عمرو بن سعد، یزیدی لشکر کا سپہ سالار۔

☆ شمر، خولی، سنان اور حرمل، افسران فوج۔

شہادتِ حضرتِ مسلم رضی اللہ عنہ

شہادت ہے مقصود و مطلوبِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

میں نے اب تاریخ واقعات کربلا اور اسبابِ شہادت حضرتِ امام حسین رضی اللہ عنہ سے عمداً اجتناب کرتے ہوئے اسی شہیدِ اعظم کے صدقے اسی سید الشہداء کی شہادت گہہ عشق و محبت میں قدم رکھا ہے کہ جس کے تصور سے کائنات کا سینہ شق ہو جاتا ہے اور جس کے خیال سے انسانیت کا کلیجہ پھٹ جاتا ہے اور جس کے بیان سے ایک مسلمان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی ہے اور جس کے لکھنے سے صفحۂ قرطاس پر خون کے دھبے نقش ہو جاتے ہیں۔

ہے آج کربلا کا بیابان لہو لہو
صحرائے دل فگار کا داماں لہو لہو
سب دشت و کوہ و جنگل و میدان لہو لہو
وہ رزم گاہِ شاہِ شہیداں لہو لہو

یزید نے تختِ حکومت پر بیٹھتے ہی جو پہلا حکم جاری کیا وہ یہ تھا کہ عبداللہ ابن زبیر، عبداللہ ابن عمر، عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور حسین ابن علی سے فوراً میری بیعت لی جائے اور اگر وہ انکار کریں تو ان کو قتل کر دیا جائے۔

عاملِ مدینہ ولید نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو دارالامان میں بلایا اور یزید کا حکم نامہ پڑھ کر سنایا۔ یزید کا حکم سنتے ہی ہاشمی خون جوش میں آ گیا اور آتا بھی کیوں نہ! بھلا وہ حسین رضی اللہ عنہ جن کی رگوں میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون تھا! جن کے بازوؤں میں علی رضی اللہ عنہ کی قوت تھی اور

جن کے خون میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کا پاک دودھ تھا۔ اور جن کے دل میں عشقِ الٰہی کا دریا موجزن تھا جن کے سینے میں دینِ مصطفیٰ کی تڑپ تھی۔ اور جن کی نگاہوں میں جلوۂ حسن یار تھا۔ وہ کس طرح برداشت کر لیتے کہ کوئی انسان اسلام کے نام پر حکومت لے اور پھر اسلام کی ہی حدوں کو توڑے۔ سیّدہ کے لال نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا کہ ایک باطل پرست انسان کی بیعت شجر دین و اسلام کی جڑوں پر کلہاڑے مارنے کے مترادف ہے۔ اور پھر ساتھ ہی نانے مصطفیٰ علیہ السلام کی یہ آواز آئی کہ بیٹا حسین رضی اللہ عنہ **لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ!** کہ ایک فاسق و فاجر حکمران کی اطاعت نہ کرو۔

شہزادۂ کونین کا یزید کی بیعت سے انکار حق و صداقت اور دین و مذہب کی حفاظت کے لئے پہلی شہادت تھی اور یزید کی باطل قوتوں کے خلاف ایک اعلان جنگ تھا۔

ادھر جب یزید کو اطلاع ملی کہ حسین ابن علی رضی اللہ عنہ نے میری بیعت کا انکار کر دیا ہے تو اس کی آتشِ غضب بھڑک اٹھی اور پھر وہ تدبیریں سوچنے لگا کہ کس طرح حسین رضی اللہ عنہ ابن علی سے بیعت لی جائے یا اسے قتل کر دیا جائے اور ادھر کوفہ والوں نے یزید کے فسق و فجور، غیر اسلامی روش اور غیر دینی طرز زندگی سے تنگ آ کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو خط پر خط اور قاصد پر قاصد بھیجنے شروع کر دیئے کہ اے نواسۂ رسول، جگر گوشۂ بتول ہم کوفہ والے اہل بیت اطہار کے پرانے اور سچے خادم ہیں اور ہم وہی ہیں جنہوں نے جنگ صفین میں آپ کے والد محترم حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا تھا اور اب یزید ہم پر حاکم ہو گیا ہے اور ہم اس کے فسق و فجور اور غیر اسلامی حکومت اور غیر دینی روش کے پیش نظر اس کو اپنا خلیفہ ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں، خلافت آپ کا حق ہے اور ہم آپ کے غلام ہیں۔ اس لئے ہمیں یزید کے فسق و فجور اور ظلم و ستم سے نجات دلانے کے لئے فوراً کوفہ تشریف لے آئیں یہاں ایک لاکھ مسلمان آپ کے مقدس ہاتھوں پر بیعت کرنے کے لئے تیار کھڑے ہیں۔

جب کوفہ والوں نے اسلام و پیام کے ذریعے نواسۂ رسول کو اپنا خلیفہ اور پیشوا تسلیم کرنے کا وعدہ کیا تو سبطِ پیغمبر نے اس امید پر کہ باطل کے مقابلے میں حق پرستوں کا ایک لشکر تیار ہو جائے گا۔ بخوشی اہل کوفہ کی دعوت قبول کر لی۔ تا کہ نانے مصطفیٰ علیہ

السلام کی وہ امانت جو باطل کے ہاتھوں برباد ہورہی ہے ہمیشہ کے لئے اس کی حفاظت کا انتظام ہوجائے۔

جن دنوں کوفہ والوں کے خط پر خط اور قاصد پر قاصد آرہے تھے۔امام عالی مقام ان دنوں مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے۔اہل کوفہ کی عقیدت ومحبت دیکھ کر اوران کی بیعت کر لینے کی یقین دہانی پر زہرا کے لختِ جگر نے کوفہ جانے کے لئے رختِ سفر باندھا۔لیکن مکہ مکرمہ میں بسنے والوں نے جب یہ دیکھا تو بے چین ہوگئے اور ایک جلسہ منعقد کر کے حضرت امام حسین کو سمجھایا کہ کوفہ جانے کے لئے ارادہ ترک کردیجئے۔اس لئے کوفہ والوں میں وفا نہیں ہے اور وہ اپنی وعدہ خلافی اور عہد شکنی میں مشہور ہیں اور ہمیں فکر ہے کہ کہیں وہ آپ کو بھی دھوکہ نہ دیں۔آپ اطمینان سے یہاں تشریف رکھیں اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ جب تک ہماری جانوں میں جان ہے آپ کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکے گا اور اگر آپ نے ضرور جانا ہی ہے تو پہلے حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو روانہ کردیں وہ جا کر وہاں کا رنگ ڈھنگ دیکھیں اور کوفہ والوں کے ارادوں کا پتہ کر کے پھر جو وہ لکھیں اس پر عمل کیا جائے اور آخر اس فیصلے کے بعد حضرت مسلم بن عقیل کو بمع آپ کے دونوں بچوں محمد رضی اللہ عنہ و ابراہیم رضی اللہ عنہ کے کوفہ روانہ کردیا گیا۔

جونہی حضرت مسلم اپنے دونوں بچوں سمیت کوفہ میں داخل ہوئے خوشی ومسرت کے نعروں سے کوفہ کی فضاء گونج اٹھی۔کوفہ والوں نے دلی مسرت کا اظہار کیا۔حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے قدم چومے۔بچوں کو گلے لگایا۔اور پہلے ہی دن چالیس ہزار کوفیوں نے مسلم کے دست مبارک پر بیعت کی۔

حضرت مسلم رضی اللہ عنہ نے کوفہ والوں کی یہ عقیدت ومحبت اوران کا یہ جوش وخروش دیکھا تو فوراً حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھ دیا کہ کوفہ والے ہر طرح سے ہمارے ساتھ ہیں۔جس کا ثبوت یہ ہے کہ چالیس ہزار کوفی میرے ہاتھ پر بیعت کرچکے ہیں۔اس لئے آپ فوراً تشریف لاکر حق پرستوں کی حوصلہ افزائی کریں۔یہ وعدہ کرتے ہیں۔کہ ہم اپنی جانیں قربان کردیں گے لیکن یزید کی خلافت تسلیم نہیں کریں گے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو خط روانہ کرنے کے بعد حضرت مسلم حضرت ہانی بن عروہ کے گھر قیام پذیر ہو گئے۔ ادھر تو حضرت مسلم کی کوفہ میں آمد پر کوفہ والے خوشیاں منا رہے تھے۔ اور ادھر بنی امیہ کے طرفدار حضرت مسلم کا شاندار استقبال اور پھر کوفہ والوں کا جوش عقیدت دیکھ کر انگاروں پر لوٹ رہے تھے۔ اور دل ہی دل میں سوچ رہے تھے کہ اب یزید کے ہاتھوں سے خلافت گئی۔

اس وقت یزید کی طرف سے کوفہ میں نعمان بن بشیر گورنر تھے اور چونکہ وہ عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور محبّ اہل بیت تھے۔ اور جانتے تھے کہ یزید کی شخصی حکومت دین و مذہب کی تباہی کا باعث ہے۔ اس لئے سب کچھ اپنی نگاہوں سے دیکھنے اور کانوں سے سننے کے باوجود بھی خاموش رہے بنی امیہ کے حامیوں نے نعمان بن بشیر کو جا کر کہا کہ جو کچھ ہو رہا ہے یزید کے منشا کے خلاف ہو رہا ہے۔ اول تو آپ مسلم کو قتل کر دیں نہیں تو گرفتار ضرور کر لیں۔ اور آپ یزید کے تنخواہ دار ملازم ہیں اس لیے اس کی تمام ذمہ داری تم پر عائد ہوتی ہے۔ بنی امیہ کے گستاخ چیلوں کی یہ بات سن کر نعمان بن بشیر نے جواب دیا کہ ملازمت اور چیز ہے اور عقیدت اور چیز۔ اور میں یزید کے چند ٹکوں کے بدلے ایک ہاشمی جوان کا خون بہا کر دین و دنیا میں رسوا ہونا نہیں چاہتا اور ایک سید کو قتل کر کے اپنی عاقبت خراب نہیں کر سکتا۔

بنی امیہ کے طرفدار نعمان بن بشیر کا یہ جواب سن کر اس کے دلی ارادوں کو سمجھ گئے اور عمارہ بن ولید کو یزید کے پاس بھیج کر اس کو تمام حالات کی اطلاع دی۔ یہ اطلاع پاتے ہی یزید نے فوراً عبید اللہ ابن زیاد کو جو اس وقت بصرے کا والی تھا خط بھیجا کہ فوراً کوفہ جاؤ اور نعمان کو معزول کر کے اور وہاں کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے کر مسلم بن عقیل کو فوراً قتل کر دو اور کوفہ والوں کو حسین ابن علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے سختی سے روکو اور جو ذرہ بھی تامل کرے اس کا سر قلم کر دو۔

عبید اللہ ابن زیاد بڑا مکار اور عیار آدمی تھا۔ یزید کا حکم ملتے ہی حاکم کوفہ کی حیثیت میں حجازی لباس پہن کر اور چہرے پر نقاب ڈال کر مغرب و عشاء کے درمیان رات کے اندھیرے میں اسی راستہ سے کوفہ میں داخل ہوا جس راستے سے حجازی قافلے آیا کرتے تھے۔

عبداللہ کا ان مکاریوں سے مطلب یہ تھا کہ کوفہ والے چونکہ حسین رضی اللہ عنہ ابن علی رضی اللہ عنہ کے منتظر ہیں۔اس لئے رات کے اندھیرے میں وہ مجھے پہچان نہ سکیں گے اور اس طرح میں بآسانی کوفہ میں داخل ہو جاؤں گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔کوفہ والے حضرت امام عالی مقام کے منتظر تو تھے ہی حجازی لباس اور حجازی راستہ سے آتا دیکھ کر وہ ابن زیاد کو نہ پہچان سکے اور اسی خوشی میں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ آ گئے مسرت کے نعرے لگانے لگے اور بلند آواز سے پکارنے لگے۔

مَرْحَبًا یَا اِبْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَام قَدِمْتَ خَیْرَ مَقْدَمٍ

کہ آپ کی تشریف آوری کا شکریہ!

عبیداللہ بڑی خاموشی اور سکوت سے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا چہرے پر نقاب ڈالے سیدھا دارالامارت کی طرف روانہ ہوا۔

حضرت ہانی جن کے گھر مسلم رضی اللہ عنہ قیام پذیر تھے راستے میں سوچتے آتے تھے کہ اگر یہ ہمارے آقا و مولا حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہوتے تو اس خاموشی اور سکون کے ساتھ نہ آتے۔اور پھر ان کے چہرے پر نقاب نہ ہوتا۔اس میں ضرور کوئی راز ہے اور آخر انہوں نے بڑی جرأت و دلیری سے ہاتھ کے جھٹکے سے عبیداللہ کے چہرے سے نقاب کھینچ لی۔دیکھا تو وہ حسین رضی اللہ عنہ ابن علی رضی اللہ عنہ کی بجائے عبیداللہ بن زیاد تھا۔اور پھر پکار اٹھے کہ او کوفہ والو تمہارے امتحان کا وقت آ گیا۔یہ تو ابن زیاد ہے۔

پس یہ سنتے ہی کوفہ والوں کے دل لرز گئے۔اور وہ حیران رہ گئے لیکن اب کیا کر سکتے تھے۔اور کیا ہو سکتا تھا۔ابن زیاد کی مکاری کام آ چکی تھی اور وہ کوفہ والوں کو دھوکہ دے چکا تھا۔اور وہ دھوکہ کھا چکے تھے۔وہاں اگر کوفہ والے ذرا سی بھی جرأت اور دلیری سے کام لیتے اور اپنے عہد و پیمان پر قائم رہتے تو ابن زیاد تنہا تھا۔یا اس کے ساتھ چند ایک ساتھی تھے۔وہ مقابلہ کے لئے تن جاتے۔اور ابن زیاد کو قتل کر کے آئندہ آنے والے وحشتناک واقعات کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو کر مبارک باد کے مستحق بن جاتے مگر وہ ایسا نہ کر سکے۔اور کیوں نہ کر سکے! اس لئے کہ مشیت ایزدی یہی تھی۔کہ اسلام کے باغ کو اہل

بیت کے خون سے سینچا جائے۔

ابن زیاد سیدھا دارالامارت پہنچا۔ابن بشیر کو یزید کا حکمنامہ دکھایا اور اس کو یہ کہا۔ کہ تم نے مسلم رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں داخل کرنے اور بلانے میں سازش کر کے نمک حرامی کی ہے۔نعمان بن بشیر نے جواب دیا کہ وہ زندگی جو باطل پرستی میں گزرے لعنت ہے۔اور وہ موت جو حق پرستی میں آئے رحمت ہے۔اور میں ایسی موت کو زندگی پر ترجیح دوں گا۔ابن زیاد نے نعمان بن بشیر کو گرفتار کرلیا اور رات بڑی بے قراری میں بسر کی۔صبح کا ستارہ لرزتا ہوا نمودار ہوا۔اور سورج تھراتا ہوا نکلا اور پھر دن نکلتے ہی ابن زیاد نے کوفہ کی جامع مسجد میں ایک جلسہ منعقد کیا۔اور اپنی تلوار ہوا میں لہرائی اور بولا۔کوفہ والو مجھے جو جانتے ہیں وہ تو جانتے ہی ہیں۔اور جو نہیں جانتے وہ جان لیں کہ میں ابن زیاد ہوں۔اور یزید نے مجھے یہاں کا حاکم مقرر کیا ہے اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم یزید کے خلاف ہو۔اور حسین رضی اللہ عنہ ابن علی کو اپنا خلیفہ بنانا چاہتے ہو۔اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم نے اس کام کے لئے مسلم رضی اللہ عنہ بن عقیل کو کوفہ بلالیا ہے۔اور وہ یہاں پہنچ چکے ہیں۔اور حسین رضی اللہ عنہ ابن علی رضی اللہ عنہ بھی آنے والے ہیں۔۔۔۔۔۔خبردار۔۔۔۔۔۔جس کے گھر سے حسین رضی اللہ عنہ ابن علیؓ کی آواز آئی اس گھر کو مسمار کر دیا جائے گا۔اور جس زبان سے حسین رضی اللہ عنہ ابن علی رضی اللہ عنہ کا نام نکلا وہ زبان کھینچ لی جائے گی۔اور جو ہاتھ حسین رضی اللہ عنہ ابن علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لئے بڑھیں گے۔وہ ہاتھ کاٹ دیئے جائیں گے۔اور آج شام تک مسلم ابن عقیل کو میرے حوالے کردو ورنہ کوفہ میں قیامت برپا کردی جائے گی۔

ابن زیاد کی اس تقریر سے کوفہ والوں کے دل کانپ گئے اور پانسہ پلٹ گیا۔اور وہ لوگ جو کل یزید کے خلاف بغاوت کرنے کی تیاریاں کررہے تھے اور آل محمد علیہ السلام کے سائے تلے یزید کی غیر اسلامی حکومت کا تختہ الٹ کر خلافت الٰہیہ کا علم بلند کرنے کے مشورے کررہے تھے۔آج ابن زیاد کے قہروغضب کے سامنے ایسے دبکے بیٹھے تھے۔جیسے سمندر کی جھاگ۔۔۔۔۔۔اور پانی کا بلبلا۔۔۔۔۔۔اور کوفہ کی جس جامع مسجد میں کل اہل بیت پر پروانوں کی طرح حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر یزید کے خلاف مرمٹنے کا عہد باندھ رہے تھے آج اسی

مسجد میں ابن زیاد کی تقریر سن کر کانپنے لگے...... مجمع منتشر ہو گیا...... اور کوفہ والوں نے سینکڑوں خطوط اور ہزاروں قاصد بھیج کر بلائے ہوئے معزز مہمانوں کا ساتھ چھوڑ دیا۔

حضرت ہانی جلسہ سے اٹھے۔ راستہ میں سوچتے آتے تھے کہ کیا کروں اگر حضرت مسلم کو ابن زیاد کے حوالے نہ کروں تو جان جاتی ہے اور اگر حوالے کر دوں تو ایمان جاتا ہے اور ساتھ ہی چمنستان نبوت کی شاخ کا ایک پھول میرے ہی ہاتھوں ٹوٹ جائے گا۔ اور قیامت تک آنے والی نسلیں مجھ پر پھٹکار بھیجتی رہیں گی...... آخر انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ اپنی جان جاتی ہے تو جائے مگر ایمان نہ جائے...... دنیا نہیں رہتی تو نہ سہی دین رہ جائے اور میں کسی صورت بھی حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کو ابن زیاد کے حوالے نہ کروں گا۔

ادھر صبح سے لے کر شام تک ابن زیاد نے انتظار کیا۔ اس ظالم کا خیال تھا کہ ہانی ڈر کے مارے مسلم رضی اللہ عنہ کو فوراً میرے حوالے کر دے گا۔ مگر شاید وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ ایک مسلمان جب حق کا ساتھ دینے کا دل سے فیصلہ کر لیتا ہے تو پھر وہ آگ کے دریا بھی پھاند جاتا ہے۔ اور پہاڑوں سے بھی ٹکرا جاتا ہے۔ اور وہ دنیا کی ہر مصیبت کو ہنس ہنس کر قبول کر لیتا ہے مگر باطل کے آگے سر نہیں جھکاتا۔

رات ہوئی تو ابن زیاد نے اپنے جاسوس معقل کو کچھ رقم دے کر اور قاصد کا لباس پہنا کر حضرت ہانی کے گھر حضرت مسلم کا پتہ لگانے کے لئے بھیجا۔ وہ سیدھا حضرت ہانی کے گھر آیا۔ اور حضرت ہانی بھی اس فرضی قاصد کے دھوکے میں آ گئے۔ اور اس کو حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے۔ واپس آ کر معقل نے ابن زیاد کو ساری بات بتا دی۔ کہ مسلم بن عقیل ہانی کے گھر ہیں ساری رات اس بدنہاد نے بڑی بے چینی میں گزاری اور پھر علی الصبح ابھی مؤذن نے صدائے توحید و رسالت بلند ہی کی تھی کہ اس ظالم نے فوج کے ایک دستے کو حضرت ہانی کی گرفتاری کا حکم دیا۔ کہ ہانی کو پابجولاں میرے سامنے پیش کیا جائے۔

نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ ابن زیاد کا یہ فوجی دستہ سیدھا مسجد پہنچا ادھر حضرت ہانی نے سلام پھیرا ادھر ظالموں نے ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں۔ اور ابن زیاد کے پاس لے گئے۔ حضرت ہانی کو دیکھ کر اس ظالم کی آتش غضب بھڑک اٹھی۔ اور کڑک کر بولا!

اوئمک حرام، تو نے میرا کل کا اعلان نہیں سنا تھا۔ کہ جس نے مسلم کو پناہ دی اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ حضرت ہانی نے فرمایا ہاں سنا تھا۔

ابن زیاد...... تو پھر تو نے خلیفہ یزید کے باغی کو ہمارے حوالے کیوں نہ کیا۔

حضرت ہانی...... اس لئے کہ میں یزید کو خلیفہ ہی تسلیم نہیں کرتا۔

ابن زیاد...... تو پھر تمہارا خلیفہ کون ہے؟

حضرت ہانی...... حسین رضی اللہ عنہ ابن علی رضی اللہ عنہ

ابن زیاد...... یہ کیوں؟

حضرت ہانی...... اس لئے کہ حسین رضی اللہ عنہ نہ صرف یہ کہ حق کا نمونہ ہے بلکہ عین حق ہے! اور یزید...... نہ صرف یہ کہ باطل پرست ہے بلکہ عین باطل ہے

ابن زیاد...... خبردار! میں امیر المومنین یزید کے متعلق ایسی گستاخی نہیں سن سکتا۔

حضرت ہانی...... یہ زبان کاٹی تو جا سکتی ہے لیکن حق گوئی کے لئے روکی نہیں جا سکتی۔

ابن زیاد...... تمہاری گردن اڑا دی جائے گی۔

حضرت ہانی...... میری اس گردن کو جدا تو کیا جا سکتا ہے لیکن باطل کے آگے جھکائی نہیں جا سکتی۔

ابن زیاد...... اب بھی اگر مسلم رضی اللہ عنہ کو میرے حوالے کر دو تو تمہیں معاف کیا جا سکتا ہے۔

حضرت ہانی...... میں مسلم کو ایک خونخوار بھیڑیے کے حوالے کر کے آخری وقت اپنا نامہ اعمال سیاہ نہیں کر سکتا۔ اور تم جیسے دنیا کے کتے کے آگے مسلم رضی اللہ عنہ کو پیش کر کے قیامت کے دن دربار نبوت میں رسوا ہونا نہیں چاہتا۔

ابن زیاد...... تو پھر مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

حضرت ہانی...... یہ موت نہیں۔ زندگی ہے۔ فنا نہیں بقا ہے اور تو بھی یاد رکھ کہ قیامت کے دن جب تجھ سے حساب لیا جائے گا تو خون حسین رضی اللہ عنہ کا تیرے پاس کوئی جواب نہ ہوگا اور اب بھی وقت ہے کہ اپنی آنکھوں سے غفلت کے پردے اٹھا اور دیکھ...... اپنے دل سے دنیا کی طمع و لالچ کے غبار کو اتار اور سوچ...... اپنے سینے سے بغض و عناد کی مٹی کو جھاڑ اور غور

کر کہ تو کس کے خون کا پیاسا ہے......اور اس کا جرم کیا ہے......اٹھ اور حق کا دامن تھام لے......چل اور مسلم رضی اللہ عنہ کے دامن سے لپٹ جا

ابن زیاد......میں نے تجھے یہاں وعظ کے لئے نہیں بلایا۔

حضرت ہانی......تو میں بھی باطل کے آگے جھکنے کو نہیں آیا۔

یہ سن کر حضرت ہانی نے بیباکانہ فرمایا۔

ارے اے ظالم انساں تجھے یہ کس نے بہکایا
کہ ہانی جان کے بدلے تجھے ایمان دے دے گا
تیری شمشیر سے ڈر کر وہ اپنی آن دے دے گا
نہیں ہرگز میں ہاشمی مہمان نہیں دوں گا
میں اپنی جان دے دوں گا مگر ایمان نہیں دونگا

ابن زیاد حضرت ہانی کی اس حق گوئی سے بھڑک اٹھا۔اور اپنا عصا حضرت ہانی کے سر پر مارا......اس فقیر اہل بیت کا سر پھٹ گیا۔خون کے فوارے بہہ نکلے اور پھر جلاد نے اس ظالم کے اشارے سے تلوار کے ایک وار سے تن سے سر جدا کر دیا۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ

حضرت ہانی کی شہادت کی خبر سارے کوفہ میں ہوا کی طرح پھیل گئی کوفہ والے ابن زیاد کے جبر و تشدد سے پہلے ہی خوف زدہ تھے۔اب یہ خبر سنی تو اور بھی گھبرا گئے۔

حضرت ہانی کی شہادت کے بعد حضرت مسلم رضی اللہ عنہ قیام گاہ سے اٹھے میان سے تلوار نکالی اور بپھرے ہوئے شیر کی طرح کوفہ کے بازار میں آ گئے۔آپ کی اس جرأت اور دلیری کو دیکھ کر ہانی قبیلے کے چند لوگ بھی آپ کے ساتھ ہو گئے ابن زیاد کو جب اطلاع ملی تو اس مختصر سے دستے پر تیروں کی بارش شروع کر دی اور اس خوفناک منظر کو دیکھ کر وہ لوگ جو حضرت مسلمؓ کی حمایت میں تلواریں لے کر نکلے تھے تمام کے تمام بھاگ گئے۔اور حضرت مسلم پھر تنہا رہ گئے۔اور اب کوفہ کے بازار تھے اور حضرت مسلم رضی اللہ عنہ اور آپ کے دو معصوم بچے......تنہائی و بے کسی تھی......غربت و مسافرت تھی۔مظلومی و بے چارگی تھی عجیب

دردناک حالت تھی۔جس دروازے پر جاتے کوئی جواب نہ دیتا۔نادان بچے ساتھ ہیں۔اور خیر خواہ کوئی نہیں۔کوفہ کا شہر ہے۔مگر پناہ گاہ کوئی نہیں ہر مکان کے دروازے بند ہو چکے تھے۔اور کوفہ کی زمین کا ذرہ ذرہ آپ کے خون کا پیاسا تھا۔

قدم بڑھتے رہے خاموش دیواروں کے سائے میں
مسافر جارہا تھا آج تلواروں کے سائے میں
کوئی منزل نہ تھی پھر بھی قدم رکنے نہ پاتے تھے
کبھی اس در پہ آتے تھے کبھی اس در پہ جاتے تھے

دونوں بچوں کو سینے سے چمٹائے ایک فقیر بے نوا کی طرح چھپنے کی جگہ تلاش کر رہے تھے کہ اچانک ایک دروازہ کھلا۔اور ایک بوڑھا سا انسان جس کا نام قاضی شریح تھا باہر نکلا۔اندھیری رات میں قاضی شریح کو چند سائے نظر آئے۔قاضی شریح نے پوچھا تم کون ہو؟اور اس وقت بازاروں میں کیوں گھوم رہے ہو؟حضرت مسلم نے فرمایا......بابا......ہم مسافر ہیں۔ہمارا وطن بہت دور ہے۔اور یہاں ہمارا کوئی ہمدرد نہیں ہے اور کوئی ہماری پناہ گاہ نہیں ہے۔اگر تم میرے دونوں معصوم بچوں کو آج کی رات اپنے پاس رکھو اور میں کہیں اجاڑ میں رات بسر کرلوں گا۔پوہ پھٹتے ہی ہم یہاں سے کسی اور جگہ چلے جائیں گے۔آج کی رات ہمیں آپ پناہ دو اور قیامت کو ہم آپ کو پناہ دیں گے۔

حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کی اس دردناک گفتگو سے قاضی شریح کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور دروازہ کھول کر عرض کی آپ اندر تشریف لے آئیں۔مدینہ کے یہ تینوں مسافر قاضی شریح کے مکان میں داخل ہو گئے۔اندر چراغ جل رہا تھا۔قاضی شریح نے دیکھا تو پہچان گئے اور حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے قدموں میں گر گئے۔بچوں کو گلے لگالیا۔اور ساری رات ان مہمانوں کا پہرہ دیتے رہے۔حضرت مسلمؓ نے فجر کی نماز ادا کی اور سوچنے لگے کہ ایسی کون سی تدبیر ہو کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ والوں کی بے وفائی۔عہد شکنی اور دشمنی اور ابن زیاد کے ظلم و ستم کی اطلاع مل جائے۔مگر اب کیا کر سکتے تھے!خط لکھ چکے تھے اور تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

سورج نکلتے ہی کوفہ کے کوچہ و بازار میں منادی ہونے لگی کہ مسلم رضی اللہ عنہ جس گھر سے بھی پکڑے گئے اس کے بال بچوں کو بھی ذبح کر دیا جائے گا۔ حضرت مسلم رضی اللہ عنہ نے یہ دل خراش آواز سنی تو اس خیال سے کہ میری وجہ سے یہ بوڑھا مبتلائے مصیبت کیوں ہو۔ جوش میں آ گئے۔ تلوار میان سے نکالی اور قاضی شریح کو فرمایا! بابا آپ کی مہمان نوازی اور محبت اہل بیت کا شکریہ۔ میں اس کا بدلہ قیامت کے دن ادا کروں گا۔ اور دیکھو میرے یہ دو معصوم بچے آپ کے پاس امانت ہیں۔ اگر کوئی وقت ملے تو ان کو مدینہ کے راستے پر ڈال دینا۔ ٹھوکریں کھاتے اور گرتے پڑتے پہنچ جائیں گے۔ اتنا کہہ کر حضرت مسلم نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور شمشیر حیدری کو ہوا میں لہراتے ہوئے میدان میں آ گئے اور للکارا کہ اے کوفہ کے بے وفا لوگو! تم نے میرے ہاتھ پر بیعت کی مجھے اپنا مذہبی پیشوا تسلیم کیا ..... اور میں خود نہیں آیا۔ تمہارے بلانے پر آیا ہوں تم نے میرے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ اور اب اپنے بلائے ہوئے مہمان اور اپنے پیر اور مذہبی پیشوا اور امام کے خون کے پیاسے ہو گئے ہو۔ جواب دو...... کہ قیامت کے دن تم کیا جواب دو گے اور میرے نانے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھاؤ گے جس نے فرمایا ہے کہ میری اہل بیت کا دشمن۔ میرا دشمن ہے۔ اور میری آل سے لڑنے والا مجھ سے لڑنے والا ہے اور میری عترت حق و ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ مگر تم آج اسی اہل بیت کے چمن سے ایک پھول کو توڑنے کے درپے ہو اسی آل محمد کے حجرے کی ایک دیوار کو گرانا چاہتے ہو اور اسی عترت رسول کے باغ کی ایک شاخ کو کاٹ رہے ہو۔ باطل کو مغلوب کرنے کے لئے اب بھی اگر حق کا ساتھ دو تو خداوند تعالیٰ کی رحمت و بخشش کے دروازے تمہارے لئے کھلے ہیں۔ ورنہ آئندہ آنے والی نسلیں تمہاری بے وفائی عہد شکنی۔ وعدہ خلافی اور بزدلی پر قیامت تک لعنت برساتی رہیں گی۔

ہاشمی جوان کی اس ایمان افروز تقریر نے کوفہ میں ایک آگ لگا دی اور کوفہ والوں کے دل ہلا دیئے اور ایک بار پھر ہزاروں تلواریں یزید کی غیر اسلامی حکومت کے خلاف اور خاندان نبوت کی عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے اور حق و صداقت کی رکھوالی کے لئے میانوں سے نکل آئیں۔

ابن زیاد نے شہر کے بڑے بڑے اور سر کردہ لوگوں میں لالچ کا ایک جال بچھا دیا تھا۔اور وہ تمام امراء ورؤسا کو اپنے ہاتھ میں لے چکا تھا۔انہوں نے اپنے اپنے اثر ورسوخ سے اپنے قبیلے کے لوگوں کو حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دینے پر آمادہ کرلیا۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ پھر ساتھ چھوڑ گئے۔اور حضرت مسلم رضی اللہ عنہ پھر تنہا رہ گئے اور پھر ہر طرف سے مایوس و ناامید ہو کر بھوکے پیاسے تھکے ٹوٹے ایک طرف کو چل دیئے۔کوفہ کے بازاروں اور گلیوں سے گذرتے ہوئے دیکھا تو ایک طرف ایک بوڑھی عورت جس کا نام طوعہ تھا۔خوف وہراس سے سہی ہوئی مکان کے دروازے پر کھڑی تھی۔حضرت مسلم رضی اللہ عنہ نے فرمایا مائی پیاسا ہوں۔دو گھونٹ پانی پلا دے قیامت کے روز حوض کوثر کا جام پلاؤں گا۔تیری شفاعت کروں گا اور جنت میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔طوعہ نے پوچھا آپ کون ہیں۔فرمایا...... میں نواسہ رسول ہوں۔امام حسین رضی اللہ عنہ کا بھائی ہوں......کوفہ والوں کا بلایا ہوا مہمان ہوں۔مدینہ کا مسافر ہوں اور میرا نام مسلم رضی اللہ عنہ ہے۔مسلم کا نام سنا تو طوعہ قربان ہوگئی۔خاک پا کو چوما سجدۂ شکر ادا کیا۔کہ کہاں میرا غریب خانہ اور کہاں خاندان نبوت کا شہزادہ......گھر لے گئی اور خدمت میں لگ گئی۔

آدھی رات ہوئی تو طوعہ کا لڑکا ابن زیاد کے دربار سے گھر آیا بوڑھی ماں نے بیٹے کو خوشی سے بتایا کہ بیٹا سوئی ہوئی قسمت جاگ اٹھی......اور ہمارے مقدر کا ستارہ چمک اٹھا۔کہ حضرت مسلم رضی اللہ عنہ ہمارے گھر رونق افروز ہیں ساری رات اپنے مہمان پر ماں اور بیٹا دونوں خوش تھے۔مگر دونوں کی خوشیاں مختلف تھیں۔ماں اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتی تھی۔اور بیٹا حضرت مسلم کو گرفتار کرا کے ابن زیاد سے انعام پانے کا خواہشمند چنانچہ اس جنتی ماں کے جہنمی بیٹے نے ایسا ہی کیا پچھلی رات گھر سے نکلا اور ابن زیاد کو حضرت مسلم کا پتہ دے آیا۔

صبح کی نماز کے بعد ابھی حضرت مسلم ذکر واذکار میں محو تھے۔کہ باہر سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔یہ محمد بن اشعث کوتوال شہر کے گھوڑوں کی آواز تھی آپ نے فرمایا۔مائی یہ آوازیں کیسی ہیں۔طوعہ نے حسرت بھری نگاہوں سے حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کو

دیکھا اور عرض کی۔ آقا معلوم ہوتا ہے کہ میرے مکان کا محاصرہ کرلیا گیا ہے

حضرت طوعہ نے بارگاہ رب العزت میں التجا کی

بتایا رب بتا مہمان کو لے کر کدھر جاؤں

تیرے در کے سوا یا رب بتا اب کس کے در جاؤں

حفاظت ہو سکی نہ مجھ سے تیری اس امانت کی

میرے لختِ جگر نے اس امانت میں خیانت کی

میرے مولا زمانے میں وفا کی آبرو رکھ لے

جسے میں رکھ نہیں سکتی اسے دنیا میں تو رکھ لے

ہاشمی کچھار کا یہ شیر ایک بار پھر تکبیر کے نعرے بلند کرتا ہوا طوعہ کے مکان سے باہر آ گیا۔ ہاتھ میں خدائی تلوار تھی اور سر پر مصطفائی دستار ہاشمی جوان کی شمشیر حیدری کوفہ کے بدفطرت انسانوں کے سر پر چمکی۔ اور آن کی آن میں ڈیڑھ سو دشمنوں کا خون پی گئی..... کوفہ کے عہد شکن اور اہل بیت کے دشمن اس ہاشمی شیر کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے

یہ کہہ کر دفعتاً شمشیر کھینچی بدنہادوں پر

گری چشم زدن میں برق بنکر نامرادوں پر!

اٹھی جس پر اٹھی ایسی کہ یکدم ڈھیر کر ڈالا

پڑی جس پر پڑی ایسی کہ فوراً ڈھیر کر ڈالا

یہ وہ حملہ تھا جس کو آج تک شیطان نہیں بھولا

یہ وہ جرأت تھی جس کو آج تک ایمان نہیں بھولا

محمد بن اشعث نے زیاد کو لکھا کہ مسلم کا مقابلہ کرنا آسان نہیں۔

ابن زیاد نے پانچ سو سوار اور بھیج دیے۔ مگر یہ اللہ کا شیر ذرہ بھی نہ گھبرایا۔ اور تازہ دم ہو کر پھر حملہ آور ہوا۔ اور کوفہ کے بے وفا انسانوں کے لئے فرشتۂ اجل بن کر چار سو کو پھر واصل جہنم کر گیا۔ محمد بن اشعث نے جب یہ صورت دیکھی تو اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ

سب مل کر حملہ کرو۔اور پھر حضرت مسلم رضی اللہ عنہ پر تیروں اور پتھروں کی بارش ہونے لگی۔تلواروں کی جھنکار اور نیزوں کی سرسراہٹ سے کوفہ کی فضا میں ایک شور برپا ہوگیا۔ہاشمی شہزادے کی تیغ بتاں کی چمک نگاہوں کو خیرہ کررہی تھی اور قہر خداوندی بن کر سروں کو کاٹ رہی تھی صبح سے دوپہر ہوگئی حضرت مسلم لڑتے لڑتے تھک چکے تھے۔پیاس کی شدت نے نڈھال کردیا تھا جسم اقدس زخموں سے چور چور ہو چکا تھا۔بے ہوش ہوکر گر پڑے۔محمد بن اشعت نے آگے بڑھ کر گرفتار کرلیا۔اور اس زخمی شیر کی مشکیں کس کر ابن زیاد کے پاس لے چلا راہ میں دیکھا کہ ایک عورت پانی کی صراحی اٹھائے جارہی ہے۔آپ نے فرمایا کہ خدا کے لئے دو گھونٹ پانی پلادو۔محمد بن اشعت نے یہ درخواست قبول کرلی۔اور پانی کا پیالہ پیش کردیا۔

حضرت مسلم رضی اللہ عنہ پینے لگے تو ایک ظالم نے تلوار ماری جس سے اوپر کا ہونٹ کٹ گیا۔اور پانی کا پیالہ خون سے بھر گیا۔اور پھر ابن زیاد کا دربار تھا اور ہاشمی خاندان کا زخمی شہزادہ۔ابن زیاد نے حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو غصے سے بھڑک کے اٹھا اور کڑک کر بولا۔مسلم رضی اللہ عنہ اب بھی یزید کو خلیفہ مانتے ہو کہ نہیں؟

حضرت مسلم رضی اللہ عنہ۔نہیں

ابن زیاد......کیوں؟

حضرت مسلم رضی اللہ عنہ......اس لئے کہ وہ فاسق اور فاجر ہے......زانی اور شرابی ہے۔دنیا کا کتا ہے۔اور دین کا دشمن ہے۔

ابن زیاد......زبان بند کرو۔

حضرت مسلم رضی اللہ عنہ......اس کو منہ سے نکالا تو جاسکتا ہے۔لیکن کلمۂ حق کہنے سے روکا نہیں جاسکتا۔

ابن زیاد......تمہاری گردن کاٹ لی جائے گی۔

حضرت مسلم رضی اللہ عنہ......مگر باطل کے آگے جھک نہیں سکتی۔

ہری ہے شاخ تمنا ابھی جلی تو نہیں
عشق کی آگ ہے دل میں ابھی بجھی تو نہیں
جفا کی تیغ سے گردن وفاشعاروں کی
کٹی ہے برسر میدان مگر جھکی تو نہیں

ابن زیاد......اب بھی اپنی زبان سے یزید کی خلافت کا اقرار کرلو تو تمہاری جان بچ سکتی ہے۔

حضرت مسلم رضی اللہ عنہ......قرآن پاک کی تلاوت کرنے والی زبان یزید کی خلافت کا اقرار نہیں کرسکتی۔

اس لئے کہ

امام وقت وہ ہوتا ہے جو منظور قدرت ہو
امام وقت وہ ہوتا ہے جو منصور قدرت ہو
امام وقت ہر ظالم کے سر پہ بار ہوتا ہے
امام وقت ہر مظلوم کی تلوار ہوتا ہے
نہیں ہرگز نہیں ظلمت امامت ہو نہیں سکتی
نبی کے دین کی ضد پر خلافت ہو نہیں سکتی

اور یہ جان میری نہیں۔خدا کی ہے۔اور حق کی حفاظت کے لئے جان دینی شان مسلم رضی اللہ عنہ ہے۔اور میں مسلم رضی اللہ عنہ ہوں......اور دین وشریعت کی رکھوالی کے لئے مرنا......موت نہیں زندگی ہے......اور اسلام کی حدوں کو قائم رکھنے کے لئے فنا ہونا......فنا نہیں بقا ہے اور وہ دیکھ میرا نانا مصطفیٰ اور دادا علی المرتضیٰ حوض کوثر کا پیالہ لئے مجھے بلا رہے ہیں۔اے ابن زیاد! میں جانتا ہوں کہ میرا آخری وقت ہے۔میری چار وصیتوں کو پورا کردینا۔

میری لاش کو برباد نہ کرنا۔میں نے کوفہ والوں سے کچھ قرضہ لیا تھا۔میرا گھوڑا بیچ کر ادا کردینا......حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو لکھ دینا کہ کوفہ نہ آئیں......مجھے میرے معصوم بچوں کا کچھ

پتہ نہیں کہ کہاں ہیں۔ وہ مسافر ہیں، بے وطن ہیں اور یتیم ہیں۔ ان پر ترس کھانا۔ غسل دے کر ان کی زلفیں سنوارنا اور مدینے پہنچا دینا۔

کہ میں مقروض ہوں اگر تو کر سکے تو یہ بھلا کرنا
میری تلوار گھوڑا بیچ کر قرضہ ادا کرنا
میں بے گھر ہوں مجھے پردیس میں چھوٹا سا گھر دینا
کہ میری لاش کو راہ مدینہ دفن کر دینا
میرے بچے معصوم بے ملن کدرے سر پھیر کے ہتھ پیار دیویں
کردیں رحم یتیم مسافراں تے غسل دے کے وال سنوار دیویں

ابھی آپ یہ فرما ہی رہے تھے کہ ابن زیاد نے بکسیر کو حکم دیا کہ مسلم رضی اللہ عنہ کو شاہی محل پر لیجا کر اس کی گردن کاٹ دی جائے۔ ظالم بکسیر حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کو شاہی محل کی چھت پر لے گیا اور ہاشمی جوان کی زلفوں کو پکڑ کر تلوار مارنی چاہی مگر اس ظالم کا ہاتھ ساکت ہو گیا۔

ابن زیاد نے پوچھا مسلم کو قتل کیوں نہیں کرتے؟...... رک کیوں گیا ہے؟
بکسیر نے جواب دیا..... کہ

اٹھائی میں نے جب تلوار کہوں کیسے حیا آئے
تو میرے سامنے یکدم محمد صلی اللہ علیہ وسلم مصطفےٰ آئے

اور وہ فرما رہے ہیں کہ ظالم! میرے نواسے کو قتل کرنے سے پہلے مجھ پر تلوار کا وار کر۔ ادھر حضرت امام مسلم رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ یہ تو مجھے شہید کرنے سے عاجز ہے تو آپ نے بارگاہ رب العزت میں دعا کی۔

اٹھا لے اب مجھے یا رب تو خود دامان رحمت
کہ میرا خاتمہ کر دے محمد کی محبت میں
خدا نے اس دعا پر اپنی خوشنودی عطا کر دی
مجاہد مسکرایا تیغ نے گردن جدا کر دی!

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ

ہاشمی شہزادے کا بے گور و کفن لاشہ کوفہ کے فرش پر پڑا ہے نہ کوئی اٹھانے والا ہے۔ اور نہ کوئی رونے والا ہے۔

ابن زیاد خوش ہو گیا۔ اور یزیدی کتے مسکرا دیئے۔ مگر فرشتے چیخ اٹھے...... حوریں چلا پڑیں۔ اور خود روح فطرت تڑپ گئی۔

حضرت مسلم رضی اللہ عنہ بن عقیل رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ابن زیاد ایک سنہری تخت پر بڑے تکبر و غرور کے نشے میں جھوم رہا تھا۔ اور کوفہ کے بے وفا رئیس...... دغا باز چوہدری۔ عہد شکن امیر اور لالچی کتے اردگرد بیٹھے چراغ حق و ہدایت بجھانے پر اور اپنے مذہبی پیشوا۔ دین کے امام۔ اور طریقت کے پیر کو شہید کرنے پر انعام وصول کر رہے تھے۔ اور افسران فوج اپنی اپنی بہادری و شجاعت کی داد لے رہے تھے۔ اور ابن زیاد بڑے فخر و غرور کے ساتھ یہ کہہ رہا تھا کہ اے کوفہ والو میں نے جو کہا تھا وہ کر دکھایا۔ اور آئندہ بھی یاد رکھو کہ جس نے حسین رضی اللہ عنہ ابن علی رضی اللہ عنہ کا نام لیا اس کا بھی یہی حشر ہوگا۔ جو یزید کی خلافت کے اس باغی مسلم رضی اللہ عنہ کا ہوا۔ وہ کچھ اور کہتا۔ مگر ایک بوڑھی عورت سر پر سیاہ چادر اوڑھے لکڑی کے سہارے ابن زیاد کے سامنے کھڑی ہو گئی اور غضب ناک آواز میں بولی اے بدنہاد زبان بند کر۔ ہم نے جس شیطان کی خبر قرآن میں پڑھی تھی وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کا انکار کیا اور تو حضرت حسین کی خلافت کا منکر ہے۔ اس نے بھی خلیفۂ برحق کی بے ادبی کی۔ تو بھی خلیفۂ برحق کا دشمن ہے۔ وہ قیامت تک لئے ملعون ہوا۔ تجھ پر بھی حشر تک پھٹکار پڑتی رہے گی۔ نور ہدایت کے ایک چراغ کو بجھا کر تو نے اسلام کو اندھیرے میں ڈال دیا ہے۔ گلشن اہل بیت کے ایک پھول کو توڑ کر تو نے اس کے باغبان کی روح کو تڑپا دیا ہے۔ اور آبروئے عترت پیغمبر کو پامال کر کے تو نے انسانیت کے چہرے پر دھبہ لگایا ہے۔ اے دنیا کے کتے...... یاد رکھ۔ حشر کے دن تیرا بھی وہی حشر ہوگا جو فرعون اور نمرود کا ہوگا۔ اور یہ لے ایک چھوٹی سی حمائل ہے جو ہر وقت اس مظلوم کے گلے میں رہتی تھی...... یہ اس کی امانت سنبھال اور یہ لے اس ہاشمی جوان کی چادر جو تیرے دربار کے کتوں نے سر بازار پھاڑ دی ہے۔

پردہ دار عورت کی یہ بے باک گفتگو سن کر ابن زیاد غصے سے لال پیلا ہو گیا۔ اور گرج کر بولا...... او گستاخ عورت تو کون ہے......؟ بڑھیا خاموش رہی۔

ابن زیاد نے ایک فوجی افسر کو حکم دیا کہ اس کے چہرے سے نقاب کھینچ لی جائے بوڑھی عورت...... کڑک کر بولی...... خبردار! ٹوٹ جائیں گے وہ ہاتھ جو میرے نقاب کی طرف بڑھے۔ اور میری جن آنکھوں نے حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کی پاک صورت دیکھی ہے وہ آنکھیں اب تجھ جیسے مردود کی منحوس شکل نہیں دیکھ سکتیں۔ اور میں وہی بدنصیب طوعہ ہوں جس کے گھر سے حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کو نکال کر شہید کیا گیا۔ خدا جانے اس کی سزا قیامت کو مجھے کیا ملے۔ خدا کے لئے مجھے مسلم رضی اللہ عنہ کی لاش دکھا دے تاکہ میں ان کے قدموں سے لپٹ کر خون آلود خاک کو چوم کر اپنے اس جرم کی معافی مانگ لوں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں ان کو اپنے گھر ایک مہمان کی حیثیت سے کیوں لے گئی اور پھر اپنے اس دغاباز...... بیدین۔ اور بے ایمان بیٹے کی غداری سے اس مظلوم کی شہادت کا سبب بنی...... اے مردود...... تو اپنے قہر و غضب کے خوف سے ہو سکتا ہے کہ خدا کے بندوں کی زبانیں بند کر دے مگر تو دلوں سے محبت اہل بیت مٹا نہیں سکتا۔

طوعہ کی حق گوئی سے ابن زیاد کی آتش غضب بھڑک اٹھی۔ اور اس نے جلاد کو اشارہ کیا کہ اس گستاخ عورت کا فوراً خاتمہ کر دو۔ جلاد اٹھا...... تلوار چمکی...... گری...... اور پھر ایک لمحہ کے اندر طوعہ کی لاش زمین پر تڑپنے لگی۔

دو یتیم

حضرت مسلم رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ابن زیاد نے سارے شہر میں منادی کرادی۔ کہ جو مسلم رضی اللہ عنہ کے بچوں کو پکڑ کر میرے حوالے کرے گا انعام پائے گا۔ اور جو ان کو پناہ دے گا قتل کر دیا جائے گا۔ اس اعلان نے سارے کوفہ میں خوف و ہراس پیدا کر دیا۔ اور ساتھ ہی کوفہ کے لالچی کتے حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے دو یتیم بچوں کی تلاش میں گلی گلی اور کوچے کوچے پھرنے لگے۔

قاضی شریح جو عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اور محب اہل بیت بھی یہ سن کر حضرت مسلم رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں رونے لگے۔ بچوں کو گلے لگایا۔ گود میں اٹھایا پیار کیا۔ اور سر منہ چوما۔ چھ اور آٹھ سال کے دونوں بچے سہم گئے اور شریح سے پوچھا بابا جی۔۔۔ آج آپ روتے کیوں ہیں۔ ہمارے ابا جان کی تو خیر ہے۔ قاضی جی کیا ہم یتیم تو نہیں ہو گئے۔ قاضی شریح نے بچوں کو پھر گود میں لے کر رونا شروع کر دیا۔ اور فرمایا۔ اے مسلم رضی اللہ عنہ کے بچو! میں کس زبان سے کہوں کہ تمہارے باپ کو ظالموں نے شہید کر دیا ہے اور تم یتیم ہو گئے ہو۔ لاوارث ہو گئے ہو۔ تمہارے باپ ہمیشہ کے لئے تم سے جدا ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر دونوں بھائی بغلگیر ہو کر رونے لگے۔ وطن سے دور ہیں۔ پردیس میں مجبور ہیں۔ کوئی غمخوار نہیں ہے۔ کسی پر اعتبار نہیں ہے۔ باپ کی جدائی ہے۔ اور دشمن ساری خدائی ہے۔ ہائے ابا ہائے ابا کہتے کہتے بیہوش ہو گئے۔ قاضی شریح نے کملائے ہوئے چہروں پر ٹھنڈا پانی چھڑکا۔ بچے ہوش میں آ گئے۔ اور پھر رونے لگے۔ قاضی جی ہمیں ابا جان کے پاس لے چلو۔ ہمیں ان کی لاش دکھا دو۔ ہائے ابا جی ہمیں اکیلے پردیس میں چھوڑ کر آپ کہاں چلے گئے ہم کہاں جائیں گے۔ کس کو پکاریں گے۔ قاضی شریح نے دستہ بستہ عرض کی۔ بچو اب رونے کا وقت نہیں ہے۔ ابن زیاد نے تمہاری تلاش میں بھی آدمی

مقرر کر دیئے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی تمہاری آواز سن لے۔ اور تم پر کوئی مصیبت آ جائے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آج رات کوفہ سے ایک قافلہ مدینہ منورہ کو جا رہا ہے میرا ارادہ ہے کہ تمہیں کسی نیک سیرت آدمی کے حوالے کر دوں تا کہ وہ تمہیں پوری حفاظت سے مدینہ پہنچا دے۔ بچے یہ سن کر سہم گئے۔ حسرت بھری نگاہوں سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے...... شام ہوئی...... اور پھر اندھیرا چھا گیا۔ قاضی شریح نے اپنے بیٹے اسد کو فرمایا کہ بیٹا مسلم رضی اللہ عنہ کے ان دونوں یتیموں کو لے جاؤ اور آج رات کو مدینہ منورہ جانے والے قافلے کے ساتھ کسی نیک آدمی کے حوالے کر آؤ...... قاضی صاحب نے پچاس پچاس درہم بچوں کی کمر پر باندھے۔ اور تھوڑا سا کھانا ساتھ دیا اور دونوں کا سر منہ چوم کر گھر سے رخصت کر دیا۔ دونوں معصوم اور یتیم بچے آہیں بھرتے اپنے باپ کی لاش سے بھی بے خبر خاموشی سے اسد کے ساتھ جا رہے تھے۔ دروازے پر پہنچے تو کسی نے بتایا کہ تھوڑی دیر ہوئی قافلہ جا چکا ہے۔

اسد نے کہا...... بچو! قافلہ تو جا چکا ہے۔ ابھی تھوڑی دور ہی گیا ہے وہ دیکھو گرد قافلہ نظر آ رہی ہے...... دوڑو اور قافلہ سے جا ملو......

دوڑو دوڑو نہ ویکھناں پرت پچھوں
او سامنے قافلہ جاوندا اے
جنڈری مار کے دوڑ دے جان دوویں
اک ڈگے تے دوجا اٹھاوندا اے
کالی رات وچوں موت نظر آوے
پر راہ وطن دا نظر نہ آوندا اے
تھک کے بیٹھ جاندے ڈر کے دوڑ پیندے
پیریں بچے چھالے جی گھبراوندا اے
چھوٹے آکھیا اے بھائی جان میرے
ہن میتھوں نہ دوڑیا جاوندا اے

وڈے چک لیا اپنے موہنڈیاں تے
چھوٹے بھائی دا بھار ونڈاوندا اے

شہزادے تھے دوڑتے کیا...... معصوم تھے، بھاگتے کیا۔ اور یتیم تھے چلتے کیا چھوٹا گرتا تو بڑا اٹھاتا...... بڑا گرتا تو چھوٹا سنبھالتا۔ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے بھاگتے جارہے تھے تھوڑی دور گئے۔ تھک گئے...... پاؤں میں چھالے پڑ گئے گرد قافلہ غائب ہوگئی...... حیران تھے کہ کیا کریں۔ کہاں جائیں اور کسے آواز دیں۔ کوئی رحم کرنے والا نہیں ہے...... کوئی ترس کھانے والا نہیں ہے...... اور کوئی پناہ دینے والا نہیں ہے...... رات اندھیری اور خوفناک جنگل...... مدینے کے مسافر اور بے یارومددگار...... نبی کے نواسے...... اور بے سہارا

کتھے شہر مدینے دیاں پاک گلیاں
تے اج کوفہ دا اے بیابان کتھے

کتھے ماں دی گوودیاں نعمتاں سن
تے بے وفا ظالم انسان کتھے

کتھے رات کالی تے اجاڑ پینڈا
تے ایہہ دو یتیم ناوان کتھے

کتھے نال جبرئیل دے کھیڈنا سی
اج بے وفا ظالم انسان کتھے

رات ختم ہوگئی۔

راستہ بھول گئے...... صبح کا ستارہ تھرتھراتا ہوا نمودار ہوا۔ دن گذارنے کے لئے کوئی ٹھکانہ سوچ ہی رہے تھے کہ ظلم کے دو پنجے دونوں کے کاندھوں پر گڑ گئے...... اور ساتھ ہی غضب ناک آواز آئی۔ کہ ساری رات تمہاری تلاش میں پھر رہا ہوں اور تم یہاں ہو۔ چلو میرے ساتھ...... میں ابن زیاد کا سپاہی ہوں ابن زیاد کا نام سن کر بچے کانپ گئے، یتیم تھے، سہم گئے...... لاوارث تھے گردنیں جھکادیں...... دونوں نے خدا کا واسطہ دیا۔ جنت میں لے جانے کا وعدہ کیا۔ جام کوثر پلانے کا وعدہ کیا...... ہاتھ جوڑے۔ منتیں کیں کہ ہمیں چھوڑ

دے......مگر اس ظالم سپاہی کے دل میں رحم پیدا نہ ہو سکا......صبح ہوتے ہی دونوں شہزادے ابن زیاد کے سامنے تصویر حیرت و غم بن کر کھڑے تھے۔ کہ دیکھیں ہمارے لئے موت کا کون سا وقت مقرر ہوتا ہے......اور ہمارے سروں پر ظلم کی تلوار کب چمکتی ہے۔

ابن زیاد نے حکم دیا کہ دونوں کو جیل میں بند کر دو۔ اور داروغہ جیل سے کہو کہ جب تک یزید کی طرف سے ان کے متعلق کوئی دوسرا حکم نہ آئے ان کی نگرانی رکھے......اور پھر دوپہر سے پہلے ہی حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے دونوں لخت جگر کوفہ کی جیل کی اندھیری کوٹھڑی میں بند ہو گئے۔

جیل کا داروغہ جس کا نام مشکور تھا۔ کملی والے کا غلام اور محب اہل بیت تھا۔ بچوں کو پیار کیا۔ کھانا کھلایا۔ قدم چومے اور عرض کی۔ اے مسلم رضی اللہ عنہ کے بیٹو گھبراؤ نہیں۔ میں تمہارا خادم ہوں۔ اور میرا نام مشکور ہے۔ اور میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ کہ تم میرے مہمان ہوئے...... سارا دن خدمت کی رات ہوئی تو مشکور نے دونوں کو گود میں اٹھایا۔ جیل کا دروازہ کھولا۔ اور رات کے اندھیرے میں کوفہ سے باہر لے گیا۔ اپنی انگوٹھی دی اور کہا کہ یہ سیدھا راستہ قادسیہ کو جاتا ہے۔ وہاں چلے جاؤ۔ وہاں میرا بھائی شہر کا کوتوال ہے۔ اس کو جا ملنا۔ وہ تمہیں عزت اور حفاظت سے مدینہ پہنچا دے گا۔

بچے رخصت ہو گئے اور سمجھے کہ ہر بلا سے محفوظ ہو گئے۔ مگر کیا جانتے تھے تقدیر کے آگے تدبیر نہیں چلتی۔ اور نوشتۂ قدرت کو کوئی مٹا نہیں سکتا۔ رات سیاہ تھی اور راستہ پر خطر۔ پردیسی تھے۔ اور راستہ سے ناواقف۔ گلو تڑی ڈال کر بھاگے موت کا خوف تھا۔ اور باپ کی جدائی یتیمی کا احساس تھا۔ اور جان کا خطرہ۔ جن کو باپ نے کبھی اپنی آنکھوں سے دور نہیں کیا تھا۔ جن کو ماں نے اپنی پیار بھری گود میں پھولوں کی طرح پالا تھا۔ اور ہر وقت اپنے کلیجے سے لگائے رکھتی تھی خاندان نبوت کے چشم و چراغ......گلشن اہل بیت کے پھول۔ گھر آنے میں دیر ہو جاتی تو باپ تلاش کو نکلتا......ماں کا دل پھٹ جاتا......لیکن آج اپنے ہی نانے کا کلمہ پڑھنے والوں کے ہاتھوں اور اسی کی شفاعت کی امید رکھنے والوں کی تلواروں سے اپنی جانیں بچانے کے خاطر اندھیری رات اور خوفناک جنگل میں بھاگتے پھرتے ہیں......کوئی ترس کھانے والا نہیں ہے اور کوئی پناہ دینے

والا نہیں ہے..... مسافر ہیں اور بے وطن..... معصوم ہیں اور یتیم..... تھک کر بیٹھتے، ڈر کر اٹھتے اور گھبرا کر بھاگتے تھے۔ پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ اور بدن چور چور ہو گئے۔ ساری رات چلتے رہے۔ سمجھے کہ کوفہ کی شہادت گاہ سے دور نکل آئے ہیں مگر جونہی رات کی سیاہی دور ہوئی تو دیکھا کہ جہاں سے چلے تھے وہیں ہیں۔

رات کا اندھیرا آہستہ آہستہ ختم ہوتا جا رہا تھا۔ اور پو پھٹنے والی تھی اور مسلم رضی اللہ عنہ کے یہ دونوں یتیم اپنی جانیں بچانے کی فکر میں چھپنے کی کوئی جگہ تلاش کر رہے تھے۔ آنکھ اٹھا کر دیکھا تو ایک چشمہ کے کنارے کھجور کے ایک درخت کی کھوہ نظر آئی۔ سوچا کہ اس کھوہ میں چھپ جاتے ہیں۔ دن بسر کر لیں گے..... رات کو پھر نکل جائیں گے۔ دونوں مسافر دونوں معصوم..... دونوں یتیم اور دونوں بے وطن۔ اس کھوہ میں ایک دوسرے کی باہوں میں باہیں ڈال کر بیٹھ گئے۔ اپنے پہلوؤں میں پتھر کا نہیں گوشت کا دل رکھنے والو۔ اور پھر دل میں اولاد کا درد رکھنے والے انسانو..... اور اپنے سینے میں بچوں کا پیار رکھنے والے آدمیو..... اور اپنی نظروں میں اپنے فرزندوں کی تصویر رکھنے والے آدم کے بیٹو!

ذرا مسلم رضی اللہ عنہ کے ان فرزندوں کی یتیمی دیکھو..... بے کسوں کو دیکھو۔ اور پھر کھجور کی اس کھوہ کا تصور کرو۔

سورج نکلا..... کرنیں پھوٹیں اور پھر دوپہر ہو گئی۔ ایک کنیز پانی کا مٹکا اٹھائے چشمے پر آئی۔ گھڑا بھرنے جھکی تو

جھکیں نظریں تو اس کو پانی میں دو سائے نظر آئے
اٹھیں نظریں تو پھر مسلم رضی اللہ عنہ کے دو جائے نظر آئے

کنیز دوڑی اور پھر دیکھا تو درخت کی کھوہ میں دو چاند آپس میں لپٹے ہوئے نظر آئے..... شک گزرا..... اور ہاتھ باندھ کر پوچھا۔

کہا تم کون ہو بچھڑے ہی پیار سے پوچھا
یہاں کیوں چھپ کر بیٹھے ہو بہت اعتبار سے پوچھا

بتاؤ کون ہو تم اور ہو کس کے جگر پارے
ہو کس کے دل کی راحت اور کس کی آنکھ کے تارے
بڑے سہمے ہوئے تھے پیار کو دیکھا تو بول اٹھے
ہزاروں میں سے جو ایک غمخوار کو دیکھا تو بول اٹھے
وہ بولے ہم ہیں ٹکڑے حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے سینے کے
یتیم و بے کس وتنہا مسافر ہیں مدینے کے

کنیز سمجھ گئی کہ حضرت مسلم کے فرزند ہیں۔بولی! مسلم رضی اللہ عنہ کے بچو! نیچے اترو میں خاندان اہل بیت کی کنیز ہوں۔عترت رسول کے گھرانے کی لونڈی ہوں آؤ میرے گلے لگ جاؤ۔ دشمن نہیں خادمہ ہوں۔ بے وفا نہیں۔وفادار ہوں اور مخالف نہیں لونڈی ہوں۔جلدی اترو اور کوئی نہ دیکھ لے۔بڑے نے چھوٹے کی طرف دیکھا اور چھوٹے نے بڑے کی طرف...... سوچنے لگے کہ کیا کریں ......دیکھتے تھے کہ کہیں دھوکہ تو نہیں...... مگر کہاں جاتے۔اور کہاں چھپتے۔ نیچے اترے کنیز آگے بڑھی...... سینے سے لگایا...... بڑے کی انگلی پکڑی۔چھوٹے کو گود میں اٹھایا اور گھر لے آئی۔

مالکن نے پوچھا یہ کون ہیں؟ کنیز نے بتایا...... کہ

حضرت مسلم دے ہین یتیم بچے
بن کے گھر ساڈے مہمان آئے
دلبند نے سیدہ فاطمہ دے
نالے دین دے سخی سلطان آئے
ایہ نے پاک مدینے دے رہن والے
ساڈے تے ہوئے بھاگ جگان آئے
روز حشر دے سانوں بچاون والے
اج اپنی جان بچان آئے

مسلم شہید کے یتیم فرزند ہیں۔زہرہ کے دلبند ہیں۔مختار جنت ہیں اور قاسم کوثر! محمد اور

ابراہیم ہیں۔اور بیکس و یتیم ہیں۔گھر کی مالکہ دل سے اہل بیت کی خادمہ تھی۔بچوں کو دیکھا تو خوش ہوئی۔آگے بڑھی گلے لگایا۔خاک پا کو چوما اور کہنے لگی! صدقے جاؤں۔کہاں میرا گھر اور کہاں مسلم رضی اللہ عنہ کے لخت جگر۔کہاں میرا غریب خانہ اور کہاں اہل بیت کا گھرانہ......اور پھر نہلایا کپڑے دھوئے۔بالوں میں کنگھی کی کھانا آگے رکھا۔کھانے لگے تو باپ کی موت یاد آگئی۔رونے لگے ہچکیاں بندھ گئیں آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے! مگر دن رات کے بھوکے تھے۔تھوڑا سا کھالیا۔اور ٹکٹکی باندھ کر مالکہ کا منہ تکنے لگے۔وہ اندازہ کر رہے تھے۔کہ دشمن ہے یا مہربان مخالف ہے یا نگہبان، مالکہ نے دونوں کو ایک کمرے میں بستر بچھا کر سلا دیا۔اور جب تک وہ سوئے رہے پنکھا جھلتی رہی اور کنیز کو ہدایت کر دی کہ کسی کو پتہ نہ چلے۔

ادھر حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے دونوں یتیم بچے تو تھوڑی دیر کے لئے محفوظ ہو گئے اور ادھر ابن زیاد کو کسی نے بتادیا کہ مشکور داروغہ جیل نے دونوں بچوں کو رات کے اندھیرے میں کسی محفوظ جگہ پر پہنچا دیا ہے۔یہ سن کر ابن زیاد نے مشکور کو دربار میں بلایا۔اور غصے سے کانپتا ہوا بولا۔

او نمک حرام...... مسلم رضی اللہ عنہ کے بچے کہاں ہیں؟

مشکور...... مدینے پہنچنے والے ہیں۔

ابن زیاد...... کیا تجھے میرا ڈر نہیں تھا؟

مشکور...... نہیں۔

ابن زیاد...... کیوں؟

مشکور...... اس لئے کہ میں صرف ایک خدا سے ڈرتا ہوں۔

ابن زیاد...... تو نے ایسا کیوں کیا؟

مشکور...... اس لئے کہ یتیم ہیں۔بے کس ہیں......اور یتیموں کی مدد اور بے کسوں سے ہمدردی کرنا خدا اور رسول کو راضی کرتا ہے۔اور اے مردود۔تو حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے اب ان کے یتیم بچوں کی بھی جان لینا چاہتا ہے......شرم کر......اور خدا سے ڈر......اور اس دن سے ڈر جس دن تجھ سے ان مظلوموں کے خون ناحق کا سوال ہوگا......اور دنیا کے

کتے! مجھے بتا کہ ان معصوم بچوں کا جرم کیا ہے۔ان کا قصور کیا ہے......اوران یتیموں کا گناہ کیا ہے؟ کیا یہی کہ یہ حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے فرزند ہیں۔ نبی کے نواسے ہیں۔ گلشن اہل بیت کے پھول ہیں۔اورعترت پیغمبر کے چشم و چراغ......مگراے دنیا کے ذلیل انسان یادرکھ کہ جس یزید کی غیراسلامی حکومت اور شخصی بادشاہت کی حفاظت کے لئے تو یہ خونیں کھیل کھیل رہا ہے۔ایک دن یہی کھیل تیرے لئے بھی خطرناک ہوگا۔اورقیامت تک نسل انسانی تجھ پر اور یزید پر لعنت بھیجتی رہے گی۔اورتمہارا نام ونشان تک مٹ جائے گا۔اور حسین رضی اللہ عنہ کا نام......قیامت تک زندہ رہے گا۔اس کے ماننے والے زندہ رہیں گے۔اس پر رونے والے زندہ رہیں گے اس لئے کہ حسین رضی اللہ عنہ مجسمہ حق وصداقت ہے۔مرکز دین وایمان ہے۔اورمحافظ شریعت واسلام ہے......اورتصویراخلاق مصطفیٰ ہے۔نورنگاہ مرتضیٰ ہے۔اور لخت جگر حضرت زہرا ہے۔اور یزید پیکر کفر وطغیان ہے باطل پرست اور دین کا دشمن ہے۔شریعت مصطفیٰ کا باغی ہے......اورفاسق وفاجر ہے۔شخصی حکمران ہے۔اوردشمن آل محمد ہے......اس لئے اب بھی آنکھوں سے غفلت کے پردے اٹھا......اورجہنم کے بدلے جنت کا سوداکر......باطل کے مقابلے میں حق کی حمایت کراورشخصی حکومت کی بجائے اسلام کی روح جمہوریت کی مدد کر۔

ابن زیاد......ان کوفرار کر کے تجھے کیا ملا؟

مشکور......خدا کی رحمت ملی۔اور نبی کی شفاعت ملی......دامن مصطفیٰ ملا اور سایہ مرتضیٰ ملا۔اورحضرت مسلم رضی اللہ عنہ کوشہید کرکےاوراب ان کے یتیم بچوں کوشہید کر کے تجھے کیا ملے گا۔

ابن زیاد خاموش ہوگیا۔مگر مشکور خود ہی بول اٹھے کہ کہہ دے تاکہ دنیا کی لعنت ملے گی۔اورجگت کی پھٹکار ملے گی......جہنم کی آگ ملے گی۔اورخدا کا غضب ملے گا۔ابن زیاد کی آتش غضب بھڑک اٹھی اور جلاد کو حکم دیا کہ مشکور کو پانچ سو کوڑے مارے جائیں......اور پھر سرقلم کردیا جائے......اور پھر عاشق اہل بیت پر کوڑے برسنے لگے۔جسم لہولہان ہوگیا۔مگراف تک نہ کی۔اورپھرتلوارچمکی اورمشکور کا سر بھی تن سے جدا کر دیا گیا۔

حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے دونوں شہزادے اس گھر کو اپنی پناہ گاہ اورجائے امان سمجھ کر دنیا

سے بے خبر ..... اپنی موت سے بے پرواہ اور فکر وغم سے دور ایک دوسرے سے لپٹ کر ایک اندھیری کوٹھڑی میں سورہے تھے کہ اس کا مالک حارث داخل ہوا۔ اور داخل ہوتے ہی کہنے لگا کہ دیکھئے مسلم رضی اللہ عنہ کے بچوں کا انعام کس کو ملتا ہے۔ ابن زیاد کے اعلان پر شہر کا کونہ کونہ چھان مارا۔ مگر کہیں نہیں ملے خدا جانے کہاں غائب ہوگئے ہیں۔ اپنے خاوند کی زبانی حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے یتیم بچوں کی تلاش کے متعلق سن کر کہ جن کو وہ اپنے گھر چھپائے بیٹھی تھی لرز گئی۔ اور حارث سے کہا کہ کتنے بد بخت ہیں وہ لوگ جو دنیا کے لالچ میں مسلم رضی اللہ عنہ کے بچوں کو تلاش کر رہے ہیں اور اے حارث تمہاری عقل پر بھی پردے پڑ گئے ہیں۔ کہ ان معصوموں کو ڈھونڈ رہے ہو ایک معمولی گھرانے کے یتیم سے ہمدردی خدا اور رسول کی رضا مندی کا باعث ہوتی ہے۔ تو یہ تو حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے فرزند ہیں۔ خاندان نبوت کے چشم و چراغ ہیں۔ اور اہل بیت کے گھرانے کے یتیم ہیں۔ اسلئے ہوش کرو اور عقل سے کام لو۔ اور ان کو قتل کر کے لعنت نہ خریدو۔ رحم کر کے جنت لو۔ اور اے حارث یہ ٹھیک ہے کہ ان کو مار کر ابن زیاد سے تجھے دولت ملے گی۔ عزت ملے گی۔ شہرت اور دنیا کی ہر نعمت ملے گی۔ مگر یہ ہر چیز فانی ہے۔ مٹنے والی ہے۔ اور ختم ہونے والی ہے۔ حارث وہ سودا کرو جو ہمیشہ کے لئے نفع بخش ہو اور آخرت میں بھی کام آئے۔ اور وہ یہی ہے کہ حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے ان یتیموں پر ترس کھاؤ۔ ان کو گلے لگاؤ۔ اور ان کی معصومی بے کسی اور یتیمی پر رحم کر کے خدا کی رحمت اور کملی والے آقا کی شفاعت کے حق دار بن جاؤ۔ بیوی کی یہ گفتگو سن کر حارث نے جھڑک دیا اور بستر پر لیٹ گیا اور کروٹیں لینے لگا۔

ماں کے سینے سے لپٹ کر سونے والے بچے آج ایک دوسرے سے چمٹ کر سوئے تھے۔ آدھی رات ہوئی تو چھوٹے نے خواب میں باپ کی پیاری صورت دیکھی کئی دن سے جدا تھا۔ اور آنکھیں باپ کو دیکھنے کو ترس گئی تھیں۔ باپ کی صورت دیکھی تو چلا اٹھا۔ ہائے ابا جان آپ کہاں ہیں۔ آپ ہمیں ملتے کیوں نہیں۔ آپ نے ہمیں چھوڑ دیا۔ ہمارا یہاں کوئی خیر خواہ نہیں ہے کوئی آسرا نہیں ہے۔ ہائے ابا ہم کدھر جائیں۔ آنکھ کھلی اور باپ کی صورت پھر غائب ہوگئی۔ بچہ زور زور سے رونے لگا۔ بڑے نے پیار کیا۔ دلاسا دیا۔ مگر پھر

بھی اس کی چیخ نکل گئی۔ اور کم بخت حارث کی آنکھ کھل گئی۔ اٹھا اور بیوی سے پوچھا۔ ہمارے گھر میں رونا کیسا ہے بیوی سہم گئی۔ کانپ اٹھی۔ اور خاموش رہی۔ وہ ظالم خود ہی اٹھا۔ چراغ جلایا تو دیکھا کہ مسلم رضی اللہ عنہ کے دونوں چاند اس اندھیری کوٹھڑی کو روشن کئے بیٹھے ہیں۔

حارث نے غضب ناک آواز میں پوچھا۔ تم کون ہو۔ وہ دونوں معصوم چونکہ اس گھر کی ہر دیوار کو بھی اپنا خیر خواہ سمجھتے تھے۔ اس لئے فوراً بول اٹھے۔ مسلم رضی اللہ عنہ کے بچے۔

ہیں! مسلم رضی اللہ عنہ کے بچے۔ وہ حیران ہو کر بولا۔ کل سے تمہاری تلاش میں ہوں اور شہر کا کونہ کونہ چھان مارا ہے اور تم میرے ہی گھر میں آرام کر رہے ہو۔ بس پھر اس ظالم نے زلفوں سے پکڑا۔ اور گھسیٹتا ہوا باہر لے آیا...... پھول جیسے رخساروں پر طمانچے مارے اور بالوں سے پکڑ کر زمین پر پٹخ دیا۔

زلفاں پکڑ گھسیٹ لیایا اونوری تصویراں
پڑے وانگ زمین تے مارے ورت گیاں تقدیراں

اور پھر مشکیں باندھ کر جنگل میں لے چلا۔ یتیم بچے حسرت سے ایک دوسرے کا منہ تکتے اور کبھی رحم طلب نگاہوں سے حارث کو دیکھتے۔ کہ شاید اس کو ترس آ جائے۔ بیوی آگے بڑھی اور ہاتھ باندھ کر کھڑی ہوگئی۔ اور حارث سے کہا...... معصوم ہیں۔ مسافر ہیں۔ اور یتیم ہیں۔ رحم کر اور ترس کھا۔ اور ان کو چھوڑ دے۔ ان سے میں نے بے وفائی کی ہے۔ میں نے تیرے پنجے میں ان کو پھنسایا ہے۔ دیکھ یہ قابل رحم ہیں۔ وطن سے دور ہیں۔ ان کی آنکھیں اشکبار ہیں۔ جنت کے مالک ہیں۔ کوثر کے ساقی ہیں۔ حارث پر اس تقریر کا کوئی اثر نہ ہوا۔ لالچ نے اس کو اندھا کر دیا ہوا تھا۔ اور حرص وطمع نے اس کے دل کو پتھر بنا دیا تھا۔ اس نے تلوار لی۔ آگے بڑھا۔ کنیز قدموں میں گری۔ ہاتھ جوڑے اور کہا اے مسلم رضی اللہ عنہ کے فرزندو! میں بے قصور ہوں۔ میری نیت ٹھیک تھی۔ میرے دل میں تمہاری محبت ہے اور میں تمہارے گھر کی لونڈی ہوں۔ اب میں اپنے کئے پر پچھتا رہی ہوں۔ کہ تمہیں اس گھر میں کیوں لے آئی مگر مجھے پتہ نہیں تھا۔ کہ میرا مالک انسان سے حیوان بن چکا ہے اور اس کا دل پتھر ہو گیا ہے۔ خدا کے لئے مجھے معاف کر دو۔ اور حشر کے میدان میں دربار مصطفیٰ میں مجھے

شرمندہ نہ کرنا۔صبح ہوگئی۔اور سورج کی شعاعیں حارث پر لعنت برساتی ہوئیں کوفہ کے درودیوار پر بکھر گئیں۔ظالم حارث ان دونوں کو دریا کے کنارے لے گیا۔میان سے تلوار نکالی۔اوران دونوں بچوں کے سروں پر لہرائی۔حارث کی بیوی اور کنیز آگے بڑھیں ایک نے محمد کو سینے سے لگالیا۔دوسری نے ابراہیم کو دامن میں چھپالیا۔مگراس ظالم نے اپنی بیوی اور کنیز کا بھی خاتمہ کردیا۔

گری بی بی تو باندی دوڑ کر قدموں سے جالپٹی۔
نہیں ہرگز نہیں میں جیتے جی مرنے نہیں دوں گی
اگر بچو تمہیں لے کر میں بستی سے نکل جاتی
تمہاری جان بچ جاتی میری قسمت بدل جاتی

اور پھر حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے یتیم شہزادوں پر حارث کی تلوار چمکی۔بے وطن مسافروں نے التجائیں کیں لاوارث یتیموں نے ہاتھ جوڑے اور بے سہارا پردیسیوں نے اپنی بے کسی ویتیمی کا احساس دلایا۔اور پھر اپنے خاندان کی تعظیم وتکریم یاد دلائی۔خدا اور رسول کا واسطہ دیا......اپنے گھرانے کی عزت وآبرو بیان کی اور فرمایا:

بولے ظالم نہ اٹھا جفا کے لئے
رحم کر بے کسوں پر خدا کے لئے
چھوڑ دے بخش دے مصطفیٰ کے لئے
کیوں یتیموں کے دل کو دکھانے لگا

ظلم مت کر کہ ہم خود ہی مظلوم ہیں
بے نوا ہیں،یتیم اور معصوم ہیں
ہائے گوروکفن سے بھی محروم ہیں
کیوں یتیموں پہ خنجر چلانے لگا

بولے بدبخت کرنے دے ہم کو وضو
سجدہ کرنے کو ہو جائیں ہم قبلہ رو
قتل کردینا سجدے میں دونوں کوتو

بھائی کو بھائی سے کیوں چھڑانے لگا

کردے رحم یتیم مسافراں تے ہتھ جوڑ دے واسطے پاوندے نے
روزحشر دے کراں گے مدد تیری وارث جنت دے ہاں بتلاوندے نے
جے توں اساں نوں قتل ضرور کرنا من عرض ساڈی فرماوندے نے
سانوں باپ دی لاش دے کول لے جا بچے یہ فریاد سناوندے نے

ادھر صبح کی آذان کی صدا گونجی تو

سن آذان یتیم مسافر آہیں مار کے بولے
ہے کوئی غمخوار ساڈا جیہڑا رسیاں کھولے
مرن توں پہلاں وضو کر کے فرض ادا کرلیے
شاید باپ اساڈا مل پئے ایہہ دعا کرلیے
جھٹ پا کھلو گئے دونویں دل وچ یاد الٰہی
پکڑ دوہاں دیاں زلفاں تائیں ظالم تیغ چلائی

حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے یتیموں کی اس منت وسماجت اور التجاؤں سے عرش الٰہی کانپ گیا۔ اور فرشتے رو پڑے۔ اور حوریں تڑپ گئیں۔ مگر بے رحم حارث کے دل میں رحم کا جذبہ نہ ابھر سکا ...اور کڑک کر بولا... مسلم رضی اللہ عنہ کے بیٹو! مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ کہ میری تلوار تمہاری گردنیں اڑاتی ہے۔

محمد بڑا تھا۔ آگے بڑھا۔ اور ہاتھ جوڑ کر التجا کی۔ کہ اگر تو نے ہمیں قتل کرنا ہی ہے تو پہلے مجھے قتل کرنا کہ میری آنکھیں چھوٹے بھائی کی لاش تڑپتی ہوئی نہ دیکھیں ظالم چھوٹے کی طرف بڑھا۔ تو چھوٹا ابراہیم آگے بڑھا اور درخواست کی۔ میری یہ منت مان لے کہ پہلے مجھے قتل کرتا کہ میں اپنے بھائی کی گردن اڑتی نہ دیکھ سکوں۔ اور پھر وہ وحشی حارث آگے بڑھا۔ اور حضرت محمد کے

سر کوتن سے جدا کر دیا۔ سر زمین پر آ گرا۔ جیسے آسمان سے کوئی ستارہ ٹوٹ گیا۔ چھوٹے نے اپنے بھائی کے سر کو جھولی میں اٹھایا اور چیخیں نکل گئیں۔ دھاڑیں مار کر رونے لگا۔ ہائے بھائی! باپ کے بعد مجھے تمہارا سہارا تھا ہائے ظالموں نے وہ چھین لیا۔ مجھے پردیس میں اکیلے چھوڑ گئے ہو اب میں کدھر جاؤں کس کو پکاروں۔ ہائے اللہ میں اکیلا رہ گیا۔

آئی اس لاش کے حلقوم بریدہ سے صدا
اے میرے بھائی میں قربان، میں صدقے میں فدا
تیری آغوش سے کیوں کر نہ ہوں اس وقت جدا
گود پھیلائے کھڑی ہیں یہ جناب زہرا رضی اللہ عنہا
مجھ کو لپٹا کے گلے پیار سے خوش ہوتی ہیں
خون چہرے پہ میرا ملتی ہیں اور روتی ہیں

چھوٹا اپنے بھائی کے سر کو چوم رہا تھا کہ سنگ دل نے تلوار کا دوسرا وار کیا اور اس کا سر بھی اڑا دیا۔ اور پھر لاشوں کو دریا میں بہا دیا۔ اور...... پھر۔

ڈوب کر نہر میں کوثر کے کنارے پہنچے
آئی حیدر کی صدا پیارے ہمارے پہنچے

صبح ہوئی تو حارث نے شہزادوں کے کٹے ہوئے سر سونے کے طشت میں رکھ کر ابن زیاد کے آگے رکھ دیے۔

مگر...... ظالم حارث طشت دے اتوں جاں سرپوش اٹھایا
ویکھن والیاں حیرت اندر عجب نظارہ پایا
لب ہسدے تے اکھاں کھلیاں وچہ اڈیک پدر دی
پاک زباناں پڑھدیاں کلمہ جوں آذان فجر دی
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

مدینہ چھوٹ گیا

جس دن حضرت مسلم رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں شہادت پائی۔ اسی دن حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ سے جانبِ کوفہ کوچ فرمایا اور شہادت گاہِ عشق و محبت کی طرف قدم بڑھایا۔ اس سے پہلے آپ یزید کے بدارادوں اور اس کے فسق و فجور اور باطل پرستی کی خبریں سن کر دربار مصطفیٰ علیہ السلام کو چھوڑ کر مکہ مکرمہ تشریف لے آئے تھے۔

صبح: اور مدینہ منورہ کی حسین صبح۔ گنبدِ خضرا کو چومنے والی صبح۔

صبح: مدینہ طیبہ کے درودیوار کو آغوش میں لینے والی صبح۔

صبح: اور روضۂ مصطفیٰ علیہ السلام پر نثار ہونے والی صبح۔

باغِ مدینہ کا ایک ایک پتہ شبنم کے پاک قطروں سے وضو کر کے حمدِ خداوندی میں مصروف تھا۔ طائرانِ خوش نوا اپنی میٹھی میٹھی اور پیاری پیاری آواز سے نعتِ مصطفیٰ علیہ السلام کے نغمے الاپ رہے تھے۔ اللہ کے نیک اور برگزیدہ بندے مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فجر کی نماز کے لئے بارگاہِ رب العزت میں سربسجود ہونے والے تھے اور ستر ہزار فرشتے روضۂ اقدس کی سلامی کے لئے آسمان سے فرشِ مدینہ پر اتر چکے تھے۔ اور پھر سورج طلوع ہوا جس کی نورانی کرنوں نے مدینہ منورہ کے درودیوار کو چوما اور جس کی حسین شعاعوں نے گنبدِ خضرا کی مقدس چوٹی کو بوسہ دیا۔ خاکِ مدینہ کے ذرّے آفتاب بن کر چمک رہے تھے۔ شہر کے درودیوار رشکِ طور بن چکے تھے۔ بازاروں میں چہل پہل ہو چکی تھی۔ اور خدا کے بندے اپنے اپنے کاروبار میں مشغول ہو چکے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا ایک مقبول اور برگزیدہ بندہ شورِ دنیا سے بے خبر اور ہنگامہ ہائے کاروبارِ حیات سے بے پرواہ۔ اور مخلوقِ خدا سے بالکل علیحدہ اپنے ٹوٹے ہوئے حجرے میں ایک مصلے پر بیٹھا ابھی تک ذکرِ خدا اور تصورِ یار میں محو تھا۔ یہ مقدس انسان

شہزادۂ کونین تھا۔ نبی کا نور العین تھا اور نام اس کا حسین رضی اللہ عنہ تھا۔ اور پھر دروازے پر دستک ہوئی۔ یہ حاکم مدینہ ولید بن عقبہ کا قاصد تھا جو ولید کا یہ پیغام لے کر آیا تھا کہ آج رات میرے غریب خانہ پر تشریف لائیں علیحدگی میں کوئی ضروری بات کرنی ہے۔

امام عالی مقام نے قاصد کو یہ جواب دے کر رخصت کر دیا کہ انشاء اللہ ضرور آ ؤں گا۔ قاصد کے چلے جانے کے بعد نواسۂ رسول پھر ذکر الٰہی میں مشغول ہو گیا اور پھر جب شام کی زلفِ سیاہ رخ صبح پر پوری طرح بکھر گئی اور رات کی تاریکی نے دن کی روشنی کو اپنے دامن میں چھپا لیا تو عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اٹھے اور تنہا ہی حاکم مدینہ کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے چونکہ ولید صحیح معنوں میں محب اہل بیت تھا۔ اس لئے اس نے بڑی عزت و تکریم سے آپ کو مسند شاہی پر بٹھایا اور خود دست بستہ سامنے بیٹھ گیا۔ شہزادۂ کونین رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے کیوں بلایا گیا ہے؟ ولید نے یزید کا خط پیش خدمت کیا۔ امام عالی مقام نے خط پڑھا یزید نے ولید کو لکھا تھا۔ کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ سے فوراً میری بیعت لی جائے۔

یزید کا خط پڑھ کر ہاشمی خون اُبل پڑا، اور چہرۂ اقدس پر جلالت رقص کرنے لگی اور پھر ساتھ ہی نانے مصطفیٰ علیہ السلام کی دی ہوئی شہادت کی خبر بھی یاد آ گئی اور کربلا کا خونیں منظر بھی آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ خط واپس کرتے ہوئے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لختِ جگر نے فرمایا کہ میں حسین...... اور یزید کی بیعت...... نواسۂ رسول اور ایک فاسق و فاجر کی اطاعت...... علی رضی اللہ عنہ کا جایا۔ اور ایک شریعت کے باغی کی غلامی۔ جگر گوشۂ بتول اور ایک دین کے دشمن اور شخصی حکمران کی فرمانبرداری...... نہیں۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا اے ولید یزید کی بیعت سے میرا صاف انکار ہے۔ اس لئے کہ میرے وہ ہاتھ جو کبھی بوسہ گاہِ رسول تھے آج یزید کے پلید ہاتھوں میں نہیں جا سکتے۔ اور میرا وہ سر جو شب و روز بارگاہِ ایزدی میں جھکا رہتا ہے۔ اسلام کے ایک دشمن کے آگے نہیں جھک سکتا۔ اور جس نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کا پاک دودھ پیا ہے وہ ایک باطل پرست انسان کی اطاعت نہیں کر سکتا۔ اور جبریل علیہ السلام جس کے گھر کی

دربانی کرے۔ فرشتے جس کا جھولا جھلائیں اور خدا جس کے ناز دیکھے اور مصطفیٰ جس کو اپنے کندھوں پر اٹھائے وہ حسین آج امانتِ الٰہیہ میں خیانت کرنے والے اور دین کی حدوں کو توڑنے والے یزید کی بیعت کر کے آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے اسلام کی بے حرمتی کے لئے راستہ نہیں کھول سکتا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ یزید کی بیعت کا انکار کر کے واپس تشریف لے آئے۔ آپ کے جانے کے بعد مروان نے ولید کو ہر قسم کا لالچ دے کر اور پھر معزول ہو جانے کا خوف دلا کر بھکانے کی سر توڑ کوشش کی مگر ولید ناموس رسالت اور عترتِ اہل بیت کو اچھی طرح جانتے تھے۔ اس لئے ولید نے مروان کو جواب دیا کہ یہ ٹھیک ہے کہ نواسہ رسول کو یزید کی بیعت کے لئے مجبور کر کے اور یا پھر قتل کر کے مجھے بہت سا انعام ملے گا۔ سونے اور چاندی کے خزانے بھی ملیں گے اور عزت و توقیر بھی ملے گی۔ اور یزید کی حکم عدولی سے اپنے منصب سے معزول بھی ہونے کا ڈر ہے۔ مگر میں ان تمام چیزوں سے بے نیاز ہوں اور مجھے معزول ہونا تو منظور ہے لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے دوزخ کی آگ کا ایندھن بننا منظور نہیں ہے۔

رات گزری۔ صبح ہوئی تو نواسہ رسول نے مدینہ منورہ کے بازاروں میں اعلان کروایا کہ سب مسلمان بچے عورتیں، بوڑھے اور جوان مسجد نبوی میں جمع ہو جائیں۔

اعلان ہوا تو تھوڑی ہی دیر میں اہل اسلام سے مسجد نبوی بھر گئی۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ پہلا موقعہ تھا کہ امام حسین کے اعلان پر اہل مدینہ مسجد نبوی میں جمع ہوئے تھے۔

دین و ایمان کے متوالے۔ حق و صداقت کے پرستار۔ توحید و رسالت کے پروانے اور خلافت راشدہ کے قائم کردہ اسلامی نظام اور روحِ جمہوریت پر یقین رکھنے والے مسلمان جمع ہو گئے جب مسجدِ نبوی بھر گئی تو پھر کیا ہوا؟

ہوئی جنبش اٹھا بیت رسول اللہ کا پردہ

پھر اس پردے سے بے پردہ حبیب مصطفیٰ نکلا
محمدؐ۔ حبیب خدا ہے اور حسین حبیب مصطفیٰ نکلا!

یہی ہے فاطمہ بنتِ محمد کا جگر پارہ
علی المرتضٰی شیر خدا کی آنکھ کا تارہ
نظر والے اسی کو حسن کی تنویر کہتے ہیں
خبر والے اسی کو عشق کی تفسیر کہتے ہیں

حضرت امام عالی مقام حجرۂ اقدس سے باہر تشریف لائے اور نانا نے مصطفٰی علیہ السلام کے منبر پاک پر جلوہ افروز ہو گئے اور خطبہ ارشاد فرمایا۔

اے اللہ و رسول پر ایمان رکھنے والو! میرے نانے پاک کا کلمہ پڑھنے والو اور نظام قرآن پر یقین رکھنے والو مجھے یزید کا خط آیا ہے کہ میری بیعت کر لو اور میری خلافت و امامت کو تسلیم کر لو۔ مگر چونکہ میں جانتا ہوں کہ وہ فاسق و فاجر ہے۔ زانی و شرابی ہے اور اسلام کا باغی اور دین کا دشمن ہے اس لئے میں اپنا سب کچھ قربان کر دوں گا۔ مگر اسلام کے باغی کی بیعت نہیں کروں گا۔ اور میرا فیصلہ سن لو۔

کہ ہم بندے خدا کے ہیں ہمارا ہے خدا اللہ
نہیں ہے حاکم مطلق کوئی بھی ماسوا اللہ
عبادت بھی اسی کی ہے اطاعت بھی اسی کی ہے
حکومت بھی اسی کی ہے صداقت بھی اسی کی ہے
شریعت میں کبھی بالجبر بیعت لی نہیں جاتی
مسلمانوں پہ طاقت سے حکومت کی نہیں جاتی

سیدہ کا لال خطبہ دینے اور اپنا فیصلہ سنانے کے بعد اپنے حجرہ پاک میں واپس آ گیا!

اور پھر ایک رات ایسی بھی آئی کہ جب شعبان المعظم ۶۰ھ کی چار تاریخ کا چاند تھوڑی دیر کے لئے کائنات کو اپنی پھیکی سی روشنی دکھا کر ڈوب چکا تھا اور پھر رات کی تاریکی نے صحرائے عرب کو اپنے دامن میں ڈھانپ لیا تھا اور شب تار کے گھٹا ٹوپ اندھیرے شہر مدینہ کے در و دیوار پر چھا چکے تھے۔ اور مدینہ منورہ کا ہر انسان محوِ خواب تھا۔ اور کائنات کا ذرہ ذرہ خاموش تھا اور ہر طرف سناٹا ہی سناٹا تھا اور ساری دنیا سو چکی تھی مگر ساری رات اللہ کی راہ میں جاگنے والا ایک مقدس اور فرشتہ سیرت

انسان آج رات بھی جاگ رہا تھا، اس لئے کہ وہ اپنی ماں جائی اور پیاری بہن حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ سے کوچ کرنے کے لئے رختِ سفر باندھنے کا حکم دے چکا تھا۔

اور وہ رات امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیمار بیٹی بی بی صغرا رضی اللہ عنہا کے لئے ایک قیامت کی رات تھی اس لئے کہ آج رات اس کی آنکھوں سے ویرا اکبر اور اصغر ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہے تھے اس کی پھوپھی زینب اس کو چھوڑ کر جا رہی تھی۔ عون اور محمد چھپ رہے تھے۔ قاسم اور عباس گم ہو رہے تھے۔ اور آج اس معصوم بچی کا باپ ہمیشہ کے لئے بچھڑ رہا تھا۔ اس کی نظریں اصغر کے پھول جیسے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ اپنے ویر کو بار بار سینے سے لگاتی تھی۔ بار بار منہ کو چومتی تھی۔ اس کا دل کانپ رہا تھا اور آنکھیں اشکبار تھیں۔ اور قدرت پکار پکار کر صغرا کو کہہ رہی تھی کہ اے حسین رضی اللہ عنہ کی بیمار بچی صغرا۔ جی بھر کے اپنے ویرا اصغر کو دیکھ لے۔ اور دل کھول کے قاسم و عباس کی بلائیں لے لے۔ عون و محمد کو چوم لے۔ اور اٹھ اور پھوپھی زینب کے سینے سے چمٹ جا۔ دوڑ اور اکبر کے گلے سے لگ جا۔ جلدی کر اور عون و محمد کی گردنوں میں باہیں ڈال دے چل اور قاسم و عباس کے دامن سے لپٹ جا۔ اور آگے بڑھ اور باپ کے پاؤں کو بوسہ دے۔ اس لئے کہ پھر تو ساری زندگی اکبر و اصغر کی صورت دیکھنے کے لئے ترستی رہے گی۔ عون و محمد نظر نہیں آئیں گے۔ قاسم و عباس کے یہ چہرے پھر نہ دیکھ سکے گی اور باپ کی یاد میں عمر بھر روتی رہے گی۔

امام عرش مقام نے اپنی ہمشیرہ اور بیٹی سکینہ سے فرمایا کہ پتہ نہیں پھر ہمیں مدینہ دیکھنا نصیب ہو کہ نہ ہو۔ اور یہ مقدس گلیاں اور درو دیوار پھر ہماری قسمت میں ہوں کہ نہ ہوں۔ اور معلوم نہیں کہ پھر نانے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے پاک کی زیارت نصیب ہو کہ نہ ہو اس لئے اٹھو اور چلو تا کہ آخری بار مدینہ کی گلیوں میں گھوم لیں۔ اس کے درو دیوار کو چوم لیں اور نانے پاک کے روضۂ انور پر حاضری دے آئیں۔ اور گنبد خضریٰ کی چوٹی کو آخری سلام کر آئیں۔

سیّدۂ عالم اٹھیں۔ سر پر چادر تطہیر اوڑھی اپنے دونوں بچوں عون اور محمد کو ساتھ لیا اور اپنے ماں جائے بھائی حسین رضی اللہ عنہ کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئیں شہزادۂ دو عالم نے بیٹی سکینہ کی انگلی پکڑی اور پھر اس طرح نبی کے گھرانے کا یہ مختصر سا قافلہ نبی کے روضے کی آخری

زیارت کرنے اور نبی سے مدینہ چھوڑ دینے کی اجازت لینے کے لئے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے کوئے حبیب ﷺ کی طرف چلا جا رہا تھا۔ راستے میں حضرت زینب کو اپنی ماں خاتونِ جنت کی وہ بات یاد آ گئی تو تڑپ گئیں۔ کہ اے میری بیٹی زینب رضی اللہ عنہا جس طرح آج میں رات کی تنہائی میں اپنے جگر گوشوں حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ کو لے کر اپنے باپ کے روضے کی آخری زیارت کے لئے جا رہی ہوں۔ ایک رات اسی طرح آدھی رات کے وقت اپنے نانے پاک کے مزارِ پُر انوار کو دیکھنے کے لئے تو بھی حاضر ہو گی۔ آج میرے ساتھ حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ ہیں اور کل تیرے ساتھ عون و محمد ہوں گے۔ کتنا دردناک تھا وہ منظر اور کتنا پُر درد تھا وہ سماں۔ کہ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش پر سواری کرنے والا حسین رضی اللہ عنہ اور دو جہان کے والی کی عنبریں زلفوں سے کھیلنے والا حسین رضی اللہ عنہ آج کبھی نانے مصطفیٰ علیہ السلام کے مقدس روضے کی دیواروں سے لپٹ کر روتا ہے اور کبھی سنہری جالی کو چوم کر تڑپتا ہے۔ کبھی گنبد خضریٰ کی حسین چوٹی کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ کر آہیں بھرتا ہے اور کبھی روضے پاک کا طواف کرنے والے خوش نصیب کبوتروں کی ہُو ہُو کی آوازیں سنتا ہے اور پھر نواسۂ رسول کے دل سے ایک پُر درد پُر سوز آہ نکلی اور روضے پاک کی دیواروں کو کلاوے میں لے کر عرض کی۔ اے نانا جان:

سلام اے جدِ امجد اے میرا منہ چومنے والے
مجھے دوشِ نبوت پر اُٹھا کر گھومنے والے

ذرا نظریں اٹھا کر دیکھ کس کا نورِ عین آیا
اُٹھ اے نانا محمد ﷺ تیرے در پہ ہے حسین آیا

میری منزل کٹھن ہے اور مسافر بے نواہوں میں
مدد اے رہبر کامل کہ تنہا رہ گیا ہوں میں

ہتھ جوڑ امام نے عرض کیتی تیرا پیارا حسین ذی شان چلیا اے
تیری مُہر نبوت تے بہن والا چڑھ کے نیزے تے پڑھن قرآن چلیا اے
آ دیکھ سکینہ تے شہر بانو نالے اکبر عباس جوان چلیا اے
اساں فیر مسافراں آونا نئیں تیرے دین توں ہون قربان چلیا اے

میں وہی حسین رضی اللہ عنہ ہوں جس کے لئے آپ آغوشِ نبوت کھول دیا کرتے تھے۔ جس کے رونے سے آپ کا دل تڑپ جایا کرتا تھا۔ جس کو آپ نے جنت کے جوانوں کا سردار فرمایا تھا۔ جس کو آپ نے جنت کا پھول کہا اور میں آپ کے دوش پر سواری کرنے والا حسین رضی اللہ عنہ ہوں۔ آپ کی عنبریں زلفوں سے کھیلنے والا حسین رضی اللہ عنہ ہوں اور آج آپ کا وہی حسین رضی اللہ عنہ آپ کے مدینہ کو چھوڑنے کی اجازت طلب کرنے حاضر ہوا ہے۔ آپ کے جس روضۂ اقدس کی سلامی کے لئے ستر ہزار فرشتے آسمان سے زمین پر اُترتے ہیں۔ آج آپ کا حسین رضی اللہ عنہ اسی روضے پاک کی دیواروں کو چھوڑ کر جانے کی اجازت چاہتا ہے۔ نانا جان میں نے بہت کوشش کی کہ آپ کا آستانہ رحمت نہ چھوٹے اور گنبدِ خضریٰ آنکھوں سے اوجھل نہ ہو۔ مگر میں ہر طرف سے اور ہر طرح سے مجبور ہو چکا ہوں۔ اور میری ہر کوشش ناکام ہو چکی ہے۔ اور آج آپ کے مدینہ کی گلیاں مجھ سے چھوٹ رہی ہیں۔ دیس کو چھوڑ کر پردیس جا رہا ہوں قیام گاہ سے نکل کر مسافر ہو رہا ہوں۔ آپ کا روضہ آنکھوں سے اوجھل ہو رہا ہے گنبد خضریٰ چھپ رہا ہے مگر یہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے۔ آپ کے دین کی حفاظت کے لئے۔ آپ کی شریعت کی رکھوالی کے لیے۔ اور آپ کی امانت کی نگہداشت کے لئے ہو رہا ہے۔ مجھے یزید جیسے فاسق و فاجر اور باطل پرست حکمران کی بیعت کے لئے مجبور کیا جا رہا ہے۔ شریعت کے ایک باغی کی اطاعت کے لئے ڈرایا جا رہا ہے۔ مگر میں سب کچھ قربان کر کے آپ کے دین کی آبرو بچانے کا عہد کر چکا ہوں۔ نانا جان اٹھو۔ اپنے حسین رضی اللہ عنہ کو گلے لگاؤ۔ مجھے حوصلہ دو تا کہ راہِ حق سے قدم ڈگمگا نہ جائیں۔ نانا جان اٹھو اور دیکھو آپ کی یہ نواسیاں زینب اور سکینہ بھی حاضر ہیں۔ عون و محمد بھی حاضر ہیں۔ ان کے سروں پر دست شفقت پھیرو۔ ان کی ڈھارس بندھاؤ ان کے ڈوبتے ہوئے دلوں کو سہارا دو اور دامنِ رحمت سے ان کے آنسو پونچھو۔ نانا جان میری معصوم بچی صغرا بیمار ہے۔ اسے میں آپ کے حوالے کر کے جا رہا ہوں۔ وہ تنہائی میں گھبرائے نہ۔ میری جدائی میں چلائے نہ۔ اس کا خیال رکھنا۔

اور پھر امام عالی مقام نے اوپر نگاہ اٹھائی تو سفید سفید کبوتروں کو اپنے سروں کو جھکائے

اور اپنے پیروں کو دیواروں سے چمٹائے تصورِ محبوب میں گم دیکھا آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اور ان کبوتروں کو مخاطب ہو کر فرمایا اے میرے پیارے نانے کے روضۂ اقدس کا طواف کرنے والے خوش قسمت پرندو! اور اے سید المرسلین علیہ السلام کے گنبدِ خضریٰ سے چمٹنے والے خوش نصیب کبوترو۔ تم کتنے خوش بخت ہو کہ دن رات اور صبح و شام اس آستانۂ رحمت کے اردگرد چکر لگاتے رہتے ہو۔ اور تم کتنے خوش نصیب ہو کہ سکونِ قلب اور راحتِ جان حاصل کرنے کے لئے میرے نانے کے روضے کی دیواروں سے چمٹ جاتے ہو۔ مگر حسین رضی اللہ عنہ کتنا غم نصیب ہے کہ اس مرکزِ رحمت کو چھوڑ کر جا رہا ہے اس آستانۂ فیض و کرم سے جدا ہو رہا ہے۔ اور اس سرچشمۂ رشد و ہدایت سے دور جا رہا ہے اور اس جلوہ گاہِ حسنِ ازل سے محروم ہو رہا ہے اور حسین رضی اللہ عنہ آج کے بعد یہ رشکِ جنت گلیاں۔ یہ سنہری جالی اور یہ حسین در و دیوار پھر نہ دیکھ سکے گا۔

بس پھر تربتِ رسولِ اکرم علیہ السلام تھرائی اور دلِ مصطفیٰ تڑپ گیا اور پھر آواز آئی۔ کہ میرے پیارے حسین رضی اللہ عنہ جاؤ میری طرف سے اجازت ہے ضرور جاؤ۔ اسلام کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو سہارا دے کر کنارے پر لگانے کے لئے جاؤ۔ دین کی بجھتی ہوئی شمع کو اپنے خون سے جلانے کے لئے جاؤ۔ حق و صداقت کے علم کو لہرانے کے لئے جاؤ اور امانتِ خداوندی کی حفاظت کی خاطر شہادت پانے کے لئے جاؤ۔ اور پھر نیزے پر چڑھ کر دنیا کو قرآن سنانے کے لئے جاؤ۔

مگر۔ بیٹا حسین رضی اللہ عنہ! یاد رکھنا۔ تیروں کی بارش بھی ہوگی۔ نیزوں کا مینہ بھی برسے گا۔ تلواروں کی بجلیاں بھی چمکیں گی۔ مصیبتوں کے پہاڑ بھی ٹوٹیں گے۔ مصائب کے طوفان بھی اٹھیں گے اور تمہاری آنکھوں کے سامنے اکبر کی لاش پر گھوڑے بھی دوڑیں گے۔ تمہاری جھولی میں اصغر کے حلق پر تیر بھی پیوست ہوگا۔ عون و محمد کی لاشیں بھی تڑپیں گی۔ قاسم کا سہرا بھی لٹے گا۔ عباس کے بازو بھی قلم ہوں گے اور پھر تمہارا سر بھی نیزے پر چڑھے گا۔ مگر بیٹا حسین رضی اللہ عنہ! تمہارے پاؤں میں لغزش نہ آئے۔ تمہارے عزم و استقلال میں فرق نہ آئے اور زبان سے کوئی شکایت بھی نہ نکلے۔ تم نبی کے نواسے ہو۔ نبوت کی آبرو

رکھنا۔ تم سخی کے بیٹے ہو۔ سخاوت کی عزت بچانا اور تم فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لال ہو۔ دودھ کی لاج رکھنا۔ نواسۂ رسول ہو۔ قربانی ہنس کے دینا۔ جگر گوشۂ بتول ہو جان مسکرا کے دینا اور حیدر کے بیٹے ہو سخاوت خوشی سے کرنا۔ اب جاؤ۔ اور میں تمہارا انتظار کروں گا۔ نانے پاک کی اس صدائے حق سے مظلوم کربلا کو تسکین ہو گئی۔ پیاسے نے آبِ حیات پایا۔ بیمار کو شفا ہوئی اور دکھی دل کو چین ملا۔

بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے روضہ کی دیواروں کو بوسہ دیا اور اپنی چادر دیواروں سے ملی تاکہ تنہائی و غریب الوطنی میں جب بھی جی گھبرائے گا تو اس چادر کے دامن سے نانے پاک کی خوشبو سونگھ کر تسکین قلب حاصل کر لیا کروں گی۔ ادھر بچی سکینہ نے روضۂ اقدس کو کلاوے میں لیا چیخیں نکل گئیں۔ اور پھر سنہری جالی کو چوما اور

جالی چمکے روضے والی کر دی عرض سکینہ
کملی والیا چھٹ چلیا ای تیرا شہر مدینہ

فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لال نے بچی کو اٹھایا۔ سہارا دیا اور فرمایا۔ بچی صبر کرو۔ کہیں نانا جان ناراض نہ ہو جائیں اور پھر خاندانِ نبوت کا یہ گھرانہ آستانۂ نبوت پر حاضری دے کر رات کے اسی اندھیرے میں واپس آ گیا۔ گھر آ کر شہزادۂ کونین نے اپنی بہن حضرت زینب کو فرمایا! بہن اب تیاری کرو اور رختِ سفر باندھو۔

میں قربان جاؤں اس سیدۂ عالم کے اور میں نثار امام حسین رضی اللہ عنہ کی اس غمخوار بہن کے جس نے مدینہ کی گلیوں سے لے کر شام کے قید خانے تک اپنے بھائی کا ساتھ دیا۔ میں فدا حضرت شبیر رضی اللہ عنہ کی اس جانثار بہن کے جس نے کربلا کے میدان میں اپنے دونوں بچوں عون اور محمد رضی اللہ عنہما کو دین کی آبرو پر صدقے کر دیا۔

سیدۂ زینب امامِ پاک کے ارشاد کی تعمیل کرنے ہی والی تھی کہ دیکھا تو بھائی حسین رضی اللہ عنہ پھر باہر نکل رہے ہیں۔ بہن نے دوڑ کر بھائی کا دامن پکڑ لیا۔ اور پوچھا آقا حسین رضی اللہ عنہ اکیلے کہاں جا رہے ہو۔ فرمایا ماں کی قبر پر فاتحہ پڑھنے اور سلام کرنے جا رہا ہوں۔ جس ماں نے مجھے بڑے پیار سے پالا۔ جس ماں کی آغوش میرے لئے راحت دل و جان تھی۔ جس

ماں کا دامن میرے لئے دامنِ رحمت تھا اور جس ماں نے مجھے قرآن کی لوریاں دے دے کر سلایا اور جس ماں نے مجھے آیات پڑھ کر جگایا۔ آج اس ماں کی تربت پر آخری سلام کرنے جا رہا ہوں۔

بہن نے عرض کی بھائی! میں بھی چلوں گی۔ میں بھی خاکِ تربت کو بوسہ دوں گی اور میں بھی ماں کے غلافِ مزار کو آنکھوں پر ملوں گی۔ شاید پھر ماں کی قبر دیکھنی نصیب ہو کہ نہ ہو۔ اور پھر دونوں بہن بھائی رات کی تاریکی میں اپنی ماں کی قبر پر پہنچے۔ جناب سیّدہ رضی اللہ عنہا سر کی طرف کھڑی ہو گئیں اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ پاؤں کی طرف۔ بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے غلافِ قبر کو آنکھوں سے لگایا۔ شبیر رضی اللہ عنہ نے سر پاؤں پر رکھ دیا۔ بہن قبر سے لپٹ گئی۔ بھائی تربت سے چمٹ گیا۔ بہن کی ہچکی بندھ گئی اور بھائی کی چیخ نکل گئی۔ ماں کی قبر پہ دونوں بہن بھائی حاضر ہیں۔ اس کے پالے ہیں۔ اس کے جائے ہیں اور اسی کی گود کھلائے ہیں۔ یہ آنکھوں سے اوجھل ہوتے ماں کا کلیجہ دھڑک جاتا وہ سوتے یہ جاگتی رہتی۔ وہ روتے یہ تڑپ اٹھتی۔ پھر کون کہتا ہے کہ اسی ماں کا دل اپنے بچوں کو قبر پر دیکھ کر تہِ خاک مضطرب نہ ہوا ہوگا۔ حضرت شبیر رضی اللہ عنہ نے تربتِ پاک پر منہ رکھ دیا اور عرض کی۔ اماں جان:

پڑھ کے فاتحہ ماں دی قبر اُتے شاہ امام حسین پکار دا اے
میرا بولیا چالیا معاف کرنا ایہ سلام ہُن آخری وار دا اے
تیری گود اندر لکھاں سکھ پائے ہُن دکھاں دا بھار پیا مار دا اے
میرے خون دی دین نوں لوڑ پے گئی تائیں اے کربلا قصدا سوار دا اے

آپ کا بیٹا حسین رضی اللہ عنہ آخری سلام کرنے حاضر ہوا ہے۔ جس حسین کو آپ نے قرآن پاک کی لوریاں سنائیں۔ جس حسین رضی اللہ عنہ کا جھولا جبریل علیہ السلام نے جھلایا۔ آج اس حسین رضی اللہ عنہ پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں۔ آج ظالم لوگ اس حسین رضی اللہ عنہ کے خون کے پیاسے ہیں۔ آپ کی قبر چھوٹ رہی ہے۔ مدینہ اوجھل ہو رہا ہے۔ نانے پاک کا روضہ دور ہو رہا ہے اور مدینہ کی گلیاں چھپ رہی ہیں۔ اماں جان! اگر مجھ سے کوئی خطا ہو گئی

ہوتو درگزر کر دو۔ اور کوئی غلطی ہوگئی ہوتو معاف کر دو۔ اور پھر جی بھر کر رو ئے۔ آنسوؤں کے چند قطرے قبر پر بھی گرے۔ تو قبر کو حرکت ہوئی اور یہ خاک سے آواز آئی۔ میرا بچڑا حسین رضی اللہ عنہ! بس کرو کہیں قبر نہ پھٹ جائے اور مجھے کفن پھاڑ کر باہر نہ آنا پڑے۔ بیٹا جاؤ میں وعدہ کرتی ہوں کہ کربلا کے حق و باطل کے خونین معرکے میں جب تم زخمی ہو کر گھوڑے کی زین سے گرو گے تو میری جھولی کھلی ہوگی۔

ماں تھی تڑپتی کیوں نہ۔ ماں تھی مضطرب ہوتی کیوں نہ اس کی یتیم بچی تربت سے لپٹی تھی۔ اس کا یتیم بیٹا قبر پر حاضر تھا۔

جناب سیدہ زینب کی آہ نکلی۔ اور

چھ مار کے ماں دی قبر اُتے بی بی پاک زینب کرلان لگی
اُٹھ کے دیو پیار تے کرو وداع تیری دھی مدینیوں جان لگی

اے اماں جان۔ دنیا کا رواج ہے۔ دھیاں پردیس جاتی ہیں تو مائیں وداع کرتی ہیں۔ سر منہ چومتی ہیں۔ گلے لگاتی ہیں اور دور تک ساتھ جاتی ہیں۔ میں بھی آپ کی بیٹی ہوں۔ لختِ جگر ہوں اور نورِ نظر ہوں۔ میں بھی دیس چھوڑ کر پردیس جا رہی ہوں۔ مدینہ چھوڑ کر کربلا جا رہی ہوں۔ اور نانے مصطفیٰ کا روضہ چھوڑ کر کوفہ کے ریگستان کو جا رہی ہوں۔

اٹھو۔ مجھے پیار دو۔ مجھے سینے سے لگاؤ اور اپنی صورت پاک دکھاؤ۔ ثانیِ زہرا کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی! قبر فاطمہ تھرّا اٹھی۔ روحِ کائنات کانپ گئی۔ عرشِ اعظم لرز گیا اور مدینہ کے در و دیوار ہل گئے پھر تربتِ زہرا سے آواز آئی۔ بیٹی زینب! رونا بند کرو۔ امتحان صبر سے دو۔ اور میرے دودھ کی لاج رکھ لو۔

ماں کی قبر پر جانا ثواب۔ ماں کو دیکھنا حجِ اکبر۔ ماں کے قدموں میں جنت۔ اور ماں راضی تو سب جگ راضی۔ ماں ناراض تو نہ نماز قبول۔ نہ حج منظور نہ روزہ زکوٰۃ کا کوئی فائدہ۔

میری بھی ماں تھی! عابدہ و زاہدہ ماں۔ شب بیدار اور تہجد گزار ماں۔ عالمہ اور فاضلہ ماں۔ اس کا دامن سایۂ رحمت تھا۔ اس کی چادر پردہ پوش تھی اس کا وجود باعث برکت تھا۔

اس کی خدمت ذریعۂ نجات تھی۔ اور اس کی دعا وسیلۂ بخشش۔

میرا یہ زورِ خطابت۔ یہ انداز بیان۔ یہ علم و عمل اور میری یہ شہرت محض اسی ماں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ اسی ماں کی خدمت کا صلہ ہے اور اسی ماں کی التجاؤں کا اثر ہے۔

میں نے جلسے پر جانا ہوتا تو وہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیتی کہ یااللہ میرے بیٹے کو فتح دینا۔ اس کی شفقت اور مامتا کا ایک واقعہ ہے جو مجھے زندگی بھر نہیں بھولے گا۔ شہر میں عید میلاد النبی ﷺ کا جلسہ تھا۔ جس میں میں نے تقریر کرنی تھی۔ شام کے بعد میں اجازت لے کر اور پاؤں کو بوسہ دے کر جلسہ گاہ کی طرف چلا گیا۔ شہر کے چند احباب نے راستہ میں ٹھہرا لیا۔ دیر ہوگئی اور وہاں جلسہ شروع ہو چکا تھا۔ اور وہاں ابھی پہنچا نہیں تھا۔ بس اتنا سنتے ہی ماں نے کلیجہ پکڑ لیا اور فرش پر ہی سربسجود ہوگئی اور پھر ننھے خاں کے پاس گئی۔ جو میرا سیکرٹری تھا۔ اور بیمار ہونے کی وجہ سے میرے ساتھ نہ جا سکا تھا۔ اس سے کہا ننھے خاں ابھی تک میرا بیٹا جلسہ میں نہیں پہنچا۔ وہاں سے آدمی آئے ہیں۔ جلسہ شروع ہو چکا تھا۔ اور میں نے تقریر شروع کر دی تھی۔ جلسہ پورے شباب پر تھا۔ اور حاضرین بڑے ذوق و شوق سے اپنے نبی کی شان پاک کو سن رہے تھے۔ کہ اچانک ننھے خاں سٹیج پر نمودار ہوا۔ میں گھبرا گیا۔ کہ یہ تو بیمار تھا۔ کیوں آیا ہے۔ خدا خیر کرے۔ میں نے تقریر بند کر دی۔ ننھے خاں سے پوچھا کیوں خیر تو ہے۔ اس نے ساری بات بتائی اور کہا کہ اماں جی بھی ساتھ آئی ہیں۔ وہ باہر تانگے میں بیٹھی ہیں۔ میں سٹیج پر سے اترا۔ ماں کے پاس گیا۔ پاؤں چومے۔ انہوں نے گلے لگا لیا۔ دعا دی۔ اور پھر میری ماں کی موت سبحان اللہ۔ تیسرا روزہ تھا اور جمعرات کا دن...... اور صبح کے دس بجے تھے۔ وضو کیا.. کپڑے بدلے... بستر صاف کیا۔ اور پھر کلمۂ شہادت پڑھتی ہوئی رخصت ہوگئی۔ خدا ہر مسلمان مرد اور عورت کو ایسی موت اور ایسا مقدس دن نصیب فرمائے۔ آمین!

اس لئے کہ خاتون جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وصال پاک کا بھی یہی دن تھا یعنی تیسرا روزہ تھا اور پھر جنازے پر ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں کا اجتماع تھا۔ نماز جنازہ حضرت علامہ مولانا محمد سلیم صاحب نے پڑھائی۔ اور جامع مسجد ''الفردوس'' منصور آباد میں

سپردِ خاک کردیا گیا۔

سیدۂ عالم کو چونکہ امام عالی مقام کی طرف سے تیاری کرنے کا حکم مل چکا تھا۔اس لئے وہ واپس گھر آتے ہی رخت سفر باندھنے میں مصروف ہوگئیں اور پھر سیدۂ زینب رضی اللہ عنہا نے سامان کی ایک چھوٹی سی گٹھڑی باندھی اس گٹھڑی میں لعل و جواہرات نہیں تھے۔ریشمی چادریں نہیں تھیں۔سونے اور چاندی کے برتن نہیں تھے۔اس گٹھڑی میں دو سیر ستو تھے۔مٹی کے چار پیالے تھے۔پانی کا ایک مشکیزہ تھا۔جو کی چند روٹیاں تھیں۔کھجور کا ایک مصلیٰ تھا۔ماں فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ایک چادر تھی۔بھائی حسن رضی اللہ عنہ کا ایک پٹکا تھا۔باپ علی رضی اللہ عنہ کی ایک تلوار تھی۔اور نانے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دستار تھی۔

سامان سفر تیار ہوگیا تو سیدہ زینب نے ان گھروں کو جندرہ لگایا جن میں قرآن پاک نازل ہوتا تھا۔حضرت جبریل آیا کرتے تھے۔رسول پاک جلوہ افروز ہوا کرتے تھے۔نگاہ فطرت دیکھا کرتی تھی۔

جندرے مار گھراں نوں زینب کردی گریہ زاری
وطناں والیو خیریں دھساڈی کوچ تیاری

میں ٹر چلی آں چھوڑ مدینہ بھائی پتر بھتیجے لے کے
میں دین نبی دی آن بچاواں سرپتر اندے دیکے

سن لو شہر مدینے دیو لوکو مینوں پیا عمر دا رونا
مڑ میں جدو طناں ول آساں میرے نال کوئی نئیں ہونا

آج اصغر و اکبر بھی ساتھ ہیں۔عون و محمد بھی ہمراہ ہیں۔اور میرے ویر عباس و حسین بھی جا رہے ہیں مگر جب میں واپس مدینہ آؤں گی تو نہ اکبر ساتھ ہوگا نہ اصغر نہ عون و محمد ہوں گے اور نہ عباس و حسین!

امام عالی مقام نے بہن کی آواز سنی تو پاس آئے۔بہن کے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا......بہن صابروں کی اولاد ہو صبر کرو......کہیں نانا مصطفےٰ ناراض نہ ہو جائے۔

پھر امام نے بہن کے سر پر ہاتھ رکھا۔اکبر نے ام کلثوم کی انگلی پکڑی اور عباس نے شہر

بانو کو سہارا دیا...... امام نے فرمایا...... چلو نکل چلیں......

آخر کار او وقت بھی آن پہنچا لکھیا جو تقدیر نوشتیاں نے
دھیاں جدوں رسول دیاں باہر آیاں لیاں اکھیاں میٹ فرشتیاں نے
پنچھی مار اڈاریاں غیب ہوگئے حوراں تڑفیاں عرش عظیم کمبیا
بندے بشر کی پتھر بھی رون لگ پئے نالے روضۂ دریتیم کمبیا

صبح کے ستارے نے رات کی سیاہی کا پردہ چاک کیا۔ اور مؤذن کی صدائے توحید و رسالت نے مدینہ والوں کو فجر کی نماز کے لئے بلایا اور پھر سورج طلوع ہوا اور در و دیوار روشن ہو گئے۔ رات کا اندھیرا ختم ہو گیا...... اور مدینہ منورہ کے رہنے والوں کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مدینہ چھوڑ کر جانے کا اس وقت پتہ چلا جس وقت اونٹوں پر سامان لادا جاچکا تھا۔ کجاوے تیار ہو چکے تھے۔ ناموس رسالت کی پردہ دار بیبیاں شکستہ سی عماریوں پر سوار ہو چکی تھیں۔ اور شہزادہ علی اکبر رضی اللہ عنہ اونٹوں کی مہار پکڑ چکا تھا۔

مدینہ والوں نے اہل بیت کے اس مقدس اور نورانی قافلے کو مدینہ سے رخصت ہوتے دیکھا تو ایک کہرام مچ گیا۔ ایک حشر برپا ہو گیا۔ اور ایک قیامت آ گئی...... مدینہ کے مردوں۔ عورتوں۔ بوڑھوں اور بچوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قدم پکڑ لئے۔ بچوں نے عون و محمد رضی اللہ عنہما کے ہاتھ تھامے۔ عورتیں بی بی زینب کی عماری سے لپٹ گئیں۔ جوانوں نے علی اکبر کے پاؤں پکڑے۔ اور بوڑھوں نے امام پاک کا دامن کھینچا...... راستہ روکا گیا۔ درخواستیں کی گئیں اور واسطے دیئے گئے...... مگر چونکہ نواسۂ رسول کا ارادہ اٹل تھا۔ نیت پکی تھی...... حوصلہ بلند تھا۔ اور دل مضبوط اس لئے نہ ہی مردوں کی منتیں کام آئیں۔ اور نہ ہی عورتوں کے واسطے۔ نہ ہی بوڑھوں کی التجائیں قبول ہوئیں اور نہ ہی بچوں کا رونا۔

اہل مدینہ نے عرض کی۔ آقا حسین خدا کے لئے کوفہ نہ جاؤ۔ نواسۂ رسول مسکرایا اور فرمایا۔ مدینہ والو تمہاری خیر خواہی کا شکریہ۔ تمہاری ہمدردی قابل تحسین اور تمہاری محبت و عقیدت کے نثار...... مگر

مجھے جانا پڑے گا عظمت قرآن کی خاطر
مجھے جانا پڑے گا خدمت ایمان کی خاطر
نہیں جاتا تو پھر حیدر کے گھر کی آن جاتی ہے
تمہارا دین میری غیرت ایمان جاتی ہے
میں جاتا ہوں کہ دنیا میں وفا کا نام رہ جائے
میرا کچھ نہ رہے لیکن خدا کا نام رہ جائے

فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لال کی بیمار بیٹی صغرا کو ابھی تک یہ یقین تھا کہ وہ بھی ساتھ ہی جا رہی ہے۔ لیکن اسے اپنے بھائیوں سے بچھڑنے۔ پھوپھی زینب سے جدا ہونے کا عون ومحمد سے دور رہنے کا۔ ماں شہر بانو کی شفقت سے محرومی کا۔ اور باپ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سایۂ عاطفت سے علیحدہ ہونے کا اس وقت پتہ چلا۔ جب امام پاک نے اپنی بیمار بیٹی کو کلاوے میں لے کر روتی ہوئی آنکھوں سے فرمایا۔ بیٹی تم بیمار ہو۔ اس لئے مدینہ ہی میں رہو۔

شفیق باپ کی زبان سے یہ سن کر صغرا بے ہوش ہو کر گر پڑی ہوش آئی تو پھوپھی زینب کے دامن سے لپٹ گئی...... کبھی ابا حسین رضی اللہ عنہ کے پاؤں پکڑتی اور کبھی قاسم اور عباس کے آگے ہاتھ جوڑتی۔ کہ قافلے والو خدا کے لئے مجھ بیمار کو بھی ساتھ لے چلو...... وہ ماں کے دامن سے لپٹ کر روئی۔ باپ کے قدموں میں گر کر چلائی۔ اور وہ بھائیوں کے پاؤں پکڑ کر چیخی۔ مگر اس کا رونا کام نہ آیا اور اس کی فریاد سودمند نہ ہو سکی۔ اور وہ پھر باپ کے پاؤں سے لپٹ گئی۔ ہاتھ جوڑے اور عرض کی بابا! مجھے کس کے سہارے چھوڑ کر جا رہے ہو۔ یہاں میرا کون ہے میں کہاں جاؤں گی۔ کدھر دیکھوں گی۔ اور کسے پکاروں گی۔ ہائے ابا جان! میں بیمار ہوں۔ دوا کون دے گا۔ دکھی ہوں حال کون پوچھے گا۔ تڑپوں گی تو سہارا کون دے گا۔ روؤں گی تو چپ کون کرائے گا۔ خدا کے لئے مجھے ویروں سے جدا نہ کرو۔

کدے آسرے تے چھڈ چلیا ایں اتھے کون میرا غمخوار بابا
بعد مرن دے جندڑے وچ دے نے تے توں جیوندیاں چلیا ایں مار بابا

روندی رہاں گی ویراں نوں یاد کر کے کون دیوے گا مینوں پیار بابا
چکی جاواں گی جانماز تیرا کر لے باندیاں وچہ شمار بابا

بیٹی صغرا کی فریاد سن کر امام پاک کا جی بھر آیا۔ آنسو رک نہ سکے اور دل قابو میں نہ رہا۔ بیٹی کو گلے لگایا اور فرمایا۔ بیٹی حوصلہ رکھو۔ اور صبر کرو گھبراؤ نہیں تم خدا کے حوالے اور نانے مصطفیٰ کے سپرد۔ اور پھر فرمایا۔ بیٹی! منزل دور ہے اور راستہ دشوار ہے۔ گرمی سخت ہے۔ اور تمہیں بخار ہے۔ اس لئے تم یہیں رہو ایک مہینے کے بعد علی اکبر رضی اللہ عنہ آئے گا اور تمہیں لے جائے گا۔

صغرا نے عرض کی۔ ابا جان! کیا ہوا۔ جو منزل دور ہے۔ کیا ہوا جو راستہ دشوار ہے۔ کیا ہوا جو مجھے بخار ہے۔ اور کیا ہوا جو سواری نہیں۔ تو نہ سہی۔

تجھ سے کوئی سواری نہ لوں گی
کربلا تک میں پیدل چلوں گی
اپنا دکھ نہ بتاؤں گی تجھ کو
راہ میں نہ ستاؤں گی تجھ کو
جب کبھی دل گھبرائے گا میرا
دیکھ لوں گی میں اصغر کا چہرہ
خالی جھولا جھلاؤں گی کس کو
لوریاں دے سلاؤں گی کس کو
میری امید نہ توڑ بابا
نہ اکیلی مجھے چھوڑ بابا

ابا جان! مجھے سواری کی ضرورت نہیں ہے۔ جس گھوڑے پر میرا ویرا اصغر سوار ہوگا۔ میں اس گھوڑے کے آگے آگے دوڑتی جاؤں گی۔ گرم لو کے تھپیڑے قبول ہیں۔ بھوک اور پیاس منظور ہے۔ پہاڑوں سے ٹکرا جاؤں گی۔ ندیاں چیر لوں گی۔ مگر خدا کا واسطہ مجھے چھوڑ کے نہ جاؤ۔ بیٹی سمجھ کے نہ سہی قافلے کی خادمہ سمجھ کے ہی لے چلو۔ میں راستے میں کسی کو نہ ستاؤں

گی۔ ہر ایک کا حکم مانوں گی۔ مجھے بھی ساتھ لے جاؤ۔

اور جب صغرا نے دیکھا کہ باپ کسی صورت بھی لے جانے پر راضی نہیں ہوتا تو بیمار بچی نے حسرت بھری نگاہوں سے بھائی علی اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا شہزادہ سمجھ گیا کہ بہن کیا کہنا چاہتی ہے۔علی اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی ابا جان! آج اگر آپ کی بہن زینب رضی اللہ عنہا آپ کے ساتھ جا سکتی ہے۔تو میری بہن صغرا میرے ساتھ کیوں نہیں جا سکتی۔سیدہ کے لال نے پرسوز آہ بھری۔اور فرمایا بیٹا علی اکبر رضی اللہ عنہ تو نے ٹھیک کہا ہے مگر مجھے فکر ہے کہ تمہاری بہن صغرا کربلا کا خونیں منظر دیکھ کر ڈر نہ جائے اور میری بہن زینب نے تو کربلا کے میدان میں تمہاری لاشوں کا پہرہ دینا ہے۔اور پھر تمام نے بی بی صغرا رضی اللہ عنہا کو پیار کیا گلے لگایا۔سر منہ چوما اور پھر قافلے میں ایک حشر برپا ہو گیا۔ ہر ایک جی بھر کے رویا۔اور پھر ان کے ساتھ زمین والے بھی روئے اور آسمان والے بھی۔فرش والے بھی روئے اور عرش والے بھی اور حور و غلمان بھی روئے اور جنت کے رضوان بھی۔اور روتے بھی کیوں نہ! باپ حسین رضی اللہ عنہ اپنی بیمار بچی سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو رہا تھا۔ماں شہر بانو! اپنی لخت جگر کو چھوڑ کر جا رہی تھی۔ بھائی علی اکبر رضی اللہ عنہ اپنی پیاری بہن سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہا تھا۔اور عون محمد رضی اللہ عنہما اور قاسم و عباس تا ابد بچھڑ رہے تھے۔

امام پاک نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی۔اور پھر بارگاہ رب العزت میں ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔

یارب یتیم و بیکس و تنہا کی خیر ہو
میں جا رہا ہوں اور میری صغرا کی خیر ہو

اور پھر آخری بار مدینہ کے در و دیوار کو دیکھا۔اور گنبد خضریٰ کی طرف نگاہ اٹھائی اور یہ کہتے ہوئے قافلے کو کوچ کا حکم دیا۔

اے باغبان گلشن توحید الوداع
میں جا رہا ہوں تیری بہاروں کو چھوڑ کر (درازی)

پھر مدینہ والوں نے سنا۔مدینہ پاک کے در و دیوار سے آوازیں آ رہی تھیں۔خاک کے ذروں سے صدائیں بلند ہو رہی تھی......سنگریزے پکار رہے تھے اور پتھر فریاد کر رہے

تھے..... کہ

مسلمانوں نہ جانے دو نبوت کے خلاصے کو
خدارا روک لو آ کر محمد کے نواسے کو

کیا یہ مدینہ پاک کے درو دیوار کی آوازیں تھیں؟
کیا یہ سنگریزے پکار رہے تھے؟ اور کیا یہ فریاد پتھر کر رہے تھے..... نہیں یہ محمد کی آواز تھی..... علی رضی اللہ عنہ کی صدا تھی اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فریاد تھی..... کہ ہمارا حسین رضی اللہ عنہ پھر واپس نہیں آئے گا..... یہ چاند تم سے ہمیشہ کے لئے چھپ رہا ہے..... زمانہ اس کی صورت دیکھنے کو ترسے گا اور مسلمان اسکے غم میں قیامت تک روتے رہیں گے.....

اور پھر اہل بیت اطہار کا یہ مقدس قافلہ آہستہ آہستہ روانہ ہو گیا۔ اور جب تک قافلہ اور پھر قافلے کی دھوڑ بی بی صغرا کو نظر آتی رہی وہ دروازے پر کھڑی دیکھتی رہی۔ اور روتی رہی۔

منزل دورتے اوکھے پینڈے چلیاں سید مہاراں
وچہ دروازے بی بی صغرا کردی رہی پکاراں

دنیا والو! دیکھو..... اور غور سے دیکھو..... چشم ظاہر سے نہیں۔ دل کی آنکھوں سے دیکھو..... اور نگاہوں سے تعصب کے پردے اٹھا کر دیکھو کہ مدینہ چھوڑ کر کون جا رہا ہے؟ حسین رضی اللہ عنہ ابن علی رضی اللہ عنہ! نہیں نہیں صرف حسین رضی اللہ عنہ ہی نہیں بلکہ یہ مدینہ کی روح جا رہی ہے۔ مدینہ کی جان جا رہی ہے۔ مدینہ کی رونق جا رہی ہے۔ مدینہ کی دولت جا رہی ہے اور مدینہ کی برکت جا رہی ہے۔ نہیں نہیں صرف یہی نہیں بلکہ اسلام کا دل جا رہا ہے۔ دین کا بازو جا رہا ہے۔ ناطق قرآن جا رہا ہے اور امن و سلامتی کا فرشتہ جا رہا ہے۔ اور بقول خواجہ اجمیری حقا کہ بنائے لَآ اِلٰہَ است ''حسین رضی اللہ عنہ'' جا رہا ہے۔

غم حسین رضی اللہ عنہ رکھنے والو..... ان کے مصائب پر آنسو بہانے والو اور ان کی محبت میں یا حسین رضی اللہ عنہ کا نعرہ لگانے والو وہ دیکھو.....

کارواں حرکت میں آیا سرفرازوں کا
روانہ ہو رہا ہے قافلہ ایماں نوازوں کا

شہنشاہ امامت سب سے آگے ہیں سواری پر
خواتین حرم پیچھے ہیں باپردہ عماری پر

الغرض! اہل بیت کا یہ نورانی قافلہ مدینہ منورہ سے نکل کر مکہ مکرمہ پہنچا۔ مرکز حسن و جمال سے نکل کر منبع جاہ و جلال میں پہنچا۔ دیار مصطفیٰ کو چھوڑ کر خانۂ خدا میں آ گیا۔ اور کوچۂ صاحب لولاک سے جدا ہو کر اللہ کے حرم پاک میں داخل ہو گیا۔

مگر پیچھے اکیلی بیمار رہ جانے والی صغریٰ رضی اللہ عنہا کو نہ چین تھا نہ قرار...... نہ صبر تھا نہ سکون...... وہ ہر وقت اداس رہتی۔ نہ دن کو آرام کرتی نہ رات کو سوتی دل بے تاب ہو جاتا تو نانے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے کی دیواروں سے لپٹ کر رو لیتی۔ نہ کوئی سہارا تھا اور نہ کوئی آسرا۔ کوئی ہمدرد تھا اور نہ کوئی خیر خواہ۔ صبح ہوتی تو وہ ٹوٹے ہوئے حجرے کے دروازے پر آ کر بیٹھ جاتی اور ہر آنے جانے والے سے پوچھتی۔ او اللہ کے بندو! کوئی تو مجھے میرے باپ کا پتہ بتاؤ۔ میری ماں کی خبر دو۔ اور میرے ویروں کا حال سناؤ لوگ آتے اور گزر جاتے۔ اور کوئی بھی صغرا کے ویروں کی خبر نہ دیتا۔ شام ہوتی تو مایوس ہو کر اور تصویر غم و حسرت بن کر اس مقام پر چلی جاتی جس مقام پر اس کے بھائی علی اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کو آخری بار گلے لگایا تھا۔ تو بھائی کے پاؤں کے نشانوں کو چومتی۔ اس جگہ پر لیٹتی۔ آہیں بھرتی اور نالہ و فریاد کرتی۔

ایک شام گئی تو وہ نشان مٹ چکے تھے۔ بے ہوش ہو کر گر پڑی ہوش آئی تو فریاد کرنے لگی۔ کہ

مٹ گئے نقش قدم دے ویرن میریاں اکھیاں لایا ساون
ویکھ کے جندڑے گھراں نوں وجے مینوں ویہڑا آوے کھاون
ڈگر ویلے کڑیاں اتھے جد اپنے ویر کھڈاون
سجھ بھراواں موئی مینوں میتھوں اپنے ویر چھپاون

مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران امام پاک کو کوفہ والوں کے متعدد خط اور قاصد آ چکے تھے۔ کہ ہم آپ کے غلام ہیں۔ نام لیوا ہیں۔ اور آپ کو ہی خلافت کا حق دار سمجھتے ہیں۔ اسلئے آپ

کوفہ میں فوراً تشریف لاکر ہماری قیادت وسیادت قبول فرمائیں۔اور ہمیں یزید کے فسق وفجور اوراس کی غیر اسلامی حکومت اور غیر دینی طرز سلطنت سے نجات دلائیں۔

کوفہ والوں کی اس عقیدت ومحبت کے پیش نظر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ،حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کو وہاں بھیج چکے تھے۔اور پھر حضرت مسلم رضی اللہ عنہ نے بھی کوفہ والوں کا جوش وخروش اور ان کی عقیدت وارادت کو دیکھ کر امام عالی مقام کو لکھ دیا تھا۔کہ کوفہ والے واقعی ہمارے لئے اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہیں اور یزید کی غیر اسلامی اور شخصی حکومت اور اس کے فسق وفجور کے خلاف مرمٹنے کا وعدہ کرتے ہیں۔اس لئے آپ فوراً تشریف لے آئیں۔اور پھر کوفہ والے جنہوں نے یزید کے خلاف اپنی جانیں قربان کردینے کا عہد کیا تھا۔ابن زیاد کے ظلم وستم اور یزید کے قہر وغضب کے خوف سے رات کو حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے دن کو انہیں کے خون کے پیاسے ہو گئے۔اور حضرت مسلم رضی اللہ عنہ اور آپ کے دونوں یتیم بچوں کو بھی شہید کر دیا۔

یہ عجیب اتفاق سمجھیے کہ جس دن حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کوفہ میں شہید ہوتے ہیں۔اسی دن حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مکہ سے کوفہ کو روانہ ہوتے ہیں۔

مکہ مکرمہ سے

میدان کربلا تک

حضرت عبداللہ ابن زبیر یزید کے بدارادوں اور پھر حاکم مدینہ ولید بن عقبہ کے یزید کی بیعت ہے، لئے کہنے کے بعد مدینہ منورہ سے پہلے ہی مکہ مکرمہ آ گئے تھے اور جب ان کو اور دوسرے مسلمانوں کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی کوفہ کو روانگی کا پتہ چلا تو پھر حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی۔ اے نواسۂ رسول اور اے جگر گوشۂ بتول کوفہ والے اپنی بدعہدی اور بے وفائی میں مشہور ہیں اور ہمیں فکر ہے کہ کہیں آپ کے ساتھ بھی کوئی دھوکہ نہ ہو۔ اس لئے آپ کوفہ جانے کا ارادہ ملتوی کر دیں اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ جب تک ہماری زندگی ہے آپ کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکے گا۔ مگر حضرت عبداللہ ابن زبیر اور دوسرے اکابرین اسلام کی یہ درخواست امام پاک نے قبول نہ کی اور فرمایا کہ مجھے اپنے نانے پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ فرمان یاد ہے کہ ایک دنبہ حرم کعبہ میں ذبح کیا جائے گا جس کی وجہ سے کعبۃ اللہ کی بے حرمتی ہوگی اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ دنبہ میں ہی نہ ہوں اور کہیں میری وجہ سے کعبۃ اللہ کی بے حرمتی نہ ہو۔ جب امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے ارادے سے کسی صورت بھی باز نہ آئے تو عرض کی کہ اچھا اگر آپ نے ضرور جانا ہی ہے تو جائیں مگر ان پردہ دار بیبیوں اور معصوم بچوں کو تو ساتھ نہ لے جائیں مگر سیدہ کے لال نے ان کی یہ تجویز بھی رد کر دی اور فرمایا کہ میں آخری وقت اپنے بچوں کو جدا نہیں کر سکتا۔

ہلال عید نے نمودار ہو کر لوگوں کو عید الاضحیٰ کی مسرتوں کی مبارکباد دی اور دنیائے اسلام کو سنت ابراہیمی کو زندہ کرنے کا پیغام دیا اور توحید و رسالت کے پرستاروں کو حج بیت اللہ کی راہ

دکھائی اور طواف کعبہ کے لئے اپنا چراغ جلایا اور پھر عیدالاضحیٰ کا چاند مسلمانوں میں ایثار وقربانی کے جذبے کو زندہ کر کے ڈوب چکا تھا۔اور صبح کے چہرے پر شام کی زلف سیاہ بکھر چکی تھی اور صفاو مروہ کی پہاڑیاں حضرت ہاجرہ کے شعار کو دیکھنے کے لئے دور دور سے آنے والے مسلمانوں کی راہ دیکھ رہی تھیں اور کھجوروں کے گچھے ذکر الٰہی میں جھوم رہے تھے اور آب زمزم مسلمان مسافروں کی پیاس بجھانے کے لئے موجزن ہو چکا تھا۔اور رات آدھی بیت چکی تھی کہ دوش رسول کا سوار چپکے سے خانہ کعبہ میں داخل ہوا۔دو نفل پڑھے اور بارگاہ رب العزت میں ہاتھ پھیلا کر دعا کی کہ اے میرے معبود حقیقی! عین اس وقت جب عیدالاضحیٰ قریب آ رہی ہے اور مسلمان تیرے گھر کا طواف کرنے کے لئے دور دور سے چلے آ رہے ہیں۔تیرا حسین رضی اللہ عنہ اور تیرے محبوب کا حسین رضی اللہ عنہ تیرے گھر کو چھوڑ کر پردیس جا رہا ہے۔اور تیرے گھر کے یہ درو دیوار جو میرے لئے سایۂ رحمت ہیں آج میں ان سے رخصت ہو رہا ہوں اور تیرے گھر کی عزت اور صحن کعبہ کی حرمت کی خاطر تیرے گھر کو چھوڑ رہا ہوں۔اے پروردگار دو عالم میری خطائیں بخش دے۔اے خالق کائنات میری غلطیاں معاف کر دے اور اے رب ذوالجلال اپنے پیارے محبوب پاک کا صدقہ مجھے توفیق عطا کر کہ تیرے اور تیرے رسول کے دشمنوں کے ظلم وستم ہنسی خوشی برداشت کر لوں اور مجھے ایسا حوصلہ بخش کہ پیش آنے والی مصیبتوں میں ثابت قدم رہوں اور مجھے اتنی ہمت عطا کر کہ کربلا کے حق وباطل کے خونیں معرکے میں میرے قدم ڈگمگا نہ جائیں۔

اے اللہ کے گھر کی مقدس دیوارو۔السلام! اے مکہ کی پہاڑیو! الوداع......اے صحن کعبہ خدا حافظ!

اور پھر مؤذن کی صدائے توحید ورسالت نے دامن شب کو چاک کیا تو سیدہ کا لخت جگر فجر کی نماز حرم خداوندی میں ادا کر کے گھر تشریف لے آیا اور عزیز واقارب اور اپنے ساتھیوں کو روانگی کا حکم دیا......اور پھر گلشن اسلام کو اپنے خون سے سینچنے کے لئے...... کشتی دین واسلام کو کنارے پر لگانے کے لئے اور یزید کے ہاتھوں لٹتی ہوئی امانت الٰہیہ کو بچانے کے لئے عترت پیغمبر کا یہ نورانی گھرانہ اور خاندان نبوت کا یہ مقدس قافلہ صرف بہتر (۷۲)

جانثاروں پر مشتمل ۳ ذوالحجہ ۶۰ھ کو بیت الامن کو چھوڑ کر صحرائے حزن کی طرف روانہ ہو گیا۔
دنیا والو! وہ دیکھو! اور غور سے دیکھو...... ظاہری آنکھوں سے نہیں دل کی آنکھوں سے دیکھو...... نگاہوں سے تعصب کے پردے ہٹا کر دیکھو...... اور نظروں سے بغض و عناد کی پٹیاں اتار کر دیکھو! کہ یہ کون جا رہا ہے؟ کہاں جا رہا ہے؟ اور کیوں جا رہا ہے؟ سنو! اور غور سے سنو! یہ قافلہ سالار عشق حسین رضی اللہ عنہ ہے۔ جو مرکز عشق سے شہادت گاہ حسن رضی اللہ عنہ کی طرف اپنا سر کٹوانے جا رہا ہے۔ یہ دوش مصطفیٰ کا سوار ہے۔ جو آرام گاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکل کر دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے مقابلہ میں شریعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے اپنے مقتل کی طرف قربان ہونے جا رہا ہے...... یہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا لال ہے جو آغوش فاطمہ رضی اللہ عنہا کو چھوڑ کر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دودھ کی لاج رکھنے کے لئے اپنے سر کو نیزے پر چڑھانے کے لئے کربلا کے خونیں میدان کی طرف جا رہا ہے۔ اور یہ حیدر کا لاڈلا ہے، جو شان حیدر دکھانے کے لئے کوفہ کے ریگستان کی طرف جا رہا ہے...... اور یہ ناطق قرآن ہے جو آئین قرآن کو زندہ رکھنے کے لئے دشت کربلا میں نیزے پر چڑھ کر قرآن سنانے جا رہا ہے۔

میرے آقا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر جنگ کرنے کے ارادے سے جانے کا الزام لگانے والے خارجیو! اور حصول خلافت کی خاطر لڑنے کا بہتان باندھنے والے یزیدیو! اور یزید کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کا شور مچانے والے یزید کے حامیو! مجھے بتاؤ کہ کیا کسی دشمن کے مقابلے میں لڑنے کے ارادے سے جانے والا اس بے سروسامانی کے ساتھ جاتا ہے اور بے کسی و تنہائی کے عالم میں جاتا ہے اور کیا وہ چھ سال کی معصوم بچی کو ساتھ لے کر جاتا ہے اور کیا وہ چھ ماہ کے شیر خوار بچے کو اپنے دامن میں چھپا کر آتا ہے اور کیا وہ بیس ہزار کے لشکر کے مقابلے میں صرف بہتر (۷۲) اور نہتے انسانوں کا قافلہ لے کر آتا ہے؟ اگر یہ درست ہے تو ثابت کرو اور اگر نہیں، اور یقیناً نہیں۔ تو پھر اپنے اس گمراہ کن عقیدے سے توبہ کرو۔

ناموس رسالت کا یہ نورانی قافلہ بڑے ہی صبر و سامان کے ساتھ ذکر الٰہی کرتا ہوا آگے

بڑھتا گیا اور منزل قریب آتی گئی۔ یہاں تک کہ قافلہ صفاح میں پہنچ گیا خیمے نصب کر دیئے گئے اور پھر ظہر کی نماز کے لئے وضو کر کے قافلہ سالار کی امامت میں سر بسجود ہو گئے۔

امام پاک نماز سے فارغ ہوئے تو فرزدق شاعر سے ملاقات ہوئی جو کہ کوفہ سے آ رہا تھا اور محب اہل بیت تھا۔ آپ نے فرزدق سے کوفہ والوں کا حال دریافت کیا۔ فرزدق نے جواب دیا۔ آقا! کوفہ والوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں مگر تلواریں بنو امیہ کے ساتھ ہیں۔ اس لئے میں التجا کرتا ہوں کہ آپ کوفہ جانے کا ارادہ ترک کر کے واپس چلے جائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کو کوئی دکھ پہنچے۔ آپ نے فرمایا۔ فرزدق تمہارے اس مشورے کا شکریہ! تمہاری محبت وعقیدت کا شکریہ..... مگر

ہمارا ہر قدم منشائے قدرت کے مطابق ہے
سفر آل محمد ﷺ کا مشیت کے مطابق ہے

اور

مشیت کے مقابل سر جھکا دینا ہی لازم ہے
رضائے یار پر سب کچھ لٹا دینا ہی لازم ہے

میرے وہ قدم جو اللہ کی راہ میں آگے بڑھ چکے ہیں۔ اب پیچھے نہیں ہٹ سکتے۔ میر کاروان عشق نے اپنے جانثار ساتھیوں کو کوچ کا حکم دیا اور اہل بیت کا قافلہ مقام صفاح سے بھی آگے کو روانہ ہو گیا۔ توحید ورسالت کی صدائیں بلند کرتا ہوا یہ کارواں آگے بڑھتا گیا۔ کہ راستے میں طرح بن عدی سے ملاقات ہوئی جو کوفہ ہی سے آ رہا تھا۔ اس نے گھوڑے سے اتر کر نواسۂ رسول ﷺ کے قدموں کو بوسہ دیا۔ امام عالی مقام نے اس سے بھی عراق والوں کے ارادوں کے متعلق پوچھا۔ اس نے بھی جواب دیا کہ اے سیدہ کے لال! میں نے قادسیہ کے مقام پر ایک بہت بڑا لشکر جرار دیکھا ہے جو صرف آپ سے لڑنے کے لئے تیار کھڑا ہے اور آپ کے ساتھ تو پردہ دار خواتین اور شیر خوار بچے ہیں۔ خدا کا واسطہ دیکر درخواست کرتا ہوں کہ یہاں سے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھیے ورنہ ڈر ہے کہ آپ کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائیں اور اگر آپ کسی ایسی جگہ جانا چاہتے ہیں کہ جہاں دشمنوں

کا کوئی خوف نہ ہو تو میرے ساتھ چلے آئیں میں آپ کو کسی محفوظ مقام پر لے چلتا ہوں اور پھر ایک دو دن میں عدی قبیلہ کے بیس ہزار بہادروں کی تلواریں آپ کی حفاظت کے لئے تیار ہو جائیں گی۔ مگر اس اللہ کے شیر نے طرح بن عدی کی درخواست کو بھی یہ کہہ کر رد کر دیا کہ اللہ کی راہ میں جان دینے سے ڈرنا کفر ہے اور پھر امیر کارواں نے قافلے کو آگے چلنے کا حکم دیا اور پھر عترت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقدس قافلہ بڑے ہی عجز و انکساری کے ساتھ تصور یار میں گردنیں جھکائے آگے روانہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ ثعلبیہ کے مقام پر خیمہ زن ہو گیا اور یہاں پر بکر اسعدی آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ وہ بھی کوفہ ہی سے آ رہا تھا اس نے امام عالی مقام کے قدم چومے علی رضی اللہ عنہ کے نور نظر نے اس سے بھی کوفہ کا حال معلوم کیا۔ تو اس نے بھی عرض کی یا حضرت! ابن زیاد نے عمرو بن سعد کو آپ کے قتل کے لئے روانہ کر دیا ہے اور وہ ایک بھاری لشکر لے کر قادسیہ میں اتر چکا ہے اور آپ کا منتظر ہے اس لئے خدا کے لئے کوفہ جانے سے باز رہیے اپنے بال بچوں پر رحم کیجیے۔ اپنے اقارب پر ترس کھائیے اور پردہ نشین عورتوں پر کرم فرمائیے اور آگے نہ بڑھیئے کوفہ والوں نے حضرت مسلم رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں بچوں کو بھی شہید کر دیا ہے اگر آپ وہاں گئے تو آپ کی جان کا خطرہ ہے۔ امام عالی مقام نے اس کے حق میں دعا کی اور اس کی التجا بھی یہ کہہ کر قبول نہ کی کہ اب واپس مڑ کر میں علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت کو دھبہ نہیں لگا سکتا۔

حضرت مسلم رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں بچوں کی شہادت کی خبر سن کر ایسا صدمہ ہوا کہ رات اسی مقام پر بسر کی۔ حضرت مسلم رضی اللہ عنہ اور ان کے بچوں کی شہادت کا خیال امام پاک کو بار بار پریشان کر رہا تھا کہ بھائی مسلم رضی اللہ عنہ نے اپنی جان بھی دے دی اور اپنی عمر بھر کی کمائی دونوں بچوں کو بھی مجھ پر قربان کر دیا حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کی یتیم بچی جو اس سفر حق وصداقت میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی۔ اس کو بار بار دیکھتے اور اس کی یتیمی کا احساس کرتے آبدیدہ ہو جاتے۔ سیدہ کے لال نے بہت کوشش کی کہ باپ اور بھائیوں کی شہادت کی خبر اس بچی تک نہ پہنچے۔ مگر ضبط نہ ہو سکا اور بے اختیار بچی کو گلے لگا لیا بار بار اپنا دست شفقت اس کے سر پر پھیرتے وہ نو سال کی انجان بچی نہ سمجھ سکی کہ آج بے پناہ

شفقت میں راز کیا ہے۔ بچی نے کئی بار چچا حسین رضی اللہ عنہ کے چہرے پاک کو دیکھا۔ تو اسے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سرکو بوسہ دیا تو معصوم سی بچی نے عرض کی، چچا جان! میرے ابا جان کی خیر تو ہے۔ آج آپ مجھے ایسے پیار کر رہے ہیں۔ جیسے یتیموں سے کیا جاتا ہے۔ چچا جان! بولئے تو سہی! آپ رو کیوں رہے ہیں؟ میرے ابا تو خیریت سے ہیں بچی کی اس گفتگو سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا دل بھر آیا اور بے اختیار ہو کر بچی سے لپٹ گئے۔ اور فرمایا! بیٹی آج سے تیرا باپ میں ہوں۔ تیری ماں شہر بانو ہے اور تیرے بھائی اکبر اور اصغر ہیں۔ حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کی بیٹی اگر چہ انجان تھی۔ مگر امام پاک کی اس گفتگو سے پھر بھی سمجھ گئی کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا ہے۔ بھائی ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے ہیں اور میں یتیم ہو گئی ہوں۔ لیکن تسلی کے لئے پھر پوچھا کہ چچا حضور! کیا میرے ابا جان! اور بھائی شہید ہو چکے ہیں؟ سید کے لال نے حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کی اس معصوم بچی کو گود میں اٹھا لیا اور فرمایا۔ ہاں بیٹی تمہارے باپ سید ہونے کا حق ادا کر گئے ہیں اور انہوں نے خاندان کی لاج رکھ لی ہے اور دنیا کو بتا گئے ہیں کہ دین کے معاملہ میں جان کوئی چیز نہیں ہے۔ اور وہ خود بھی شہید ہو گئے ہیں۔ اور تمہارے دونوں بھائیوں کو بھی دین پر قربان کر گئے ہیں۔ جو خدا کو منظور تھا وہ ہو گیا! بیٹی اب صبر کرو۔

قافلہ والوں نے یہ ساری رات انتہائی بے چینی و بے قراری میں گذاری صبح ہوئی تو نماز فجر سے فارغ ہونے کے بعد قافلہ چلنے ہی والا تھا کہ حر بن یزید ریاحی فوج کے ایک دستے کے ساتھ سامنے آتا دکھائی دیا اور پھر اس نے فوج کو علیحدہ چھوڑ کر امام پاک کی طرف قاصد بھیجا اور حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔ شہزادہ کونین رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی۔ حر تنہا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو سیدہ کے لال نے فرمایا کہو! کیوں آئے ہو؟ حر نے عرض کی۔ آقا! مجھے عمرو بن سعد نے آپ کی گرفتاری کے لئے بھیجا ہے۔ مگر خدا وہ وقت نہ لائے۔ کہ میں ایسی گستاخی کر سکوں اور میرے ہاتھ سے آپ کو کوئی دکھ پہنچے۔ میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ اپنے بال بچوں سمیت کسی طرف کو نکل جائیں۔ میری فوج ہرگز آپ کا راستہ نہیں روکے گی۔ آپ نے حر کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ ظہر کی نماز کا وقت

آ گیا۔ شہزادہ علی اکبر رضی اللہ عنہ نے اذان کہی۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ خیمے سے باہر آئے اور حر کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ حر! آ ذان ہو چکی ہے اور جماعت تیار ہے۔ نماز میرے پیچھے پڑھے گا یا اکیلے؟ حضرت شبیر رضی اللہ عنہ کی اس آواز نے حر کو سوچنے پر مجبور کر دیا کہ علیحدہ نماز پڑھی تو نماز ہوگی نہیں۔ اسلئے کہ امام برحق موجود ہے اور اگر پیچھے پڑھ لی تو پھر مقتدی ہونے کا حق ادا کرنا پڑے گا۔ ادھر حر یہ سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں کہ ادھر امام برحق نے جماعت شروع کرادی اور ابھی امام عرش مقام نے رکوع نہیں کیا تھا کہ حر نے آ کر پیچھے اس امام کے اللہ اکبر کہہ دیا۔

عشاء کی نماز کے بعد حر نے پھر ملاقات کی۔ جس میں حر نے ابن زیاد کا ایک اور خط پیش کیا۔ جس میں لکھا تھا کہ حسین رضی اللہ عنہ ابن علی رضی اللہ عنہ کو گرفتار اور قتل کرنے میں ذرا تامل نہ کیا جائے۔ خط پڑھنے کے بعد آپ نے فرمایا تو اب کیا چاہتے ہو۔ عرض کی آقا میں خاندان نبوت کا غلام ہوں۔ مجھ سے آپ بے فکر رہیے۔ اور میں پھر التجا کرتا ہوں کہ آگے نہ جایئے اور آپ ایسا کریں کہ ہمارے ساتھ ساتھ چلیں تو تھوڑی ہی دور منزل سرہ ہے۔ وہاں میں آپ کو اتار لوں گا۔ اور آپ میری فوج کے دستے سے دور اتریں۔ اس طرح آپ کو نکل جانے کا موقعہ مل جائے گا لیکن فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لال نے حر کی یہ تجویز بھی یہ کہہ کر رد کر دی کہ حق وصداقت کی راہ سے جان بچا کر بھاگ جانا خاندان نبوت کی توہین ہے حر نا امید ہو کر چلا گیا تو مظلوم کربلا نے قافلے کو آگے چلنے کا حکم دیا اور ابھی رات کا تھوڑا حصہ ہی گذرا تھا کہ ناموس رسالت کا یہ نورانی قافلہ یہاں سے بھی روانہ ہو گیا۔ حر نے جان بوجھ کر اپنے دستے کو آہستہ آہستہ پیچھے چلنے کا حکم دیا تا کہ شبیر رضی اللہ عنہ کو کسی طرف نکل جانے کا موقعہ مل جائے۔ یہاں تک کہ رات کے اندھیروں میں یہ قافلہ حر کی فوج کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو کچھ پتہ نہیں کہ کہاں جا رہے ہیں اور کس طرف کو جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ساری رات چلتے رہے۔ صبح ہوئی تو امام عالی مقام کے گھوڑے نے ایک مقام پر اپنے قدم گاڑ دیئے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے گھوڑے کو آگے چلانے کی بہت کوشش کی۔ مگر اس نے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھایا اور پھر آپ نے اپنے ساتھیوں سے

پوچھا کہ اس مقام کا نام کیا ہے؟ جواب ملا

"کربلا"

پھر..... ہوا ارشاد رک جاؤ کہ منزل ہے یہی اپنی
اسی دشت بلا میں ختم ہوگی زندگی اپنی
یہی منزل ہے جس کی رہبر نے خبر دی تھی
یہ خطہ ہے جس خطہ کی حیدر نے خبر دی تھی
اسی وادی میں گونجے گی صدا اللہ اکبر کی
یہی تو رزمگاہ عشق ہے آل پیغمبر ﷺ کی

کربلا کا نام سن کر مظلوم کربلا نے قافلہ ٹھہرانے کا حکم دیا۔ اور سواریوں سے اتر جانے کا ارشاد فرمایا اور فرمایا کہ یہی ہماری آخری منزل ہے اور یہی میری شہادت گاہ ہے اور یہی وہ زمین ہے جو اہل بیت کے لہو سے سیراب ہوگی اور یہی وہ خاک کربلا ہے جو اہل بیت کے خون سے رنگین ہوگی۔ اور پھر محرم الحرام کی ۲ تاریخ ۶۱ھ کو خاندان نبوت کا یہ نورانی گھرانہ اور اہل بیت اطہار کا یہ مقدس قافلہ کربلا کے خونین میدان میں نہر فرات کے کنارے خیمہ زن ہوگیا۔

صغرا مدینے میں

یہ کون رو رہی ہے۔ کہ کائنات کا سینہ شق ہوا جاتا ہے۔ یہ کس کی گریہ وزاری سے آسمان کا کلیجہ پھٹ رہا ہے۔ یہ کس کی آہ و بکا سے عرش الٰہی کانپ رہا ہے۔ یہ کس دکھی کی فریاد سے فرش زمین لرز رہا ہے یہ کس کی پردہ آہ وفغاں سے مدینے کے در و دیوار رو رہے ہیں۔ یہ کس کے پرسوز نالوں سے تربت زہرہ رضی اللہ عنہا جنبش میں ہے یہ کس کی دردناک گریہ وزاری نے میرے دل کو تڑپا دیا ہے اور یہ کس کی پرسوز آہ و بکا نے میرے سینے کو جلا دیا ہے؟

یہ صغرا ہے...... امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیمار بیٹی صغرا...... جسے حضرت امام عالی مقام مدینہ ہی میں چھوڑ آئے تھے۔ جسے باپ نے کہا تھا کہ ایک مہینے کے بعد میں علی اکبر کو بھیجوں گا تو تمہیں ساتھ لے آئے گا۔ مگر دن گذرے راتیں گذریں۔ صبحیں ہوئیں اور شامیں گئیں اور پھر تین مہینے گذر گئے ہیں۔ مگر نہ علی اکبر ہی آیا ہے اور نہ ہی باپ! نہ عابد کا کوئی پتہ ہے اور نہ اصغر کا نہ پھوپھی کی کوئی اطلاع آئی نہ ماں کی...... صبح ہوتی تو وہ دروازے پر بیٹھ جاتی اور جو بھی پاس سے گذرتا اس کا دامن پکڑ کر فریاد کرتی۔ اور پوچھتی کہ اے خدا کے بندے تو نے میرے باپ کو کہیں دیکھا ہے تو بتاؤ میری بہن کو کہیں دیکھا ہے تو اس کا حال سناؤ۔ اور میرے ویروں کا کچھ پتہ ہے تو بتاؤ...... مگر وہ صغرا کو دیوانی سمجھ کر دامن چھڑا کر آگے نکل جاتا۔ شام ہوتی تو ان پرندوں کو دیکھتی جو اپنے رزق کی تلاش میں دور دور نکل جاتے ہیں۔ مگر شام ہوتے ہی اپنے اپنے گھونسلوں میں آ جاتے ہیں۔ تو اور بھی بے چین ہو جاتی اور اس کا کلیجہ اس خیال سے پھٹ جاتا۔ کہ میرے بھائی بھی دور گئے تھے۔ میرا باپ بھی پردیس گیا تھا اور میرے سنگ والے بھی سفر پر گئے تھے۔ مگر یا اللہ! یہ پرندے تو صبح جاتے ہیں اور اسی شام کو واپس آ جاتے ہیں۔ مگر میرے گھر والوں کو تو تین مہینے گذر گئے ہیں وہ

ابھی تک کیوں نہیں آئے۔ رات ہوتی تو بھوکی پیاسی ایک ٹوٹی ہوئی چارپائی پر لیٹ جاتی۔ دروازہ ہوا سے بھی ہلتا تو اس امید پر اٹھتی اور دروازہ کھولتی کہ شاید میرا ویر علی اکبر رضی اللہ عنہ آ گیا ہے۔

وہ مدینے سے باہر نکل جاتی۔ اور ہر آنے والے مسافر کے پاؤں پکڑ کر گریہ وزاری کرتی۔ اور پوچھتی! اے اللہ کے نیک بندے تو کوفہ سے آیا ہے۔ مجھے بتا کہ میرے باپ کا کیا حال ہے۔ میرا بھائی علی اکبر رضی اللہ عنہ مجھے لینے کے لئے کیوں نہیں آیا۔ میرا ویر اصغر تو اب باتیں کرتا ہوگا۔ اور میری بہن بھی مجھے یاد کرتی ہوگی نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بیمار بیٹی صغرا اپنے باپ کے فراق میں۔ اپنی ماں کی جدائی میں اور اپنے بہن بھائیوں کے غم میں شب و روز روتی رہتی۔ کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ کوئی تسلی دینے والا نہیں تھا۔ نہ کوئی ہمدرد و خیر خواہ تھا اور نہ کوئی غم خوار و مددگار۔

ایک دن وہ اپنے معمول کے مطابق مدینے کے چوراہے میں بیٹھی ہر گذرنے والے سے اپنے گھر والوں کا پتہ پوچھ رہی تھی کہ ایک شتر سوار اپنے اونٹ کو تیزی سے دوڑاتا ہوا پاس سے گذر گیا۔ بی بی صغرا اس کے پیچھے دوڑی۔ آوازیں دیں اور چیخیں چلائی۔ شتر سوار نے اس بچی کی آہ و فغان سنی تو ٹھہر گیا۔ اونٹ سے نیچے اترا۔ اور پوچھا۔ بی بی تو کون ہے؟ اور یہاں کیوں بیٹھی ہے؟ اور کس کے فراق میں روتی؟ بی بی صغرا نے کہا بابا! آج تین مہینے گذر گئے ہیں۔ میرے گھر والے مجھے اکیلی چھوڑ کر چلے گئے ہوئے ہیں۔ ان کے انتظار میں بیٹھی ہوں اور ان کے فراق میں تڑپتی ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تو کوفہ سے آیا ہے۔ مجھے میرے باپ کا پتہ بتا۔ میرے بھائی کا حال سنا۔ کیا تو نے ان کو دیکھا ہے؟ شتر سوار کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ وہ حیران تھا کہ اس بچی کو کیا ہو گیا ہے اور اس کو کیا جواب دوں۔ سوار نے جواب دیا۔ بچی، میں یمن سے آیا ہوں۔ مجھے تمہارے گھر والوں کا کوئی پتہ نہیں ہے۔ بی بی پاک صغرا ہر مسافر سے پوچھتی کہ تو کہاں سے آیا ہے؟ کوئی کہتا میں مصر سے آیا ہوں۔ کوئی کہتا میں روم سے آیا ہوں۔ مگر یہ کوئی بھی نہ کہتا۔ کہ میں عراق سے آیا ہوں۔ کوفہ سے آیا ہوں۔ اور کربلا سے آیا ہوں۔ صغرا نے

ایک پرسوز آہ بھری اور فریاد کی:

سب پردیسی وطنیں آئے توں وی اکبر موڑ مہاراں
وعدہ کرکے امڑی جایا میریاں لین نہ آیوں ساراں
راتیں وچہ فراق تیرے میں رو رو کراں پکاراں
دن چڑھے تے لبھدی پھردی تینوں وچہ اجاڑاں

اور پھر دوپہر ہوگئی اور کربلا کی دوپہر۔الاماں۔آسمان سے آگ برس رہی تھی۔اور زمین سے شعلے اٹھ رہے تھے۔گرم لو کے تھپیڑوں سے جسم جھلس رہے تھے۔اور ''خاک کربلا'' کے ذروں سے چنگاریاں سی نکل رہی تھیں۔مگر قربان جاؤں اس نواسۂ رسول پر جو نانے کے شان امامت دکھا گیا اور نثار ہوؤں ان غازیوں پر جو خاندان نبوت کی لاج رکھ گئے اور فدا ہوؤں ان پردہ نشین بیبیوں پر جو فاطمہ رضی اللہ عنہا کی آن بچا گئیں۔

ایک طرف سے غبار اڑتا ہوا نظر آیا۔سیّدہ کے لال نے سمجھا کہ شاید کہیں سے کوئی مدد آگئی ہے اور پھر گھوڑیوں کی ٹاپوں کی آواز آنے لگی۔امام عالی مقام نے جانا کوئی دستہ ہے۔جو ایک لشکر جرار کے ساتھ میدان کربلا میں اتر رہا ہے۔

لوگوں کی عقل حیران ہے کہ سیّدہ کے لال نے جب مدینہ منورہ سے کوچ کیا تو اہل مدینہ نے آپ کو منع کیا۔جب مکہ مکرمہ سے آپ روانہ ہوئے تو مکہ والوں نے راستہ روکا۔ صفاح کے مقام پر فرزدق شاعر نے کوفہ نہ جانے کی درخواست کی۔ثعلبہ کے مقام پر بکرا سعدی نے روکا اور پھر حُر بن یزید ریاحی نے کسی جانب نکل جانے کا مشورہ دیا۔مگر آپ نہ مدینہ والوں کے منع کرنے پر رُکتے ہیں اور نہ ہی مکہ والوں کی درخواست منظور کرتے ہیں۔ نہ ہی فرزدق شاعر کی التجا مانتے ہیں اور نہ ہی طرح بن عدی کی اور نہ ہی بکرا سعدی کا مشورہ قبول کرتے ہیں اور نہ ہی حُر کا۔آخر یہ بات کیا تھی؟ کیا آپ کے دل میں کوئی تکبر وغرور پیدا ہوگیا تھا؟ نہیں! کیا آپ کی عقل سلیم جواب دے چکی تھی؟ ہرگز نہیں! اور میری توبہ! تو پھر بڑے ہی تعجب کی بات ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کسی کی بات بھی نہیں مانی اور اپنے اٹل ارادے سے آگے بڑھتے ہی گئے۔ممکن ہے کہ کسی کے پریشان ذہن میں یہ سوال پیدا

ہو! اور کسی بے عقل کی عقل حیران ہو کہ آپ نے ایسا کیوں کیا۔ مگر مجھے تو اس میں کوئی حیرانی اور تعجب کی بات نظر نہیں آتی۔ اس لئے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لال کو روکنے والے تمام اسی دنیا کے رہنے والے تھے اور اسی زمین پر بسنے والے تھے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اگر آپ کو آسمان سے جبریل علیہ السلام بھی روکتا تو آپ نہ رُکتے اور آپکو رُکنا بھی نہ چاہئے تھا۔ اس لئے کہ جب زبانِ مصطفیٰ علیہ السلام سے آپ کی شہادت کی خبر نکل چکی تھی اور یہی نوشتہ تقدیر تھا تو پھر ان کے روکنے والوں کی حیثیت کملی والے کے مقابلے میں کیا تھی اور جب منشائے الٰہی یہی تھا کہ کربلا کی زمین ان کے خون سے سیراب ہو تو پھر دنیا کی کوئی طاقت بھی اس منشائے الٰہی کو روک نہیں سکتی تھی اور چونکہ امام حسین رضی اللہ عنہ کو روکنے والے بھی آپ کی شہادت کی پیشگوئی سے واقف تھے اس لیے میری ذاتی رائے میں تو اللہ کے اس شیر کو روکنے والے خود ہی غلطی پر تھے۔

ہاں! البتہ تعجب ہے تو اس بات پر، اور عقلِ انسانی حیران ہے تو اس پر کہ یہ کیا ستم ظریفی ہے کہ جن لوگوں نے اپنے رسول کے نواسے کو اور اپنے پیشوا کے بیٹے کو سینکڑوں خطوط اور ہزاروں قاصد بھیج کر بلایا اور پھر صبح سے شام تک اپنی چھتوں پر چڑھ کر اس کی راہ دیکھتے اور جنہوں نے حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے وفاداری اور جانثاری کا عہد باندھا تھا اور یزید کی غیر اسلامی حکومت اور شخصی بادشاہت کے خلاف مر مٹنے کا حلف اٹھایا تھا اور اہل بیت کی عزت و آبرو کی خاطر اپنی جانیں قربان کر دینے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر آج جب کہ ان کے نبی کا نواسہ اور ان کے پیشوا کا بیٹا ایک معزز مہمان کی حیثیت سے سرزمین کوفہ میں داخل ہوتا ہے تو وہی لوگ اس کا استقبال چمکتی ہوئی تلواروں سے کرتے ہیں اور عقیدت و محبت کی بجائے اس کی ضیافت تیروں کی بارش سے کرتے ہیں اور ان مقدس مہمانوں کو شربت پلانے کی بجائے ان پر اور معصوم بچوں پر پانی بھی بند کر دیتے ہیں اور اپنے بلائے ہوئے مہمان کو نہ شہر میں داخل ہونے دیتے ہیں۔ اور نہ ہی واپس جانے دیتے ہیں اور جس کو یہ یقین دلا کر بلایا تھا کہ تمام کوفہ آپ کی بیعت کے لئے تیار ہے اور آپ پر جان قربان کرنے کے لئے بے تاب ہے۔ اور پھر جب وہ انتہائی مظلومی و بے کسی کی

صورت میں ان کے پاس آتا ہے تو پھر وہی لوگ اپنے کیے ہوئے تمام وعدوں سے پھر کر، مر مٹنے کے عہد کو توڑ کر اور قربان ہونے کی قسموں سے منحرف ہو کر اس کو یزید کی بیعت کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔

اور پھر یہ بھی حیرت و تعجب کی بات ہے کہ صرف بہتر (۷۲) انسانوں کی ایک مٹھی بھر اور غیر مسلح جماعت کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے جن میں بوڑھے بھی تھے اور بچے بھی۔ بیمار بھی تھے اور پردہ نشین عورتیں بھی بیس ہزار کا آزمودہ کار لشکر جرار میدان میں لانے کی کیا ضرورت تھی۔ اگرچہ اس کی مثال کہیں بھی نہیں ملتی۔ مگر چونکہ انہوں نے شیر خدا کو خیبر کے قلعے کا دروازہ اپنے ہاتھوں پر اُٹھاتے دیکھا تھا اور مرحب کی لاش ذوالفقارِ حیدری کی ضرب سے زمین پر تڑپتی دیکھی تھی۔ اور وہ جنگِ بدر و حنین میں شاہِ مردان کی تیغ بڑاں کی کاٹ دیکھ چکے تھے اور غزوۂ خندق میں عمرو بن عبدود کے مقابلے میں علی رضی اللہ عنہ کی قوتِ پروردگار کا نظارہ کر چکے تھے اور وہ جانتے تھے کہ اگرچہ یہ مٹھی بھر جماعت ہے اور غیر مسلح ہے اور ان کے پاس لڑائی کا کوئی سامان بھی نہیں ہے۔ مگر وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ان کی رگوں میں اسی شیرِ خدا کا خون ہے۔ ان کے سینوں میں اسی شاہِ مردان کا دل ہے اور ان کے بازوؤں میں وہی قوتِ پروردگار ہے اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ایسے اسلام کے شیروں کا مقابلہ کرنا آسان نہیں ہے، اسی لئے وہ اتنی بڑی فوج اور اتنا بڑا لشکر میدان میں لے آئے تھے اور اسی خوف کی بنا پر ان ظالموں نے آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پانی بند کر دیا تھا تاکہ سخت گرمی میں پیاس کی شدت سے جب یہ لوگ کمزور ہو جائیں گے تو پھر لڑائی شروع کی جائے گی۔

عمرو بن سعد! اپنے لشکر کو جب پوری طرح اتار چکا اور خیمے لگا لئے گئے تو اس نے مظلومِ کربلا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لئے قاصد بھیجا۔ آپ نے منظور کر لیا اور پھر علیحدہ خیمے میں شرافت و وحشت کا ملاپ ہوا اور نیکی و بدی کی ملاقات ہوئی۔ امام عالی مقام نے فرمایا کہ میری یہ تین خواہشیں ابنِ زیاد تک پہنچا دو۔

۱۔ میں واپس لوٹ جاتا ہوں۔

۲۔ مجھے مسلمانوں کی کسی سرحد پر بھیج دیا جائے۔

۳۔ میں دمشق جا کر یزید سے خود مل کر معاملہ طے کر لوں گا۔

کیا یہ خواہش کسی ڈر کی وجہ سے پیش کی گئی تھی؟ کیا جان جانے کے خطرے کے پیشِ نظر ان کو ابنِ زیاد کے آگے رکھا گیا تھا؟ نہیں! ہرگز نہیں! بلکہ یہ اتمامِ حجت کی بنا پر ایسا کیا گیا تھا اور اس لئے کیا گیا تھا تاکہ امن و سلامتی کے اس فرشتے پر جنگ کو دعوت دینے کا الزام نہ لگایا جا سکے اور اگر اس اللہ کے شیر کو موت کا خوف ہوتا اور جان جانے کا ڈر ہوتا تو وہ اپنے نانے مصطفیٰ علیہ السلام کا روضۂ اقدس چھوڑ کر مدینے سے نہ نکلتا اور اگر اس کو اپنی اور اپنے بچوں کی جانیں عزیز ہوتیں تو وہ نانے مصطفیٰ علیہ السلام کی اس حدیثِ پاک پر عمل کرنے کے لئے نہ نکلتا کہ اَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ کہ جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔

اور وہ قیامت تک کے آنے والے مسلمانوں کو یہ سبق دینے کے لئے میدانِ کربلا میں آیا تھا کہ ۔

نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سائے میں
نمازِ عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں

شہزادۂ کونین کی یہ تینوں خواہشیں عمرو بن سعد نے قاصد کے ذریعے ابنِ زیاد تک پہنچا دیں۔ مگر ابنِ زیاد کا پتھر دل نرم نہ ہو سکا اور اس نے جواب میں عمرو بن سعد کو لکھا کہ حسین رضی اللہ عنہ ابن علی رضی اللہ عنہ پہلے یزید کی بیعت قبول کریں۔ پھر دوسرے معاملات پر غور کیا جائے گا اور تمہیں حسین رضی اللہ عنہ کا سر لینے کے لئے بھیجا ہے، صلح کرانے کے لئے نہیں۔

خبردار! حسین رضی اللہ عنہ ابن علی رضی اللہ عنہ سے اس وقت تک کوئی رعایت نہ کی جائے جب تک کہ وہ یزید کی بیعت قبول نہ کرے اور اگر تم نے میرے اس حکم کی نافرمانی کی تو ہر قسم کے انعام و اکرام سے محروم کر دیئے جاؤ گے اور تم سے تمام اعزازات چھین لئے جائیں گے۔

محرم الحرام کی سات تاریخ کو شمر بن ذی الجوشن ابنِ زیاد کا دوسرا حکم لے کر عمرو بن سعد کے پاس پہنچا کہ نہرِ فرات پر فوراً قبضہ کر لیا جائے اور حسین رضی اللہ عنہ ابن علی رضی اللہ عنہ کے خیموں میں پانی کی ایک بوند بھی جانے نہ دی جائے چنانچہ ان بے رحموں اور ظالموں نے فوج کا ایک

دستہ بھیج کر نہر فرات پر پوری طرح قبضہ کر لیا۔ پانی بند کر دینے کے بعد بھی عمرو بن سعد پیام پر پیام اور قاصد پر قاصد بھیجتا رہا کہ اب بھی وقت ہے یزید کی بیعت کا اقرار کر لو ورنہ اس کے انکار کرنے کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہو جاؤ! مگر وہ راکبِ دوشِ رسول ہر بار یہی جواب دیتا کہ میں اپنا سب کچھ قربان کر دوں گا۔ لیکن ایک فاسق کی بیعت نہیں کروں گا۔

جب صلح کی کوئی صورت نہ نکل سکی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے سمجھ لیا کہ اب جنگ ہو کے رہے گی تو آپ اپنی باوفا اور غمگسار بیوی حضرت شہر بانو کے پاس گئے اور فرمایا! شہر بانو! میں جانتا ہوں کہ تم نوشیرواں عادل کی پوتی اور ایران کے ایک نامور اور پُرشکوہ بادشاہ کی بیٹی ہو اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم ایران کے سنہری تخت پر بیٹھنے والی ایران کی ملکہ ہو اور ریشمی بستروں پر سونے والی اور سونے اور چاندی کے برتنوں میں پانی پینے والی ایران کی شہزادی ہو۔ مگر تم نے میرے ساتھ جس حوصلے اور صبر و سکون سے زندگی بسر کی ہے میں اس کا شکر گزار ہوں اور میرے گھر میں تم نے جس شوق و ذوق سے جو خدمات سرانجام دی ہیں۔ میں اس کا ممنون ہوں۔ لیکن عرب والوں نے تمہاری کوئی قدر نہیں کی اور ان ظالموں نے تمہیں یہ دن بھی دیکھایا ہے کہ آج تم اور تمہارے بچے پانی کے ایک قطرے کو ترس رہے ہیں اور میں جانتا ہوں کہ تم پر یہ مصیبت کی راتیں اور دکھوں کے دن سب میرے ہی لئے ہیں اور اب چونکہ حالات لحظہ بلحظہ بگڑتے جا رہے ہیں اور پتہ نہیں کہ کس وقت دشمنوں کی طرف سے جنگ کا اعلان ہو جائے اس لئے اب بہتر یہی ہے کہ تم اپنے بال بچوں کو لے کر ایران چلی جاؤ یا جہاں تم چاہتی ہو چلی جاؤ۔ میں اس کا انتظام کر دیتا ہوں۔ مگر قربان جاؤ اس غمگسار بیوی کے قدموں کی خاک پر اور فدا ہوؤں امام پاک کی وفادار حرمِ پاک کی جوتیوں کی نوک پر کہ جس نے آخری وقت بھی اپنے شوہر کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اور اپنے بچوں کی قربانی دے کر اپنے شوہر کی آن بچا گئی اور دشتِ کربلا کے تپتے ہوئے ریگستان میں گرمی کی شدت میں بھوک اور پیاس برداشت کر کے وفادار بیوی ہونے کا حق ادا کر گئی۔

امام عالی مقام کی اس گفتگو سے بی بی شہر بانو پر رقت طاری ہو گئی اور شوہر کے قدموں

پر گر پڑیں اور عرض کی۔ اے میرے آقا! خدا کے لئے آخری وقت مجھے اپنے دروازے سے دھکا نہ دو اور اپنے قدموں سے دُور نہ کرو اور گلشنِ اسلام کی آبیاری کے لئے مجھے بھی اپنے بچوں کا خون پیش کرنے کی اجازت فرمایئے ورنہ دنیا کی عورتیں مجھ پر طعن کریں گی کہ آخر بیگانی تھی اس لئے مشکل کے وقت اپنے خاوند کا ساتھ چھوڑ گئی۔

اے عالی مقام آقا! یہ ٹھیک ہے کہ میں نوشیرواں عادل کی پوتی ہوں، اور یہ بھی درست ہے کہ میں شاہی محلوں میں رہنے والی ایران کی ملکہ ہوں مگر:

نہیں ہے کوئی مجھ کو ناز کسریٰ کے گھرانے پر
مجھے تو فخر ہے آقا تمہارے آستانے پر
زہے قسمت محمد مصطفیٰ کے گھر کی لونڈی ہوں
مجھے بزدل نہ سمجھو مرتضیٰ کے در کی لونڈی ہوں
بوقت امتحاں یہ گود خود ویران کر دوں گی
نبی کے دین کی خاطر بچے قربان کر دوں گی
مگر جھکنے نہ دوں گی عظمتِ اسلام کا پرچم
سدا اُونچا رہے گا مصطفیٰ کے نام کا پرچم

اور

میرے جیہاں شہزادیاں لکھ صدقے بندی خاک اس پاک دربار دی اے
بھادیں پوتری ہاں میں نوشیرواں دی پر اُچی شان حسین رضی اللہ عنہ سرکار دی اے

مگر آج میں آپ کے گھر کی لونڈی ہوں۔ خاندانِ نبوت کی کنیز ہوں اور بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی خادمہ ہوں۔ یا حسین رضی اللہ عنہ! مجھ غریبنی پر رحم کرو! مجھ بے سہارا پر ترس کھاؤ اور مجھے اپنے قدموں سے دُور نہ کرو اور آج میں آپ کو چھوڑ کر چلی گئی تو کل قیامت کے دن نانے مصطفیٰ کو کون سا منہ دکھاؤں گی۔ شیرِ خدا کے سامنے کس طرح جاؤں گی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کیا جواب دوں گی۔ میں اپنی خدمات کا صلہ، اپنے صبر و شکر کا بدلہ اور اپنی قربانی کی جزا عرب والوں سے نہیں مانگتی، عجم والوں سے نہیں چاہتی۔ مکہ والوں سے طلب نہیں کرتی اور مدینہ والوں کے

آگے ہاتھ نہیں پھیلاتی بلکہ اس وفاداری کا صلہ اور جانثاری کا بدلہ قیامت کے دن نانے مصطفیٰ علیہ السلام سے ملے گا۔ شیرِ خدا سے لوں گی اور خاتونِ جنت سے مانگوں گی جبکہ حشر کے اس دارو گیر میں جبکہ ہر طرف سے نفسی نفسی کی پکار ہوگی مگر اس دن میرے سر پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی پاک چادر کا سایہ ہوگا۔ میرے ہاتھوں میں شیرِ خدا کا دامن ہوگا اور نگاہوں میں محسن مصطفیٰ علیہ السلام کے جلوے ہوں گے۔

کون شہر بانو! جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایران کی فتح کے بعد مالِ غنیمت میں ایک کنیز کی حیثیت سے مدینہ میں آئی تھی اور مدینہ منورہ کے ہر مسلمان کی یہ خواہش تھی کہ شہر بانو میرے نکاح میں آئے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عبداللہ کی بھی یہی تمنا تھی مگر قربان حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ کی دوررس نگاہوں کے اور صدقے جاؤں ان کے دوررس مزاج کے کہ جب شہر بانو کی باری آئی تو حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آج سے پہلے شہر بانو دنیا کی شہزادی تھی مگر آج میں اس کو دین کی شہزادی بناتا ہوں اور پھر شہر بانو کا نکاح خلیفۂ اسلام نے حضرتِ امام حسین رضی اللہ عنہ سے کر دیا اور پھر یہ نواسۂ رسول ہی کی مجلس کا اثر تھا اور جگر گوشۂ بتول ہی کے اتقا کا نتیجہ تھا کہ شہر بانو کی زندگی میں ایک ایسا انقلاب آ گیا کہ چند دنوں کے اندر ہی وہ صحیح معنوں میں دین کی شہزادی بن گئی اور پھر ایران کے سنہری تخت پر بیٹھ کر حکومت کرنے والی ملکہ مدینے میں فقر و درویشی کی چادر اوڑھ کر اور کھجور کی ایک پھٹی ہوئی چٹائی پر بیٹھ کر بارگاہِ رب العزت میں سربسجود ہو کر خوش ہوتی ہے اور سونے اور چاندی کے برتنوں میں پانی پینے والی شہزادی آج مدینے میں مٹی کے ایک پیالے میں آبِ زمزم پی کر مسرور ہوتی ہے اور ایران کی لاکھوں امیر زادیوں کے دلوں میں اپنی آنکھ کی جنبش سے لرزہ پیدا کر دینے والی ملکہ آج مدینے میں خاندانِ نبوت کی کنیز بن کر فخر محسوس کرتی ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے دل پر بی بی شہر بانو کی اس درد بھری اور فدایانہ گفتگو کا گہرا اثر ہوا اور آپ پر رقت طاری ہوگئی اور روتی ہوئی آنکھوں سے باہر نکلے اور پھر آپ نے ہر ایک سے باری باری فرمایا کہ میں آپ لوگوں کی اطاعت، فرمانبرداری اور خدمت گزاری کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا کہ تم نے میری بدلے میرے ساتھ اتنی مصیبتیں جھلیں ہیں اور دُکھ

اٹھائے ہیں مگر کل قیامت کے دن مجھے دربارِ خداوندی میں شرمندہ نہ کرنا میری طرف سے آپ لوگوں کو اجازت ہے کہ جہاں کہیں بھی کسی کا دل چاہے مجھے اللہ کے بھروسے پر چھوڑ کر چلا جائے مگر حضرتِ امام پاک کی اس گفتگو کے جواب میں تمام نے اللہ کی راہ میں جانیں قربان کر دینے کا وعدہ کیا۔ نثار ہو جانے کا یقین دلایا اور شہید ہو جانے کی قسمیں کھائیں اور عرض کی۔ آقا حسین رضی اللہ عنہ!

نہ کچھ پینے کی حاجت ہے نہ کھانے کی تمنا ہے
تیرے سر کی قسم اب سر کٹانے کی تمنا ہے
یہی کہنا ہے آقا اور تو کچھ کہہ نہیں سکتے
کہ تجھ کو چھوڑ کر ہم اس جہاں میں رہ نہیں سکتے

ہم بھی مسلمان ہیں اور ہم نے بھی قیامت کے دن اپنے نبی کو منہ دکھانا ہے اور ہم بھی یزید کے فسق و فجور اور اس کی باطل پرستی کے مقابلے میں دین و ایمان کی شمع روشن کرنا چاہتے ہیں اور حق و صداقت کا علم بلند رکھنا چاہتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وقت آیا تو من و سلویٰ کھانے والی قوم لڑنے سے جواب دے گئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وقت آیا تو آپ پر نثار ہونے کا وعدہ کرنے والے حواری جواب دے گئے مگر واہ رے میرے آقا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیو! تم نے جانثار ہونے کا حق ادا کر دیا۔ وفاداری کی مثال قائم کر دی۔ کسی کا ساتھ دینے کا سبق دے گئے اور یار کی خاطر جانیں قربان کر کے رسمِ دوستی کی لاج رکھ لی۔ سیّدہ کا لال ہر خیمے میں گیا اور ہر ایک کا حال پوچھا مگر حال کیا ہونا تھا بس ہر طرف سے العطش العطش کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ خیموں میں ایک کہرام مچا ہوا تھا بوڑھے ہانپ رہے تھے، جوان تڑپ رہے تھے۔ بچے بلک رہے تھے۔ اور بیبیاں آہیں بھر رہی تھیں۔ اور پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لال نے اپنی پُرنم آنکھوں سے یہ دردناک منظر بھی دیکھا کہ بی بی شہر بانو کی گود میں چمنستانِ زہرا رضی اللہ عنہا کا ایک پھول جو گرم لُو کے تھپیڑوں سے کملا چکا تھا۔ اپنی ماں کی آغوش میں پیاس سے تنگ آ کر بلک رہا ہے اور شہر بانو اپنے دامن سے اپنے لختِ جگر علی اصغر کو پنکھا جھل رہی ہے اور معصوم سا بچہ

پانی کی ایک بوند کے لئے منہ کھولتا ہے اور پھر اپنی پیاسی زبان نکال کر ماں کو دکھاتا ہے۔ ماں چاہتی ہے کہ اپنے آنسوؤں کے چند قطرے ہی اپنے لال کے منہ میں ڈال دوں۔ مگر بے ہوشی کی وجہ سے بچے کی گردن ڈھلک جاتی ہے اور ماں پھر اپنے جگر گوشے کو اپنے کلیجے سے لگا لیتی ہے۔ علی رضی اللہ عنہ کا لاڈلا یہ غمناک منظر دیکھ کر چشم پُر آب ہو کر باہر نکلنے ہی والا تھا کہ پیچھے سے ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا آیا۔

خیال آیا کہ کربل میں مدینے کی ہوا کیسی
کہ اس محشرستاں میں باغِ جنت کی فضا کیسی
پلٹ کر دیکھتا کیا ہے حقیقت آشنا بھائی
ردائے سر سے پنکھا جھل رہی ہے فاطمہؓ جائی

مڑ کر دیکھا تو ماں جائی بہن زینب رضی اللہ عنہا اپنی چادر سے پنکھا جھل رہی ہے۔ بہن کی شفقت دیکھ کر بے تاب ہو گئے۔ آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور عرض کی۔ یا مولیٰ! امتحان بڑا سخت ہے۔ صبر کی توفیق عطا فرما۔ بہن کو تسلی دے کر آگے بڑھے تو شہزادہ علی اکبر سامنے کھڑے تھے۔ جن کے لب خشک تھے اور حلق میں کانٹے سے نکل آئے تھے جی گھبرایا ہوا تھا اور جسم کمزور ہو چکا تھا۔ مگر اٹھارہ سال کا نوخیز جوان باطل کے مقابلے میں حق کی شمع جلانے کے لئے اپنا خون دینے کو تیار تھا۔ اپنے دل کے ٹکڑے کو ابھی حوصلہ دے رہے تھے کہ بہن زینب رضی اللہ عنہ کے دونوں بچے عون و محمد پاؤں سے لپٹ گئے، قدموں کو بوسہ دیا۔ نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کو اٹھایا وہ نقاہت کے سبب بڑی مشکل سے بازوؤں کے سہارے اٹھے، گرمی کی تپش سے چہرے جھلس رہے تھے اور پیاس کی شدت سے لبوں پر سکڑی سی جم چکی تھی۔ شاید وہ ماموں جان سے پانی کے چند قطروں کی بھیک مانگتے مگر ان کی ماں نے اشارے سے سمجھا دیا کہ بیٹو! خبردار! حرفِ شکایت زبان پر نہ آئے۔ سید کے جائے ہو۔ ہمت سے ماموں کا ساتھ دو۔ حضرت امام پاک بہن کے بچوں کو ابھی پیار کر رہے تھے کہ سامنے بھائی حسن رضی اللہ عنہ کی صورت آنکھوں میں پھر گئی اور پھر بھائی حسن رضی اللہ عنہ کی وہ وصیت یاد آ گئی کہ حسین! یہ قاسم میری امانت ہے جو تیرے حوالے ہے۔ جگر گوشہ رسول نے دیکھا کہ

کمزوری کی وجہ سے قاسم کے پاؤں لڑکھڑا رہے ہیں اور پھول سے رخسار گرم لُو کے تھپیڑوں سے کملا چکے ہیں۔ قاسم کو بغل میں لیا اور پھر آسمان کی طرف دیکھا اور عرض کی اے خالق کائنات آزمائش بڑی شدید ہے۔ مجھے ثابت قدم رکھ۔

یا حسین رضی اللہ عنہ! تیرے صبر پر قربان! یا شبیر رضی اللہ عنہ تیرے حوصلے پر نثار! یا امام تیرے استقلال کو سلام! یا سیّد تیرے عزم پر فدا۔ کہ تُو نے دل ہلا دینے والے اس دردناک منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا جو دلِ انسان تو کیا پتھر بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ مگر تیرے پاؤں میں لغزش نہ آئی اس پُر درد نظارہ کی کیفیت ابھی مظلوم کربلا پر طاری تھی کہ عمرو بن سعد کا قاصد آ پہنچا اور کہا! اے حسین رضی اللہ عنہ ابن علی رضی اللہ عنہ ابن زیاد کا آخری پیغام آ گیا ہے۔ کہ اگر حسین رضی اللہ عنہ یزید کی بیعت کا اقرار کرے تو بہتر ورنہ اب اسے اور مہلت نہ دی جائے۔

تھوڑے سے غور کے بعد آپ نے فرمایا کہ عمرو بن سعد سے کہو کہ نہر فرات پر قبضہ کر کے اور اولادِ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر پانی بند کر کے تو نے جس غیر انسانی سلوک کا ثبوت دیا ہے وہ تمہارے حق میں لعنت کا باعث ہے اور یہ کیا ستم ہے کہ تیرا لشکر اور لشکر کے گھوڑے تو پانی پی سکتے ہیں مگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد پانی کی ایک بوند کو بھی ترس رہی ہے اور خاندانِ نبوت کا گھرانہ آج وضو کی بجائے مٹی سے تیمم کر کے نماز پڑھتا ہے۔ مگر مجھے یہ سب کچھ منظور ہے۔ لیکن مجھ سے یہ توقع نہ رکھو کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا لال یزید کی بیعت قبول کرے گا اور آج کی رات مجھے مہلت دے دو تا کہ ہم بارگاہِ رب العزت میں جی بھر کے حاضری دے لیں اور اپنی خطاؤں کی معافی مانگ لیں کل صبح ہم لڑنے کے لئے تیار ہیں۔

قاصد نے شہزادۂ کونین کا یہ پیغام عمرو بن سعد کو پہنچا دیا۔ اس ظالم نے لشکریوں سے مشورہ لیا اور کہا کہ اب شام ہو چکی ہے اس لئے حسین رضی اللہ عنہ ابن علی رضی اللہ عنہ کی یہ تجویز مان لینی چاہئے۔ شمر لعین نے کہا کہ اگرچہ حسین رضی اللہ عنہ ابن علی رضی اللہ عنہ ایک چھوٹی سی جماعت لے کر آئے ہیں۔ مگر اس اللہ کے شیر کا بیٹا ہے۔ جس کی بہادری و شجاعت کا سکہ زمین والے ہی نہیں آسمان والے بھی مانتے ہیں اس لئے حسین رضی اللہ عنہ ابن علی رضی اللہ عنہ کو ایک لمحہ کے لئے بھی مہلت دینی اچھی نہیں ہے۔ مگر آج کی رات کی مہلت اس لئے دے دینی چاہئے کہ اس کا

لشکر پیاس سے اور کمزور ہو جائے تا کہ کل ان میں لڑنے کی ہمت نہ رہے۔

محرم کی ناتویں تاریخ کا چاند تھر تھرا رہا تھا۔ اس کی شعائیں اولادِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو شہادت کا پیغام دے رہی تھیں اور اس کی کرنوں سے روشنی کی بجائے حسرت و یاس کے دھارے پھوٹ رہے تھے۔ میدانِ کربلا بارگاہ رب العزت میں یہ التجا کر رہی تھی کہ عترتِ پیغمبر کا خون میرے دامن پر نہ گرے اور ناموسِ رسالت کے اس مقدس خیمے سے جس میں اولادِ بتول زندگی کی آخری رات بسر کر رہی تھی۔ تلاوتِ کلامِ پاک کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں اور ذکرِ الٰہی کی آوازیں آ رہی تھیں اور جس خیمے میں امن و سلامتی کا فرشتہ آرام فرما رہا تھا۔ اس خیمے کا ایک ایک ٹکڑہ اپنے اندر آخری رات بسر کرنے والوں کی جانوں کی خیر مانگ رہا تھا۔

چاند ڈوب گیا اور کربلا کی زمین پر سیاہ چادر بچھ گئی اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ تو فاطمہ رضی اللہ عنہا کا لختِ جگر اٹھا۔ کربلا کی مٹی سے تیمم کیا اور رات کے اندھیرے میں بارگاہِ رب العزت میں سربسجود ہو گیا۔ اور عرض کی! اے خالقِ کائنات یہ میری زندگی اور تیری بندگی کی آخری رات ہے۔ صبح جو کچھ ہونے والا ہے وہ تو جانتا ہی ہے۔ مگر میری یہ التجا قبول فرما کہ اس امتحان میں ثابت قدم رہوں۔ خوشی سے اپنے بچوں کی قربانی دوں۔ ہنس کر لاشوں کو اٹھاؤں مسکراتا ہوا خون کو دھوؤں اور تیرے نعرے لگاتا ہوا اپنا گلا کٹواؤں۔

اے اللہ العالمین مجھے صبر و سکون کی توفیق عطا فرما کہ اس حق و باطل کے خونین معرکے میں حوصلہ نہ ہاروں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ بال بچوں کی محبت تیری راہ میں حائل ہو جائے۔

اے احکم الحاکمین! جو کچھ میرے پاس تھا وہ لے کے آ گیا ہوں۔ اب تُو اس قربانی کو قبول کر لینا۔

نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعا کے بعد مدینہ پاک کی جانب نگاہ اٹھائی، گنبد خضریٰ کا تصور کیا اور تربت زہرا کا نقشہ آنکھوں میں سمویا تو

نظر آیا کہ شاہِ دوسرا تشریف لائے ہیں
برہنہ پا گروہِ انبیاء کے ساتھ آئے ہیں

قریب آ کر نواسے کو لگایا اپنے سینے سے
بٹھا کر گود میں پھر یوں کہا دل کے نگینے سے
خلیل اللہ کی سنت اب مکمل ہونے والی ہے
تیرے غم میں یہ دنیا تا قیامت رونے والی ہے
اُٹھے خنجر تو بیٹا تم سرِ اقدس جھکا دینا
میری چُومی ہوئی گردن خوشی سے تم کٹا دینا

رات آدھی ہو چکی تھی اور ہر طرف خاموشی ہی خاموشی تھی۔ امام مظلوم نے سجدے سے سر اُٹھایا۔ مصلّے سے اُٹھے اور شہزادہ علی اکبر کو فرمایا! بیٹا جاؤ۔ اور میدانِ کربلا کا نقشہ دیکھ آؤ۔ شہزادہ علی اکبر اُٹھے۔ اور رات کی خاموشی میں میدانِ کربلا کے چاروں طرف نگاہ دوڑائی! میدان کے وسط میں دیکھا کہ ایک بُرقع پوش خاتون اپنے دامن سے کربلا کی زمین کو صاف کر رہی ہے۔ علی اکبر اس خاتون کے پاس آئے اور پوچھا اے بی بی تُو کون ہے؟ اور زمینِ کربلا کو کیوں جھاڑتی ہے؟ خاتون خاموش رہی۔ علی اکبر واپس آئے تو امام عالی مقام نے پوچھا۔ علی اکبر رضی اللہ عنہ میدان کربلا میں کوئی چیز نظر آئی؟ عرض کی ہاں حضور! میدان کے وسط میں ایک بُرقع پوش خاتون ہے جو اپنی چادر سے زمین کو جھاڑ رہی ہے۔ میں نے قریب جا کر اس خاتون سے پوچھا ہے کہ تو کون ہے۔ اور زمین کو کیوں جھاڑ رہی ہے۔ مگر وہ بولی نہیں۔ امام مظلوم کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ بیٹے نے پوچھا۔ ابا جان آپ رونے کیوں لگے؟ تو امام پاک نے فرمایا بیٹا! یہ میری ماں فاطمہ رضی اللہ عنہا ہے جو اپنی چادر سے زمین کربلا کو اس لئے صاف کر رہی ہے تاکہ میرے بیٹے حسین رضی اللہ عنہ کے جسم پر کوئی کنکر نہ چُبھ جائے۔

کہ اس مقتل میں لیٹے گا صبح لختِ جگر میرا
یہاں تڑپے گا بے گور و کفن نورِ نظر میرا

یومِ شہادت

میدانِ کربلا میں صبح کی اذان کے لئے شہزادہ علی اکبر رضی اللہ عنہ کی صدائے توحید و رسالت بلند ہوئی! آپ کی جانثار جماعت نے اپنے امام برحق کے پیچھے فجر کی نماز ادا کی۔ نماز کے بعد حضرتِ امام حسین رضی اللہ عنہ نے ایک بار پھر اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ آپ لوگوں نے جس خلوص اور عقیدت سے اس وقت تک میرا ساتھ دیا ہے۔ میں ان کا شکر گزار ہوں۔ مگر میں پھر آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ مجھے اللہ کے آسرے چھوڑ کر چلے جاؤ۔ اس لئے کہ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے آپ لوگ موت کے منہ میں جائیں۔ آپ کی بیویاں بیوہ ہوں اور آپ کے بچے یتیم ہوں مگر اس آخری وقت بھی جس وقت کہ لشکرِ یزید جنگ کے لئے للکار رہا تھا اور ہر ایک کو اپنی موت نظر آ رہی تھی اور تین دن سے بھوکے اور پیاسے تھے۔ تمام نے متفقہ طور پر جواب دیا کہ حسین رضی اللہ عنہ! ہم بھی مسلمان ہیں۔ اور ہم بھی ایک فاسق و فاجر کی بیعت نہیں کریں گے اور صرف آپ کی وجہ سے ہی نہیں بلکہ اسلام کی عزت۔ دین کی آبرو اور حق و ہدایت کے پرچم کو سربلند رکھنے کے لئے ہمیں بھی اپنی قربانی پیش کرنے کی اجازت دیجئے۔

ایک انسان کے لئے خوف و ہراس، بھوک اور پیاس اور بال بچوں کی محبت اور اپنی جان کا خطرہ اس دنیا میں انتہائی مصیبتیں ہوسکتی ہیں اور قرآنِ پاک نے بھی انہیں چیزوں کو راہِ حق و صداقت کے لئے آزمائش قرار دیا ہے مگر اس مکمل انسان نہیں بلکہ انسانیت کے پیکر مظلوم کربلا کے سامنے یہ تمام چیزیں ایک ایک کر کے موجود تھیں۔ لیکن اگر وہ بھی راہِ حق سے روگردانی کر کے یا کسی مصلحت وقت کی تاویل پر عمل کرتے ہوئے اور یا تقیہ کرتے ہوئے ایک فاسق و فاجر اور ایک شریعت کے باغی کی اطاعت کر لیتے اور شخصی

حکمران کے آگے سر جھکا لیتے تو وہ ان تمام مصائب سے نجات پا کر بڑی شان وشوکت کے ساتھ اپنی زندگی بسر کر سکتے تھے۔ مگر نہیں انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اور کیوں نہیں کیا۔ اس لئے کہ یزید کی حکومت غیر اسلامی تھی اور یزید خود اسلام کی حدوں کو توڑتا تھا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لال کے لئے ایک غیر اسلامی حکومت کو تسلیم کر لینا اور ایک اسلام کے باغی کے آگے سر جھکا دینا خاندانِ نبوت کی توہین تھی۔ شیرِ خدا کی توہین تھی اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاک دودھ کی توہین تھی۔

اور میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنے والوں سے ایک بار پھر کہتا ہوں کہ میدانِ کربلا میں جو کچھ ہوا یہ ہونا تھا اور ضرور ہونا تھا۔ اس لئے کہ اس کی اطلاع زبانِ مصطفیٰ علیہ السلام سے نکل چکی تھی اور یہی نوشتۂ تقدیر تھا جو نواسۂ رسول کے لئے روزِ اوّل ہی سے لکھا جا چکا تھا۔ ورنہ جس خدا نے حضرت ذبیح اللہ علیہ السلام کے گلے پر چھری نہ چلنے دی اور جس خدا نے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام پر آتشِ نمرود کو گلزار بنا دیا اور جس خدا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ اٹھا لیا اور جس خدا نے میدانِ بدر میں مسلمانوں کی مدد کے لئے آسمانوں سے فرشتوں کی فوج بھیج دی اور جس خدا نے حضرت اسمٰعیل کی پیاس کی شدت سے ایڑیاں رگڑنے پر آبِ زمزم کا سرچشمہ جاری کر دیا۔ میدانِ کربلا میں وہی خدا تھا اور آج میدان میں پیاس سے ہانپنے والے بوڑھے۔ تڑپنے والے جوان اور بلکنے والے بچے اسی خلیل اللہ کی نسلِ پاک تھی اور شدت پیاس سے ایڑیاں رگڑنے والا معصوم علی اصغر اسی اسمٰعیل کی اولاد تھا اور نیزے پر قرآن پڑھنے والا حسین رضی اللہ عنہ۔ ملتِ ابراہیمی کا امام تھا اور یہ بھی اگر چاہتا تو آسمان سے فرشتوں کی فوج آ سکتی تھی، تسنیم وکوثر کی نہریں زمینِ کربلا پر پانی کے پرنالے بہا سکتی تھیں، خاکِ کربلا کے ذرّے ذرّے سے پانی کے چشمے پھوٹ سکتے تھے اور لشکرِ یزید کو نیزے کی ایک جنبش سے فنا کر سکتے تھے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا اور کیوں نہیں کیا؟ اس لئے کہ فرمانِ مصطفیٰ جھوٹا نہ ہو جائے اور نوشتۂ تقدیر غلط نہ ہو جائے اور یہی وجہ ہے کہ جب میدانِ کربلا میں زعفر جن نے عرض کی کہ آقا اگر حکم ہو تو لشکرِ یزید کو ایک دم میں تباہ کر دوں تو صابر امام نے

جواب دیا تھا کہ اے زعفر تمہاری اس ہمدردی اور غمگساری کا شکریہ۔ مگر میں تمہارے ہاتھوں اپنے نانے کی امت نہیں مروا سکتا۔

شیرِ خدا کا نورِ نظر فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد میدانِ کربلا میں آیا۔ آسمان کی طرف نگاہ اُٹھائی۔ آواز آئی حسین رضی اللہ عنہ! بچ جا میں تقدیر ہوں۔ حسین رضی اللہ عنہ نے کہا! آ جا میں شبیر ہوں۔ پھر آواز آئی۔ حسین رضی اللہ عنہ! مجھے خدا نے بھیجا ہے! حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے مصطفیٰ نے بھیجا ہے۔ پھر آواز آئی حسین! میرا نام قضا ہے۔ حسین رضی اللہ عنہ نے کہا میرا باپ مرتضیٰ ہے۔ اور پھر عقل بولی۔ حسین رضی اللہ عنہ! یزید کی بیعت کرنے سے شان و شوکت ملے گی۔ تخت و تاج ملے گا اور دنیا کے خزانے ملیں گے اور

آرام بھی ہاتھ آئے گا اور راحت بھی ملے گی
دولت بھی مدینے کی حکومت بھی ملے گی

مگر عشق نے پکارا حسین رضی اللہ عنہ! یہ تو ٹھیک ہے! پر

تو نے جو ذرہ آج اگر صبر دکھایا
کوثر بھی ملے گا تمہیں جنت بھی ملے گی

عقل نے کہا حسینؓ گھر کا نظام — عشق بول اٹھا محمد کا اسلام نہ بگڑے

عقل پھر بولی حسین رضی اللہ عنہ! اکبر کی لاش پر گھوڑے دوڑیں گے! اصغر کے حلق پر تیر پیوست ہوگا۔ عباس رضی اللہ عنہ کے بازو قلم ہوں گے عابد کے پاؤں میں بیڑیاں پہنائی جائیں گی۔ بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے خیمے جلائے جائیں گے۔ اور تمام سر بھی نیزے پر چڑھایا جائے گا۔ اب بھی وقت ہے بچ جا! عشق پھر پکارا حسین رضی اللہ عنہ! یہ سب کچھ ہوگا۔ مگر تو راکبِ دوشِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے نورِ نگاہِ مرتضیٰ ہے لختِ جگرِ زہرا ہے اور تو نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کا پاک دودھ پیا ہے اس لئے اے حسین رضی اللہ عنہ

چڑھ جائے کٹ کے سر تیرا نیزے کی نوک پر
لیکن یزیدیوں کی اطاعت نہ کر قبول

لشکرِ یزید سے آواز آئی۔ حسین رضی اللہ عنہ دیر کیوں کر رہے ہو۔ کیا یزید کی بیعت کے متعلق

سوچ رہے ہو؟ عمرو بن سعد کی اس بدزبانی سے حیدری خون جوش میں آ گیا۔ گھوڑے کو ایڑھ لگائی اور تنہا لشکرِ اعداء کے سامنے کھڑے ہو گئے اور ایک ایمان افروز خطبہ ارشاد فرمایا۔

فرمایا! اے باطل پرستو! اور دین کے دشمنو! سنو اور غور سے سنو کہ یہ جو کچھ تم کر رہے ہو وہ کون ہے اور جس کے خون کے پیاسے ہو اس کی شان کیا ہے۔ میرے حسب ونسب کو یاد کرو میں اس رسول کا نواسہ ہوں جس کا تم کلمہ پڑھتے ہو! میں اس باپ کا بیٹا ہوں جو تمہارا خلیفہ اور امام تھا اور میں اس ماں کا فرزند ہوں جس کی فرشتوں کو بھی شرم تھی۔ میرا خاندان، خاندانِ نبوت ہے۔ میرا ذاتی گھرانہ نورانی اور پاک ہے آیت تطہیر ہماری شان میں نازل ہوئی۔ میں امام الانبیاء کے دوش پر سوار ہونے والا حسین رضی اللہ عنہ ہوں۔ میں محبوبِ خدا کی زلفوں سے کھیلنے والا حسین رضی اللہ عنہ ہوں۔ میرا کوئی قصور ہے تو بتاؤ۔ میرا کوئی جرم ہے تو ثابت کرو اور میرا کوئی گناہ ہے تو آواز دو اور میں خود نہیں آیا۔ تمہارے بلانے پر آیا ہوں تمہارے سینکڑوں خط میرے پاس موجود ہیں اور پھر آپ نے ایک ایک کا نام لے کر مخاطب کیا اور فرمایا دنیا کے لالچ میں آ کر اور یزید کے غیر اسلامی دربار سے انعام واکرام پالینے کے طمع میں آ کر عترتِ پیغمبر کو ہلاک کرنے کا ارادہ اب بھی چھوڑ دو اور اپنی عاقبت کو سنوار و۔ میرا خدا ضرور تمہیں معاف کر دے گا۔

ہاں! تمہاری نظر میں اگر میرا قصور ہے تو یہ کہ میں یزید کی بیعت نہیں کرتا اور ایک فاسق و فاجر کے آگے سر نہیں جھکاتا تو سن لو! میں اپنا سب کچھ قربان کر دوں گا۔ بھوک اور پیاس برداشت کر لوں گا۔ اکبر اور اصغر کو ہنس کے نثار کر دوں گا اور خود بھی نیزے پر چڑھ جاؤں گا۔ مگر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لال سے یہ توقع نہ رکھو کہ وہ بھوک اور پیاس، خوف و ہراس اور قتلِ اولاد کے ڈر سے یزید کی بیعت کرے گا۔

میرے آقا حسین رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنے والو! جانتے ہو کہ میدانِ کربلا میں محرم کی دس تاریخ کو یہ کون کھڑا ہے اور کہاں کھڑا ہے کن کے سامنے کھڑا ہے اور کس لئے کھڑا ہے؟ اگر جانتے ہو تو سمجھو اور اگر نہیں جانتے ہو تو سنو! اور غور سے سنو! ظاہری کانوں سے نہیں، دل کے کانوں سے سنو! یہ راکبِ دوشِ مصطفیٰ ہے۔ یہ راحتِ جانِ مرتضیٰ ہے اور لختِ جگر حضرت زہرا ہے یہ محبوبِ خدا کا پیارا حسین رضی اللہ عنہ ہے۔ یہ علی رضی اللہ عنہ کے دل کا سہارا

حسین رضی اللہ عنہ ہے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کی آنکھوں کا تارا حسین رضی اللہ عنہ ہے۔

اور یہ مصر و شام کے شاہی محلوں میں نہیں اور روم و ایران کے سنہری تخت پر نہیں۔ بلکہ عراق کے بیاباں میں کھڑا ہے۔ کوفہ کے ریگستان میں کھڑا ہے اور کربلا کے میدان میں کھڑا ہے اور ان کے سامنے کھڑا ہے جو اس کے نانے کا کلمہ پڑھتے ہیں جو اذان میں اس کے نانے کا نام لینے والے ہیں۔ اور جو اپنی نمازیں قبول کرانے کے لئے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کہنے والے ہیں اور یہ اس عراق میں کھڑا ہے جو اس کا دارالخلافت تھا اور اس کوفہ میں کھڑا ہے جس کی جامع مسجد کا امام اس کا باپ تھا اور ان کے سامنے کھڑا ہے جو اس کے باپ کے مقتدی تھے اور کربلا کے اس میدان میں کھڑا ہے جہاں نمرود نے حضرت خلیل اللہ کے لئے بھٹہ تیار کی تھی اور جہاں ہاروت و ماروت کو ایک اندھیرے کنویں میں لٹکایا گیا تھا اور جہاں سے طوفانِ نوح کے دریا اُبلے تھے۔

اور یہ آج اپنے بچوں کے خون سے دین و ایمان کی شمع جلانے کے لئے کھڑا ہے! باطل کے مقابلہ میں حق کا علم لہرانے کے لئے کھڑا ہے اور نیزے پر چڑھ کر قرآن سنانے کے لئے کھڑا ہے۔

لشکرِ اعداء میں ایک سکوت طاری تھا۔ ہر طرف خاموشی چھا گئی اور کسی میں جواب دینے کی ہمت نہ رہی۔ اس لئے کہ امام عالی مقام کی اس ایمان افروز تقریر نے ان کو لاجواب کر دیا تھا اور حقیقت افروز وعظ نے ان کی زبانیں بند کر دی تھیں۔ وہ حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ مگر نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پُر تاثیر تقریر نے حُر کی آنکھوں سے غفلت کے تمام پردے اٹھا دیئے۔ اس نے محبت بھری نظروں سے امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا، حیا آ گئی۔ اور سر جھکا لیا۔ پھر نگاہ اٹھائی۔ شرم آ گئی اور گردن جھکا لی۔ تیسری بار دیکھا تو شمر نے پوچھا، حُر! حسین رضی اللہ عنہ کی طرف بار بار کیوں دیکھتے ہو؟ فرمایا، ظالمو! مجھے حسین رضی اللہ عنہ کی پیشانی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ نظر آ رہا ہے۔ پھر گھوڑے کو دوڑا کر امام حسین رضی اللہ عنہ کے قدموں میں آ گرے! نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھایا اور فرمایا۔ حُر! کیوں آئے ہو؟ عرض کی آقا! اپنے مقتدی ہونے کا حق ادا کرنے آیا ہوں، اپنے گناہ کی معافی لینے آیا ہوں اور اپنے جرم سے توبہ کرنے آیا ہوں اور آپ کے قدموں

میں جان دینے آیا ہوں۔

اور عرض کی یا امام! قصوروار میں ہوں کہ آپ کو گھیر کر یہاں لایا۔ گنہگار میں ہوں کہ آپ کو یہاں اتارا۔ مگر واللہ میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ ان کے دل اتنے سیاہ ہو چکے ہیں کہ آپ کو قتل کرنے کے درپے ہو جائیں گے۔ اور آلِ رسول پر پانی بند کر دیں گے۔

مظلوم کربلا نے حُر کو گلے لگا لیا اور فرمایا خدا تیری توبہ قبول کرے اور پھر حضرت حُر نے یزیدی لشکر کی طرف منہ کیا اور عمرو بن سعد کو مخاطب کر کے فرمایا کہ لعنت ہے تجھ پر کہ تو دنیا کے لالچ کے بدلے اپنے دین کو برباد کر دیا ہے اور یزید سے انعام واکرام پانے کی خاطر باطل کی حمایت کر کے اپنی عاقبت خراب کر رہا ہے اور اہلِ بیت کی دشمنی میں اپنا نامۂ اعمال سیاہ کر رہا ہے۔ آ باز آ جا اب بھی وقت ہے۔ اُٹھ! دوڑ اور آ کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قدم پکڑ لے اور جس طرح میں نے کیا تو بھی جہنم کے گڑھے سے نکل کر جنت کی فضاؤں میں آ جا اور اے یزید کی باطل پرستی کا ساتھ دینے والے بے دینو! جس فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لال کو تم نے سینکڑوں قاصد اور خط بھیج کر اس لئے بلایا ہے کہ ہم آپ کی بیعت کریں گے اور اب جب وہ آ گیا ہے تو اس کو یزید کی بیعت کے لئے مجبور کر رہے ہو۔ یہ تمہاری بدعہدی ہے۔ بے وفائی ہے اور عہد شکنی ہے۔ اب بھی وقت ہے اپنی آنکھوں سے غفلت کے پردے اٹھاؤ اور اپنے وعدے کو پورا کرتے ہوئے باطل کا ساتھ چھوڑ کر حق کی حمایت کرو۔ خدا تمہیں معاف کر دے گا۔

حُر ابھی تقریر کر ہی رہے تھے کہ عمرو بن سعد نے اپنی کمان اٹھائی تیر چلّے پر چڑھایا اور یہ کہتے ہوئے تیر امام پاک کی طرف پھینکا کہ لوگو! تم گواہ رہنا کہ حسین رضی اللہ عنہ پر پہلا تیر میں نے پھینکا ہے۔

خدا کی شانِ بے نیازی کے قربان کہ یہ عمرو بن سعد ان حضرت سعد بن ابی وقاص کا بیٹا ہے جنہوں نے جنگ اُحد میں سید المرسلین کی حفاظت کے لئے اور دین وحق کی رکھوالی کے لئے پہلا تیر کفار کے لشکر کی طرف پھینکا تھا اور آج انہیں سعد کا بیٹا عمرو بن سعد نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لئے اور دین وحق کی تباہی کے لئے پہلا تیر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف چلاتا ہے۔ اسی لئے تو دانا کہہ گئے ہیں۔

جنتی باپ کا جہنمی بیٹا

حضرتِ حُر کی جانثاری

اور پھر ابنِ زیاد کا غلام سالم گھوڑا دوڑاتا ہوا میدان میں آ پہنچا۔ تلوار چمکائی اور شہزادۂ دو عالم کو جنگ کے لئے للکارا۔ سیّدہ کا لال اٹھا مگر حضرتِ حُر نے پاؤں پکڑ لیے اور عرض کی آقا! جانثار غلام کے ہوتے ہوئے آقا میدان میں نہیں جا سکتا۔ مظلوم کربلا نے فرمایا حُر! یہ تو ٹھیک ہے مگر میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کوئی اپنی جان گنوائے۔ حُر نے پھر عرض کی یا حسین رضی اللہ عنہ! مجھے اپنی جان پیاری نہیں۔ ایمان پیارا ہے اور زندگی عزیز نہیں دین عزیز ہے اور اگر دین و ایمان کی خاطر یہ جان جاتی ہے تو جائے اور اگر ناموسِ اہل بیت کی حفاظت کے لئے موت آتی ہے تو آئے یا سیّد! دشمن جنگ کے لئے للکار رہا ہے اجازت دیجیے۔

امام عالی مقام نے اجازت دے دی اور فرمایا حُر! جاؤ خدا تمہاری یہ قربانی قبول فرمائے اور پہلے تو تمہارا نام حُر ہے اور جاؤ اب تمہیں دوزخ کی آگ سے بھی آزاد کر دیا۔

حُر شوقِ شہادت کے نشے میں جھومتا ہوا آگے نکلا اور عمرو بن سعد کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اے دنیا کے ذلیل انسان! اب میں وہ حُر نہیں ہوں جو اہلِ بیت کو گھیر کر یہاں لایا۔ بلکہ اب میں راہِ حق و ہدایت میں قربان ہونے والا حُر ہوں دین و ایمان کی خاطر جان دینے والا ہوں اور امام برحق کے قدموں میں نثار ہونے والا حُر ہوں اور جہنم کی آگ سے آزاد ہو جانے والا حُر ہوں۔

پہنچ کر لشکرِ باطل میں پھر شمشیر کو تولا
ہزاروں دشمنوں کے سامنے للکار کر بولا

میرے عہدِ جفا کے ساتھیو ہوشیار ہو جاؤ
مجھی سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ

امامِ تشنہ لب کے فیض کی مے پی کے آیا ہوں
درِ ساقی پہ مُردہ دل گیا تھا جی کے آیا ہوں

نگاہِ لطفِ ساقی نے میری فطرت بدل ڈالی
ذرا سی دیر میں بدبخت کی قسمت بدل ڈالی

اور اے بدفطرت کوفیو! تم نے نواسۂ رسول ﷺ کو اپنا مذہبی پیشوا بنانے کے لئے بلایا۔ اپنے دین کا امام تسلیم کرنے کے لئے بلایا اور اپنی طریقت کا پیر ماننے کے لئے بلایا اور جب وہ تمہارے وعدوں پر اعتبار کر کے اور تمہاری قسموں پر یقین کر کے آ گیا ہے تو اب اس کو مجبور کرتے ہو کہ وہ ایک فاسق و فاجر کو اپنا مذہبی پیشوا تسلیم کر لے اب اس کو کہتے ہو کہ وہ ایک بے دین کو اپنا امام بنا لے اور اب اس کو تنگ کرتے ہو کہ وہ ایک عیاش و بدقماش کو اپنی طریقت کا پیر مان لے، حالانکہ مذہب ان کے گھر کا ہے دین ان کے گھر کا ہے اور طریقت ان کے گھر کی ہے نہیں نہیں۔ بلکہ:

نبوت ان کے گھر کی ہے رسالت ان کے گھر کی ہے
شجاعت ان کے گھر کی ہے امامت ان کے گھر کی ہے
نیابت ان کے گھر کی ہے سیادت ان کے گھر کی ہے
سخاوت ان کے گھر کی ہے شہادت ان کے گھر کی ہے
گنہگارو نہ گھبراؤ عدالت ان کے گھر کی ہے
بُروں کو بخشوا لینا یہ عادت ان کے گھر کی ہے

اس لئے خبردار! اب بھی وقت ہے آنکھیں کھولو اور حضرتِ امام حسین کے چہرے پر حسنِ مصطفیٰ کے جلوے دیکھو۔ حق کا ساتھ دے کر جنت کا سودا کرو آگے بڑھو اور اس حق کے امام کے پاؤں پکڑ لو۔ خدا تمہیں معاف کر دے گا۔

حُر کی اس حقیقت افروز تقریر نے عمرو بن سعد اور کوفیوں کے دل ہلا دیئے کسی کو جواب دینے کی ہمت نہ ہوئی اور جواب دیتے بھی کیا جھوٹے تھے۔ بے وفا تھے اور دغاباز تھے لیکن عمرو بن سعد پکارا۔ ساتھیو! دیکھتے کیا ہو اٹھو اور نمک حرام کا منہ بند کر دو۔ چنانچہ سالم آگے بڑھا اور پھر ایک تیر سرسراتا ہوا حُر کے کانوں کے قریب سے گزر گیا۔ حُر جوش میں آ گیا اور للکارا کہ او ابنِ زیاد کے غلام میرا اور تیرا کوئی مقابلہ نہیں تو ابنِ زیاد کا غلام ہے اور میری ماں نے میرا نام حُر

(آزاد) رکھا ہے اور میں پہلے بھی دنیا کے غم وفکر سے آزاد تھا اور اب تو فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لال نے مجھے جہنم کی آگ سے بھی آزاد کر دیا ہے۔ تو ابنِ زیاد کا غلام ہے، عمرو بن سعد کا غلام ہے اور یزید کا غلام ہے اور میں اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں۔ علی رضی اللہ عنہ کا غلام ہوں اور امام حسین رضی اللہ عنہ کا غلام ہوں، جا اور عمرو بن سعد سے کہدے کہ وہ خود مقابلے میں آئے اور میری تلوار کی کاٹ دیکھے۔ دشمن نے آواز دی یہ ٹھیک ہے کہ میں غلام ہوں مگر بہادر ہوں آگے آ اور میری شمشیر کے جوہر دیکھ حُر نے جوش میں آ کر گھوڑا آگے بڑھایا اور ہوا کی طرح سالم کے سر پر پہنچا تلوار بجلی کی طرح چمکی اور پھر سالم کی لاش زمین پر تڑپنے لگی۔ عمرو بن سعد اس ناکامی کو دیکھ کر پکار اٹھا کہ اے یزید اور ابن زیاد کے نمک خوارو تم میں سے کون بہادر ہے جو حُر کو قتل کرے اور یزید کے دربار سے سونے اور چاندی کے خزانے حاصل کرے۔ اس لالچ نے حصین بن نمیر اکو اندھا کر دیا اور وہ بڑے تکبر اور غرور سے تلوار ہوا میں لہراتا ہوا مقابلے میں آیا لیکن وہ ابھی سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ حُر نے اس کے بھی دو ٹکڑے کر دیئے اور پھر شوقِ شہادت میں خود ہی یزیدی لشکر میں گھس گیا کہ کسی طرح عمرو بن سعد کو قتل کر کے اس فتنے کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دوں یزیدی لشکر میں ہل چل مچ گئی اور حُر کے ایک ایک حملے سے کئی کئی یزیدی گرتے تھے اور پھر دشمنوں نے یکبارگی مل کر حملہ کیا تیروں کی بارش اور تلواروں کی بوچھاڑ سے حُر زخموں پر زخم کھا رہا تھا۔ مگر لڑتا جا رہا تھا۔ آخر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ عمرو بن سعد پکارا حسین رضی اللہ عنہ! اپنے نئے غلام کی لاش لے جاؤ۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ حُر کے پاس گئے اور فرمایا مرحبا! حُر نے آنکھیں کھولیں اور پھر آخری بار اپنے آقا کو دیکھا اور قدموں میں جان دے دی۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ ٭

پاکستان کے مقتدیو! غور کرو اور مسجدوں میں اپنے اپنے امام کے پیچھے نماز پڑھنے والو سوچو! اور کسی امام کا مقتدی بن کر پھر اس کا حق ادا کرنے کا طریقہ حضرت حُر سے سیکھو۔ جس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پیچھے ایک نماز پڑھی اور پھر اپنے امام کے قدموں میں جان دے کر اپنے مقتدی ہونے کا حق ادا کر گیا اور آپ ہیں کہ کسی امام کے پیچھے دس سال بھی نمازیں پڑھنے کے بعد اس کی عزت وآبرو کی خاطر جان دینی تو درکنار اس کا ساتھ تک نہیں دیتے۔

حضرتِ وہب بن عبداللہ کلبی کی قربانی

حضرت حر کی قربانی کے بعد حضرت وہب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کلبی نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے میدان میں جانے کی اجازت طلب کی۔ یہ اپنے قبیلے کا خوبصورت جوان تھا۔ جس کی شادی کو ابھی پندرہ دن ہی ہوئے تھے۔ اپنی تمام امنگوں سے منہ موڑ کر اپنی تمام تمناؤں کو خاک میں ملا کر اور دنیا کی ہر خواہش کو پس پشت ڈال کر اور اپنی نئی دلہن کے سہاگ کا بھی کوئی خیال نہ کرتے ہوئے ناموس اسلام کی خاطر قربان ہونے کے لئے تیار ہو گیا۔ شاید یہ جوان اپنی نئی دلہن کے سہاگ کو قائم رکھنے کے لئے اپنی جان نہ دیتا۔ مگر اس کی بوڑھی ماں نے فرمایا بیٹا! میں نے تمہیں جنم دیا۔ میں نے تمہیں پالا اور میں نے تمہارے لاڈ دیکھے اور میں نے تجھے ایک لمحہ کے لئے بھی آنکھوں سے دور نہ کیا۔ اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم میرے دل کا چین ہو۔ میرے سینے کا قرار ہو! میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو اور میرے بڑھاپے کا سہارا ہو! اور بیٹا! ہمارے نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اولاد ساری زندگی میں بھی اپنی ماں کا حق ادا نہیں کر سکتی مگر آج اگر تم دین پر قربان ہو جاؤ! حق پر نثار ہو جاؤ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر صدقے ہو جاؤ تو میں سمجھوں گی کہ تم نے اپنی ماں کا حق ادا کر دیا۔ بیٹا! دیکھتے کیا ہو اٹھو اور میرے سفید بالوں کی عزت بچا لو جاؤ اور میرے دودھ کی لاج رکھ لو۔ بیٹا! میں بوڑھی عورت ہو کر بھی یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ ہمارا آقا حسین رضی اللہ عنہ ایک بہت بڑی مصیبت اور سخت امتحان میں مبتلا ہو اور میں دیکھتی رہوں تو تم جوان ہو کر، بہادر ہو کر اور شہسوار ہو کر یہ سب کچھ کیسے دیکھ رہے ہو؟ اور اگر تم نے میرا حکم نہ مانا تو پھر نہ میں تجھے اپنا دودھ بخشوں گی۔ اور نہ ہی قیامت میں تمہارا یہ جرم معاف کروں گی۔ اور اگر تم نے انکار کر دیا تو پھر میں خود تلوار پکڑ کر میدان میں جاؤں گی۔ اور عمرو بن سعد کو یہ بتا دوں گی کہ دین اور ایمان کی حفاظت کے لئے خدا تعالیٰ نے صرف

مردوں کو ہی نہیں بلکہ عورتوں کو بھی ہمت دی ہے۔

بوڑھی ماں کی اس دل ہلا دینے والی گفتگو نے حضرت وہب کے سینے میں ایک طوفان برپا کر دیا۔ اور دل میں ایک آگ لگا دی...... جوش میں اٹھے اور بیوی کے پاس گئے اور کہا۔ اے رفیقۂ حیات! میں تمہاری امنگوں کو جانتا ہوں اور تمہارے سہاگ کی قیمت بھی جانتا ہوں۔ مگر آج ابن رسول پر اور جگر گوشۂ بتول پر مصیبت بنی ہوئی ہے اور سخت امتحان میں مبتلا ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لال کی حمایت میں اور حق کی آن پر اپنی جان قربان کر دوں۔ تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ اپنا حق مہر معاف کر دو۔ وفادار بیوی دست بستہ کھڑی ہوگئی اور جواب دیا۔ اے میرے سرتاج! اگرچہ میں جانتی ہوں کہ تمہاری موت سے میرا سہاگ لٹ جائیگا۔ لیکن اگر میرا سہاگ لٹ کر بھی دین وحق کا علم بلند رہ سکتا ہے تو مجھے منظور ہے اور میرا سہاگ اگر لٹتا ہے تو لٹے۔ مگر عروس ایمان کا سہاگ پامال نہ ہو اور اگر اسلام عورتوں کو بھی میدان جنگ میں لڑنے کی اجازت دیتا تو میں بھی تمہارے ساتھ شانہ بہ شانہ ہو کر لڑتی اور یزیدیوں کو بتا دیتی کہ تمہاری غیر اسلامی حکومت اور شخصی بادشاہت مسلمان عورتوں کو بھی قبول نہیں ہے۔

اور پھر یہ تینوں ماں! بیٹا! اور نئی دلہن امام مظلوم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔

ماں نے پاؤں کی خاک چومی۔ بیٹے نے قدموں کا بوسہ لیا۔ اور دلہن نے سر جھکا دیا۔

وہب کی ماں نے عرض کی۔ یا ابن رسول اللہ یہ وہب میرا ایک ہی بیٹا ہے اور میری زندگی کا آسرا ہے اور میرے بڑھاپے کا سہارا ہے اور یہی میری دولت ہے۔ یہی میری کمائی ہے اور یہی میری پونجی ہے یا سید میری یہ حقیر سی قربانی قبول فرما لو۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ عترت پیغمبر مصیبت میں مبتلا ہو اور میرا جوان بیٹا دیکھتا رہے۔ اس لئے میرے اس بیٹے کو نثار ہونے کی اجازت دیجئے۔

نئی دلہن نے عرض کی۔ اے سیدہ کے لال! میں جانتی ہوں کہ وہب کی موت سے میرا سہاگ لٹ جائے گا۔ اور میں اپنے والی سے محروم ہو جاؤں گی۔ مگر میرے آقا! مجھے یہ سب کچھ منظور ہے۔ مگر آپ کی مصیبت نہیں دیکھی جاتی میرے خاوند کو میدان میں جانے

ی اجازت دے دو۔ اور اس کے عوض میں میں نے اپنا حق مہر معاف کیا۔ حضرت وہب جو ابھی تک دست بستہ کھڑے تھے بول اٹھے۔ اے ہمارے امام! وہ موت جو اسلام کی سربلندی کے لئے آئے وہ موت نہیں زندگی ہے۔ اور وہ سر جو ناموس دین کی خاطر کٹے سربلند ہے یا حسین رضی اللہ عنہ! اجازت دو کہ میدان میں جاؤں اور دین کے دشمنوں کو بتاؤں کہ ابھی حق کی حمایت کرنے والے موجود ہیں۔

تینوں کی اس گفتگو سے اہل خیمہ رونے لگے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ آج میدان جنگ میں جو بھی جائے گا وہ زندہ نہیں آئے گا اور وہب کی موت سے اس کی بوڑھی ماں کی لاٹھی ٹوٹ جائے گی اور اس کی بیوی کا سہاگ خاک میں مل جائے گا۔ اس لئے فرمایا۔ وہب تمہاری اس عقیدت ومحبت کا شکریہ! مگر میں نہیں چاہتا کہ تمہیں موت کے حوالے کر کے تمہاری ماں کا سہارا چھین لوں اور تمہاری بیوی کا سہاگ خاک میں ملا دوں۔ مگر تینوں میں سے اس پر کوئی بھی راضی نہیں ہوا۔ اور تینوں نے پھر امام کے پاؤں پکڑ لئے...... ماں نے عرض کی یا حسین رضی اللہ عنہ! میرے سہارے آپ ہیں..... بیوی نے کہا آقا! میرے والی آپ ہیں...... وہب نے التجا کی یا سیّد! میرے امام آپ ہیں..... اپنے نانے کا واسطہ مجھے نثار ہونے کا حکم دو...... شہزادۂ کونین نے حضرت وہب کا شوق شہادت دیکھا تو اجازت دے دی۔ اور پھر حضرت وہب نے امام کے قدم چومے۔ ماں کے پاؤں کو بوسہ دیا۔ اور بیوی کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اور گھوڑے کو اشارہ دیا۔ اور پھر دشمنوں کے آگے ڈٹ گئے۔ سر پر لوہے کا خود تھا اور ہاتھ میں فولادی شمشیر پشت پر ڈھال تھی۔ اور دوسرے ہاتھ میں نیزہ...... محکم بن طفیل ایک شامی شہسوار مقابلے میں آیا اور پھر دو تلواریں لہرائیں اور ٹکرائیں...... نیزے ابھرے اور چمکے...... وہ بھی شہسوار تھا...... یہ بھی تجربہ کار تھا...... وہ یزیدی کتا تھا...... یہ حسین رضی اللہ عنہ کا شیر تھا۔ وہب نے گھوڑے کو ایڑھ لگائی۔ اور بجلی کی طرح اس کے سر پر پہنچا اور پھر فولادی شمشیر اٹھی اور محکم کے سر پر گری...... وہ خاک پر تڑپنے لگا۔ یزیدی لشکر میں خاموشی چھا گئی۔ اور حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ کہ اب کون مقابلے میں جائے...... ادھر حضرت وہب نیزہ ہلا ہلا کر للکار رہے تھے کہ یزیدی کتو آؤ

اور حسین رضی اللہ عنہ کے شیر کا پنجہ دیکھو، اور جب کوئی بھی مقابلے میں نہ آیا تو شوق شہادت میں خود ہی بھوکے شیر کی طرح قلب لشکر میں جا پہنچے...... یزیدی بھیڑوں میں کھلبلی مچ گئی......اور عمرو بن سعد پکارا بہادرو! تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کہ تم حسین رضی اللہ عنہ ابن علی رضی اللہ عنہ کے ایک ساتھی کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتے۔ پھر تمام نے مل کر حضرت وہب پر حملہ کر دیا۔ ایک تیر آپ کے گھوڑے کی پیشانی پر لگا۔ گھوڑا گر پڑا اور حضرت وہب پا پیادہ ہی لڑنے لگے۔ زخموں پر زخم کھا رہے تھے مگر ثابت قدم تھے اور اس حالت میں چالیس یزیدیوں کو قتل کر دیا۔ آخر ایک تیر آپ کے سینے میں لگا...... بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے اور دشمنوں نے موقع دیکھ کر فوراً آپ کا سر تن سے جدا کر دیا...... عمرو بن سعد نے آواز دی۔ حسین رضی اللہ عنہ! اپنے دوسرے ساتھی کی بھی لاش لے جاؤ۔

وہب کی ماں یہ نظارہ دیکھ رہی تھی......دوڑی اور اپنے بیٹے کا سر جھولی میں ڈالا...... کلیجے سے لگایا......اور پھر دلہن کی گود میں ڈال دیا......دلہن نے اپنے سر کے والی کا سر اپنی گود میں دیکھا تو ایک چیخ ماری اور اپنی جان دے دی۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

حضرت وہب کی شہادت کے بعد نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار ساتھی وفادار غلام اور فداکار خادم یکے بعد دیگرے ناموس اسلام کی حفاظت اور حق و صداقت کی رکھوالی کے لئے اپنے اپنے جوہر دکھاتے ہوئے قربان ہو گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ، کے نورِ نظر کے ان وفادار غلاموں پر ہزاروں سلام جو دین و ایمان کی آبرو بچانے کی خاطر جان دے گئے...... فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لال کے ان جانثار ساتھیوں پر صدقے جو حق و صداقت کا علم سربلند رکھنے کے لئے قربان ہو گئے......نواسۂ رسول کے ان فداکار ہمراہیوں کے خون کے ایک ایک قطرے پر فدا جو میدان کربلا کی تپتی ہوئی ریت پر شریعت مصطفیٰ کی پاسبانی کی خاطر مظلوم کربلا کے قدموں میں شہادت پا گئے۔ انکی پاک روحوں کو سلام...... ان کی قبروں پر رحمت اور ان کی وفاداری پر تحسین۔

اب خاندان نبوت کے مقدس خیموں میں صرف اہل بیت اطہار کے چند بوڑھے!

دو چار جوان اور ایک دو بچے ہی رہ گئے تھے جو نوشتۂ تقدیر کو پورا کر کے اور قدرت کے عطا کئے ہوئے مرتبہ شہادت کے ازلی عطیئے کو حاصل کر کے کفر و باطل کے اندھیروں میں اپنے خون سے حق و اسلام کی شمع جلا کر وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ کی عملی تصویر بننے والے تھے اور جو دنیا کے باطل پرست انسانوں کو یہ بتا کر کہ حکومت صرف اللہ کی ہے اور قانون صرف قرآن کا ہے اور اطاعت صرف خدا اور اس کے رسول کی ہے مرتبۂ شہادت پر فائز ہونے والے تھے اور جو یزیدیت کے فسق و فجور کے اندھیروں میں اپنے خون سے شمع حسینیت رضی اللہ عنہ جلانے کے لئے تیار کھڑے تھے۔

عون ومحمد کی قربانی

حضرت وہب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، خیمے میں واپس آئے! بی بی شہربانو چادر کے دامن سے علی اصغر کو ہوا دے رہی تھیں۔ کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لال نے اپنی ہمشیرہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا سے فرمایا بہن زینب رضی اللہ عنہا اٹھو اور بھائی حسن رضی اللہ عنہ کی کمان دو۔ نانے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دستار دو بابا علی رضی اللہ عنہ کی تلوار دو اور جی بھر کے اپنے بھائی کی صورت دیکھ لو۔ پھر نظر نہیں آئے گی۔ بہن روتی ہوئی اٹھی اور بھائی کے پاؤں میں گر پڑی۔ اور ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ اے میرے پیارے بھائی حسین رضی اللہ عنہ! ۔اس نازک گھڑی اور شدید امتحان کے وقت جب کہ ہماری مظلومی و بے کسی پر آسمان والے بھی رو رہے ہیں۔ بہن اپنے بھائی کے آگے ایک درخواست پیش کرتی ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ اللہ کے شیر علی رضی اللہ عنہ کا لاڈلا اور سخی ماں کا بیٹا اپنی بہن کی یہ درخواست قبول کرلے گا۔

نواسۂ رسول نے فرمایا زینب رضی اللہ عنہا کہو کیا کہنا چاہتی ہو۔ بی بی سیّدہ نے عرض کی یا سیّد! ہمارے نانے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک ہے اَلصَّدَقَةُ رَدُّالْبَلَاءِ کہ مصیبت کے وقت کوئی صدقہ دیا جائے تو خدا اس مصیبت کو ٹال دیتا ہے اور اس سے بڑھ کر اور کیا مصیبت آئے گی کہ دشمنوں نے ہم پر پانی بھی بند کر دیا ہے اور خون کے بھی پیاسے ہیں۔ اسلیئے بہتر ہے کہ کسی چیز کا صدقہ دیا جائے۔ امام عالی مقام کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ اور فرمایا میری بہن! نانے پاک کی یہ حدیث تو صحیح ہے۔ مگر اس مظلومی وغریب الوطنی میں میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے۔ جس کا میں صدقہ دوں ہمارے پاس تو اس وقت پانی کی بھی بوند نہیں ہے، پھر صدقہ کس چیز کا دوں۔

بہن زینب رضی اللہ عنہا نے التجا کی بھائی حسین رضی اللہ عنہ! آج صدقہ کے لئے پانی کے مشکیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔ آج صدقہ دینے کے لئے میرے دونوں بچے عون اور محمد جو

حاضر ہیں اور دیکھو یہ دونوں ناموس اسلام کی خاطر قربان ہونے کے لئے تیار ہیں۔ کتنے بے قرار ہیں۔ اور میں جدھر جاتی ہوں میرے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں۔ اماں جان! ہمیں ماموں جان سے میدان میں جانے کی اجازت لے دو۔

شہزادۂ کونین کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ اور فرمایا بہن! کس منہ سے تیرے بچوں کو اجازت دوں۔ میں اپنی خاطر اپنی بہن کو بے اولاد نہیں کرسکتا...... سیدہ زینب نے پھر دامن پھیلا دیا۔ اور التجا کی آقا! وہ بہن کتنی خوش نصیب ہے۔ جس کی اولاد اپنے بھائی پر نثار ہوجائے۔ اور مجھے تو افسوس ہے کہ میرے دو ہی بچے ہیں۔ اگر ہزار بھی ہوتے تو آج نانے پاک کی شریعت کی لاج رکھنے کی خاطر قربان کرکے فخر محسوس کرتی۔ یا حسین رضی اللہ عنہ! بہن کے سوال کو رد نہ کرو۔ وہ دیکھو دونوں شوقِ شہادت میں کتنے بے تاب ہیں۔

یا سید! آج اگر باپ ہوتا تو سفارش کرتا! ماں ہوتی تو حمایت کرتی اور بھائی ہوتا تو مدد کرتا۔ مگر نہ باپ ہے نہ ماں! نہ بھائی ہے اور نہ نانا...... پھر کس کی سفارش لاؤں! کسی کی حمایت حاصل کروں۔ اور کس کی مدد تلاش کروں۔ ماں فاطمہ رضی اللہ عنہا کی پاک چادر کا صدقہ میرے بچوں کو میدان میں جانے کی اجازت دیجئے۔

مظلوم کربلا نے ایک بار پھر اپنی بہن کو سمجھایا کہ زینب رضی اللہ عنہا اپنے ارادے سے باز آجاؤ۔ اور اپنے بچوں کو کہو۔ کہ وہ خیمے میں جاکر آرام کریں۔ آج ماموں کے پاس موت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اور میں اپنی بہن کی عمر بھر کی کمائی کو لوٹنا نہیں چاہتا۔

بہن زینب رضی اللہ عنہا نے پھر پاؤں پکڑ لئے۔ اور پھر دست سوال بڑھایا کہ بھائی حسین رضی اللہ عنہ سخی باپ کے بیٹے ہو! سخی ماں کے لختِ جگر ہو اور سخی نانے کے نواسے ہو۔ بہن کے کاسۂ گدائی میں بھی خیرات ڈال دو۔

فرمایا میں بن کے آئی تیرے کول سوالی
پادے خیر سخی دیا سخیا در توں موڑ نہ خالی
دے اجازت کراں سخاوت بچے پاؤن شہادت
عون محمد دا صدقہ دے کے بدلہ لواں شفاعت

ورنہ میں قیامت کے دن نانے مصطفیٰ کو کیا جواب دوں گی۔ باپ علی رضی اللہ عنہ کو کون سامنہ دکھاؤں گی۔ اور ماں فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس کس طرح جاؤں گی۔ اور یا امام! آپ فکر نہ کریں انشاءاللہ میرے بچے اگرچہ نو دس سال کے ہیں۔ مگر علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت پر حرف نہیں آنے دیں گے۔ اور میری کمائی اگر آج نیک کام کے لئے اور نیک مقصد کی خاطر لگتی ہے۔ تو لگنے دو۔ اور پھر سیّدہ نے اپنے بچوں کو اشارہ کیا تو عون ومحمد نے ماموں جان کے قدم چومے اور پھر التجا کی ماموں جان! آپ ہماری کمسنی پر نہ جائیں۔ ہماری رگوں میں بھی تو شیر خدا کا خون ہے۔ اور انشاءاللہ ہم اپنے چھوٹے چھوٹے تیروں اور چھوٹی چھوٹی تلواروں سے دشمن کی صفیں الٹ دیں گے۔ اور یزیدی لشکر کو یہ بتادیں گے کہ

علی کا گھر بھی کیا گھر ہے کہ جس گھر کا ہر اک بچہ

جسے دیکھو وہی شیر خدا معلوم ہوتا ہے

امام عالی مقام کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور بچوں کی اس دلیرانہ گفتگو سے خوش ہو کر فرمایا۔ بہن زینب رضی اللہ عنہا میری طرف سے اجازت ہے۔ جاؤ اور بچوں کو تیار کرو۔ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے بچوں کو پھر کہا کہ ماموں جان کے قدموں میں گر کر شکریہ ادا کرو۔ کہ تمہاری قربانی قبول کر لی۔ دونوں بچے پھر ماموں جان کے قدموں میں گر گئے ماں نے بچوں کو اٹھایا اور کہا۔

اٹھو میرے لال میرے ساتھ چلو

سیّدہ پاک دونوں بچوں کو خیمے میں لے آئی۔ اپنے ہاتھوں سے کپڑے بدلے آنکھوں میں سرمہ لگایا۔ زلفیں سنواریں۔ اور مٹی سے تیمم کرایا۔ بی بی شہر بانو نے پوچھا زینب رضی اللہ عنہا کیا کر رہی ہے؟ جواب دیا بچوں کو دلہا بنا رہی ہوں۔ یہ ارمان تھا جو پورا ہو گیا۔ پھر چھوٹے چھوٹے ہتھیار جسم پر لگائے اور فرمایا بیٹا! جس سینے سے دودھ پیا ہے ایک بار اس سینے سے لگ جاؤ۔ عون ومحمد ماں کے کلیجے سے لپٹ گئے ماں نے کلاوہ بھر لیا۔ آنکھیں اشکبار تھیں۔ اور زبان خاموش...... فرشتے تڑپ اٹھے۔ اور حوریں چلا پڑیں...... اور خدا نے فرمایا جبرئیل زینب کے حوصلے کو دیکھو...... سیّدہ کا

صبر دیکھو۔اور ماں کے عزم کو دیکھو۔اگر مجھے سیّدوں کا امتحان مقصود نہ ہوتو قیامت تک زینب رضی اللہ عنہا کا کلاوہ نہ کھولوں۔سیّدہ نے فرمایا! بیٹو میں خوش قسمت ہوں۔کہ تم جیسے فرمانبردار۔غازی اور جانثار بچے میرے پیٹ سے پیدا ہوئے۔

اور یاد رکھو! اگر عمرو بن سعد پوچھے کہ تم کون ہوتو یہ نہ کہنا کہ ہم زینب رضی اللہ عنہا کے بیٹے ہیں۔کہنا کہ ہم امام حسین رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں۔خبردار! میرا نام زبان پر نہ آئے۔اور علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت کو دھبہ نہ لگنے دینا۔فاطمہ رضی اللہ عنہا کی چادر کو داغدار نہ کرنا اور نانے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آن کو رسوا نہ ہونے دینا۔بیٹو! تمہاری اس اطاعت گزاری پر زمانہ فخر کرے گا۔تمہاری اس جاں نثاری پر دنیا ناز کرے گی اور تمہاری اس قربانی پر مسلمان جھومیں گے۔علی خوش ہوگا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فخر کریں گے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا صدقے جائے گی۔مگر افسوس ہے کہ میں تمہیں میدان جنگ میں بھوکے اور پیاسے بھیج رہی ہوں۔لیکن جاؤ۔اور نانے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے حوض کوثر کے پیالے پیو۔

جس وقت بچوں نے ماں کے دروازے پر آخری بار سلام کے لئے سروں کو جھکایا۔تو اس وقت خدا ہی جانتا ہے۔کہ سیدہ زینب کے دل پر کیا گزری ہوگی۔اور پھر بیٹوں کو یہ کہتے ہوئے رخصت کیا کہ......دنیا کی مائیں تو بچوں کو رخصت کرتے وقت دعائیں دیتی ہیں۔کہ زندہ جاؤ اور زندہ آؤ۔مگر تمہاری ماں یہ دعا کرتی ہے کہ زندہ جاؤ اور شہید ہو کے آؤ......اور سر لے کے جاؤ۔اور سر کٹوا کے آؤ۔اور پھر یہ کہہ کر وداع کر دیا۔کہ

جاؤ بچیو رب دا نام لے کے حق واسطے زور دکھاوناں جے
جاؤ دودھ میں اپنا بخش دتا ایس دودھ نوں داغ نہ لاوناں جے
ابن سعد پچھے بھاویں لکھ واری میرا نام نہ لباں تے لیاوناں جے
وجن تیرتے تسیں قرآن بڑھیو نالے ربدا شکر بجاوناں جے
پانی مول نہ منگیو کوفیاں تھیں تے نہ رحم دا حرف الاوناں جے
بجھی ہوئی اسلام دی شمع تائیں اپنے خون دے نال جلاوناں جے
تسی جعفر طیار دے پوترے او دین واسطے سیس کٹاوناں جے

حضرت ہاجرہ نے بھی اپنے بیٹے اسماعیل کو قربان ہونے کے لئے رخصت کیا تھا...... مگر وہ انجام سے بے خبر تھیں۔لیکن واہ رے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا! تیرے حوصلے پر قربان...... تیرے صبر پرفدا...... تیرے عزم پر نثار......اور تیرے مضبوط دل پر صدقے...... کہ بچوں کی موت سامنے نظر آرہی ہے......بیس ہزار تلواریں دیکھ رہی ہے۔اور اپنے بیٹوں کے انجام کو بھی جانتی ہے۔کہ اب بچے زندہ واپس نہیں آئیں گے......مگر پھر بھی تیرے دل پر کوئی ملال نہیں آیا۔اور تو نے حوصلہ نہیں ہارا......اور اپنے ہاتھوں سے صبر ورضا کا دامن نہیں چھوڑا اور پھر دو چھوٹی چھوٹی تلواریں فضائے کربلا میں چمکیں۔اور دو چھوٹے چھوٹے نیزے ہوا میں لہرائے فرشتوں نے کہا مرحبا......حوریں بولیں آفرین ہے اور روح فطرت جھوم اٹھی

عمرو بن سعد دیکھتے ہی پکارا...... کہ میں یہ تو جانتا ہوں کہ تم زینب کے بیٹے ہو اور حسین کے بھانجے ہو۔مگر خدا معلوم مجھے تمہاری بھولی بھالی صورتیں دیکھ کر رحم آ گیا ہے۔آؤ اب بھی میری طرف آ جاؤ۔تو تمہیں پانی کے مشکیزے بھی مل سکتے ہیں اور دنیا کی ہر نعمت مل سکتی ہے۔

عمرو بن سعد کی اس گستاخی سے عون ومحمد تڑپ اٹھے اور جواب دیا کہ او ظالم جھوٹ نہ بک......ہم ہرگز بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے بیٹے نہیں ہیں۔اور نہ ہی حضرت امام حسین کے بھانجے ہیں۔ہم تو امام حسین کے غلام ہیں۔اور ہماری ماں تو فاطمہ رضی اللہ عنہا کی کنیز ہے اور علیؓ کی خادمہ ہے۔

اے ظالم ابن سعد!

تو کیا جانے وفا وآدمیت کس کو کہتے ہیں
تو کیا جانے محبت کی اذیت کس کو کہتے ہیں
تو کیا جانے خلافت کی حفاظت کیسے ہوتی ہے
تو کیا جانے امامت کی اطاعت کیسے ہوتی ہے

اور اے ملعون! جب تجھے نواسۂ رسول اور جگر گوشۂ بتول پر رحم نہیں آیا تو ہم پر کیا رحم

آ ئے گا۔اور ہم تیرے پانی کے مشکیزوں کے محتاج نہیں ہیں۔ہم تو حوض کوثر کے مالک ہیں۔اور ہماری ماں نے ہمیں زندہ واپس جانے کے لئے نہیں بھیجا۔ہم تو اللہ کی راہ میں قربان ہونے کے لئے آئے ہیں...... یہ دیکھ ہمارے کفن ہمارے سروں پر ہیں۔اور کفنیاں ہمارے گلوں میں۔اور ہمیں پانی کے مشکیزوں اور دنیا کی نعمتوں کا لالچ دے کر باطل کی طرف بلانے والے کمینے! باطل پرستی کو چھوڑ کر اور یزید کی غیر اسلامی حکومت کے جال سے نکل کر تو ہماری طرف آ جا ہم تیری شفاعت کریں گے۔تجھے جنت دیں گے اور آب کوثر کے جام پلائیں گے۔

اور پھر عون و محمد کے نعروں سے زمین کربلا ہل گئی۔عون نے دائیں جانب سے اور محمد نے بائیں طرف سے حملہ کیا...... چھوٹی چھوٹی دو تلواریں لشکر یزید پر چمکیں۔اور ہلکے پھلکے نیزے ہوا میں لہرائے اور نو دس سال کے بچوں نے میدان جنگ کا نقشہ بدل دیا۔جدھر کو منہ کرتے دشمن گاجر مولی کی طرح کٹ کٹ کر گرتے۔کسی کا سر نہیں اور کسی کے بازو...... کسی کی لاش تڑپتی ہے۔اور کوئی بھاگ رہا ہے۔

اور ایسا کرتے بھی کیوں نہ...... نواسے رسول کے تھے اور بھانجے حسین رضی اللہ عنہ کے۔دودھ زینب رضی اللہ عنہا کا تھا۔اور خون علی رضی اللہ عنہ کا۔

عمرو بن سعد نے جب عون و محمد کے اس انداز جنگ کو دیکھا تو پکار اٹھا۔کہ او ساتھیو! اگرچہ یہ نو دس سال کے بچے ہیں لیکن ان کی رگوں میں بھی شیر خدا کا خون ہے...... اور اگر تم ان کو اس طرح قتل نہیں کر سکتے تو سب مل کر حملہ کر دو۔یہ کیا بزدلی ہے کہ تین دن کے بھوکوں اور پیاسوں کو تم ابھی تک ختم نہیں کر سکے۔

اس بدبخت کی ابھی یہ گفتگو نہیں ہوئی تھی کہ خود ہی دونوں لشکر میں چلے گئے اور دشمنوں کو تہ تیغ کرتے ہوئے عمرو بن سعد کے سر پر پہنچ گئے اور بولے کہ ہم نے اپنی ماں سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا۔قریب تھا کہ وار کر کے اس کا خاتمہ کر دیتے۔کہ نیزوں اور تلواروں کی بوچھاڑ نے زخمی کر دیا چھوٹے کے سینے میں تیر لگا وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا...... بڑا اس کے سینے سے تیر نکالنے کے لئے جھکا۔دشمن نے تلوار ماری اور دونوں بھائی اکٹھے ہی تڑپنے لگے۔

عمرو بن سعد نے آواز دی حسین رضی اللہ عنہ! اپنے بھانجوں کی لاشیں بھی لے جاؤ۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے آواز سنی تو سجدے میں گر گئیں اور بارگاہ رب العزت میں عرض کی یا اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے میرے بچوں کی قربانی قبول کر لی۔ ادھر سیدہ نے سجدے سے سر اٹھایا اور ادھر امام پاک نے عون و محمد کی لاشوں کو بہن کی جھولی میں ڈال دیا۔ اور فرمایا زینب تیرے بچے قربان ہو گئے۔

حضرت سیدہ زینب نے بچوں کی لاشوں کو دیکھا۔ خون میں تر بتر تھیں سنہری زلفوں پر گرد و غبار اٹا ہوا تھا۔ اور چہروں پر مٹی جم چکی تھی۔ اپنی چادر سے مٹی جھاڑی۔ گرد و غبار صاف کیا۔ آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور کہا اے خالق کائنات یہ ہے میری کمائی۔ جو تیری راہ میں لٹا دی۔ یہ ہے میرا سہارا جو تیرے دین کی خاطر چھن گیا۔ یہ ہے میری دولت جو تیرے محبوب کی شریعت پر نچھاور کر دی۔ اے رب دو جہاں! یہ دیکھ! کہ جن کو میں اپنی گود میں لے کر دنیا کی ہر نعمت کو بھول جایا کرتی تھی آج ان کی لاشیں میری جھولی میں ہیں۔ آج ان کے خون سے میری آغوش رنگین ہو گئی ہے۔ اور آج ان کے لہو سے میرا دامن سرخ ہو گیا ہے۔ اے پروردگار دو عالم! میں نے اپنی عمر بھر کی کمائی تیری راہ میں لٹا دی۔ میں نے اپنا چین تیرے دین کی آن پر قربان کر دیا۔ اور میں نے نانے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر اپنے بچوں کو نثار کر دیا۔ اب میری فریاد سن۔ میری التجا قبول کر اور میری درخواست منظور فرما کر میرے ان بچوں کے خون کا صدقہ قیامت کے دن میرے نانے مصطفیٰ کی گنہگار امت کو بخش دینا۔

اور پھر سیدہ اپنے بچوں کی لاشوں سے لپٹ گئی اور زار و زار رونے لگیں۔ اور کہا اے میرے بیٹو! تم میرے دل کا چین تھے۔ میرے سینے کا قرار تھے اور میرے آنکھوں کا نور تھے۔ عون و محمد خوش قسمت ہو کہ اللہ کی راہ میں قربان ہو گئے ہو...... دین کی خاطر جان دے گئے ہو اور حق کے لئے شہادت پا گئے ہو اور میں خوش نصیب ہوں کہ تم نے مجھے دونوں جہانوں میں سرخرو کر دیا ہے۔

مگر یہ افسوس بھی ہے کہ مدینے پاک کی مقدس گلیوں میں کھیلنے والو! نانے پاک کے

روضۂ اطہر کی سنہری جالی کو چومنے والو اور باغ مدینہ کی پر کیف بہاروں میں بلبلوں کی طرح چہکنے والو! آج میں تمہیں بے گوروکفن کوفہ کے ریگستان کے حوالے کر رہی ہوں۔ اٹھو میرے بچو!......ماں کے کلیجے سے لگ جاؤ۔......اٹھو میرے لال......ماں کا سینہ ٹھنڈا کرو......اٹھو میرے بیٹو۔ ماں کے دل کی آگ بجھاؤ......اٹھو میرے فرزندو۔ اپنی ماں سے کوئی بات کرو۔ آنکھیں کھولو۔ اور دیکھو میں تمہاری ماں زینب رضی اللہ عنہا تمہیں بلا رہی ہوں۔ تم بولتے کیوں نہیں......!

اور پھر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دونوں بچوں کی لاشوں کو اٹھایا......نہ غسل تھا اور نہ کفن......نہ کوئی چارپائی تھی۔ اور نہ کوئی ساتھ جانے والا۔ عون کو عباس رضی اللہ عنہ نے محمد کو نواسہ محمد نے ہاتھوں میں اٹھایا اور انہیں خون میں لتھڑے ہوئے کپڑوں میں لپیٹ کر دفن کے لئے لے چلے۔ خیموں میں ایک کہرام مچ گیا......تمام کی چیخیں نکل گئیں۔ سیّدہ نے عرض کی یا حسین رضی اللہ عنہ! ذرا ٹھہر جاؤ میں ایک بار پھر اپنے جگر گوشوں کی صورت دیکھ لوں......منہ سے خون آلود کپڑے اٹھائے اور لاشوں سے لپٹ گئیں۔ زلفوں کو چوما۔ لہو کے قطرے اپنی چادر پر ملے۔ اور ایک پرسوز آہ بھری اور کہا۔ میرے عون ومحمد! ماں کو اکیلے چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو۔ ماں کی آغوش کو بے اولاد کر کے کہاں چلے ہو۔ میں کس کو آواز دوں گی۔ کہاں جاؤں اور تمہارا نام لے کر کس کو آواز دوں گی۔ میری زندگی اب روتے گذرے گی۔ تمہارا نام لے کر آنسو بہاؤں گی۔ سیّدہ زینب کے ساتھ تمام بیبیاں رو رہی تھیں۔ اور کائنات کا ذرہ ذرہ رو رہا تھا۔ امام عالی مقام نے بہن کے سر پر ہاتھ رکھا۔ اور فرمایا بہن! جو ہونا تھا ہو چکا۔ اب صبر کرو۔ تم خوش قسمت ہو کہ تمہارے بیٹے علی کی شجاعت دکھا گئے۔ فاطمہ کی آن بچا گئے نانے کی شان بڑھا گئے۔ اور تمہارے دودھ کی لاج رکھ گئے اور اس بہادری سے لڑے کہ اپنے تو اپنے رہے دشمن بھی عش عش کر رہے ہیں۔ چھوڑو......اور اپنے بچوں کو رخصت کرو......وہ دیکھو نانا جان حوض کوثر کا پیالہ لئے کھڑے ہیں وہ دیکھو شیر خدا انتظار کر رہے ہیں اور وہ دیکھو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا دامن پھیلائے کھڑی ہیں۔

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے بیٹوں کو یہ کہتے ہوئے رخصت کر دیا۔ کہ عون و محمد جاؤ۔ نانے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو...... باپ شیر خدا کو...... اور ماں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو میرا بھی سلام کہہ دینا۔ اور پھر لشکر یزید کی طرف منہ موڑا اور عمرو بن سعد کو مخاطب کر کے فرمایا:

کر کے منہ پھر عمرو بن سعد و لے بی بی زینب نے آکھ سنایا اے
پھل توڑ کے نبی دے باغ وچوں تیرے ہتھ کی ظالما آیا اے

اور پھر بچوں کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا:

کس نوں لے کے اپنی گود اندر زلفاں اوہدیاں میں سنوار سانگی
روندی رہواں گی ہن میں عمر ساری کسنوں عون و محمد پکار سانگی

حضرت عباس علمدار کی شہادت

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے دونوں بچوں کو دفن کرنے کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ واپس خیموں میں آئے۔ تو پیاس کی شدت سے بچے بلک رہے تھے۔ اور نبوت کا گھرانہ تڑپ رہا تھا۔ ایک دردناک منظر اور پرسوز سماں تھا کہ حشر کی گرمی میں گنہگاروں کو حوض کوثر کے جام پلانے والے سیّدا اپنے نانے کا کلمہ پڑھنے والی امت کے ہاتھوں پانی کی ایک بوند کو ترس رہے ہیں۔ اور قیامت کے دن جنت کی نہر تسنیم سے عاصیوں کی پیاس بجھانے والی آلِ رسول آج کربلا کے میدان میں نہر فرات کے کنارے پیاس سے تڑپ رہی ہے۔

بی بی سکینہ حضرت عباس کے قدموں میں گر پڑی۔ حضرت عباس نے فرمایا بیٹی سکینہ کیوں؟ عرض کی چچا جان میں نے سنا ہے کہ ہم حوض کوثر کے مالک ہیں۔ مگر یہ کیا ظلم ہے کہ آج ہمارے لئے نہر فرات کا پانی بھی بند ہے۔ اور چچا جان کیا ہم اسی طرح پیاس سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائیں گے۔ میں اب زیادہ دیر تک تشنگی برداشت نہیں کر سکتی۔ ذرا دیکھو تو سہی میرے حلق کو کس طرح خشک ہو چکا ہے۔ خدا کے لئے کہیں سے دو گھونٹ پانی لا دو۔

سیّدہ زینب نے بچی سکینہ کو گود میں لیا۔ پیار کیا اور فرمایا...... بیٹی رونا بند کرو اور صبر سے امتحان دو۔

تیرے رونے سے بیٹی عرشِ اعظم ہل گیا سارا
میرا زخمِ جگر بھی جانِ مادر چھل گیا سارا
ہم اولادِ علی المرتضےٰ، جانِ محمد ہیں
خدا کی اس زمیں پر مظہرِ شانِ محمد ہیں

علیؑ کا کام تھا بیٹی توکل برخدا رہنا
نبیؐ کا کام تھا بیٹی راضی برضا رہنا
ہمارے ہاتھ سے گر دامن صبر و رضا چھوٹا
تو پھر سمجھو علیؑ چھوٹا۔ نبیؐ چھوٹا خدا چھوٹا

جناب عباس علمدار نے بی بی سکینہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا! بیٹی گھبراؤ نہیں۔ میں ابھی پانی لاتا ہوں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اٹھے! تلوار ہاتھ میں پکڑی سر پر خود پہنا۔ مشکیزہ کندھوں پر رکھا اور گھوڑے کی زین پر سوار ہونے ہی والے تھے۔ کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے راہ روک لی اور فرمایا بھائی عباس کہاں جا رہے ہو؟ عرض کی آقا! اب بچوں کی حالت دیکھی نہیں جاتی اور سکینہ کی بے قراری برداشت نہیں ہو سکتی۔ نہر فرات پر پانی لینے جاتا ہوں۔ مظلوم کربلا نے فرمایا عباس رضی اللہ عنہ مجھ پر رحم کرو۔ تم میری اس چھوٹی سی جماعت کے علمدار ہو۔ اور تمہارے بعد یہ علم کون اٹھائے گا۔ تمہارے ہوتے ہوئے مجھے کسی شے کا خوف نہیں ہے۔ اور تمہارا ہونا میرے لئے حوصلے کا باعث ہے۔ اس لئے اپنے بھائی پر ترس کھاؤ اور نہ جاؤ۔ دشمن نے نہر فرات پر پہرہ لگا دیا ہے اور اب وہاں موت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

جناب عباس نے نواسۂ رسول کے قدم چومے اور کہا۔ یا حسین! میں بھی جانتا ہوں کہ اس میدان میں ہمارے لئے موت کے سوا کچھ نہیں ہے مگر وہ موت جو اللہ کی راہ میں آئے وہ موت نہیں زندگی ہے۔ فنا نہیں بقا ہے اور مٹنا نہیں زندہ ہونا ہے۔ اور ایسی موت پر ہزاروں زندگیاں قربان اور آپ فکر نہ کریں جب تک عباس رضی اللہ عنہ کے جسم میں جان ہے حق وصداقت کے اس علم کو گرنے نہیں دوں گا۔ اور میرے مرنے کے بعد بھی اسلام کا یہ علم قیامت تک بلند ہی رہے گا یا امام وہ دیکھو شیر خدا اشارے کر رہے ہیں۔ کہ بیٹا عباس رضی اللہ عنہ! آج اگر تم نے جان بچالی تو کل قیامت کے دن میرے قریب نہ آنا۔

امام مظلوم کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں اور فرمایا! اچھا عباس رضی اللہ عنہ جاؤ...... اور پہلے دشمنوں سے پانی طلب کرنا۔ شاید کسی اولاد والے کے دل میں رحم آجائے۔ تو تھوڑا سا پانی دے دیں۔ اور بچوں کی جانیں بچ جائیں...... اجازت ملتے ہی حضرت عباس رضی اللہ عنہ علمدار

مرکب تیز رفتار پر سوار ہوئے۔ پشت پر کی ڈھال لٹکائی سر پر رومی خود پہنا ہاتھ میں مصری تلوار پکڑی اور کندھوں پر مدنی مشکیزہ اٹھایا۔ گھوڑے کو ایڑھ لگائی اور ایک آن میں لشکر اعداء کے سامنے آ گئے۔

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رن ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے

ہاشمی خاندان کے اس بہادر جوان کے گھوڑے کی ٹاپوں سے کربلا کی زمین ہل گئی..... تلوار کی چمک سے آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں۔ نیزے کی جنبش سے دشمنوں کے دل کانپ رہے تھے۔ اور شمشیر حیدری کی آب و تاب سے لشکر یزید کے سینے دھڑک رہے تھے۔

عمرو بن سعد نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا یہ رعب و دبدبہ اور جاہ و جلال دیکھا تو پکار اٹھا..... ساتھیو!

آتا ہے خبردار اب عباس علمدار
ہوشیار! خبردار! خبردار! خبردار
اے صل علیٰ کیا پسر شیر خدا ہے
یہ شیر خدا گر نہیں شمشیر خدا ہے

ہاشمی شہزادے نے یزیدی لشکر کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے باطل پرستو! تم جس نبی کا کلمہ پڑھتے ہو۔ اسی نبی کی اولاد سے برسرپیکار ہو اور تم جس رسول کی شفاعت کے امیدوار ہو اسی رسول کے نواسوں کے خون کے پیاسے ہو۔ اور جس گھرانے سے تم حوض کوثر کے جام پینے کی تمنا رکھتے ہو۔ اسی گھرانے پر پانی بند کر کے ان کے بچوں کو تڑپا رہے ہو۔ اور جس آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تم نماز میں درود پڑھ کر اپنی نماز کو قبول کرواتے ہو اسی آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کے لئے بھی پانی نہیں دیتے۔

میں تم سے ڈر کر نہیں اور اپنی جان بچانے کی خاطر نہیں بلکہ اتمام حجت کے لئے تم سے درخواست کرتا ہوں کہ ہمارے بچوں پر رحم کرو اور ان کے لئے تھوڑا پانی دے دو۔ اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری اس خدا ترسی کے بدلے میں میدان حشر کی گرمی میں تمہیں آب کوثر

کے پیالے پلاؤں گا۔ حضرت عباس کی اس ایمان افروز تقریر کے بعد بھی پتھر دل انسانوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اور عمرو بن سعد نے حریسہ بن زید کو حکم دیا کہ تم جواب دو۔ حریسہ بن زید لشکر سے نکلا اور بولا۔ اے عباس رضی اللہ عنہ! جو کچھ بھی تم نے کہا ٹھیک کہا ہے مگر آج پانی ملنے کی ایک صورت ہے۔ کہ یزید کی بیعت قبول کرلو۔

حریسہ بن زید کی اس بے حیائی سے ہاشمی خون جوش میں آ گیا اور فرمایا...... اے لعین! اگر ہم نے یزید جیسے فاسق و فاجر اور دین کے باغی کی بیعت کرنی ہوتی تو ہم نانے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ چھوڑ کر کوفہ کے اس ریگستان میں نہ آتے اور مدینہ پاک کی حسین گلیاں چھوڑ کر کربلا کے میدان میں ڈیرے نہ لگاتے۔ اور تم نے یہ کیسے سمجھ لیا ہے کہ پانی کے چند قطروں کے لالچ میں ہاشمی شہزادوں کی گردنیں باطل کے آگے جھک جائیں گی۔ اور بچوں کی پیاس کو دیکھ کر فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کے جوانوں کے نیزے سرنگوں ہو جائیں گے ...... یاد رکھو کہ ہم اپنی گردنیں حق کی خاطر کٹوا تو سکتے ہیں لیکن باطل کے آگے جھکا نہیں سکتے۔ اور اپنی جانیں دین کی خاطر قربان تو کر سکتے ہیں۔ مگر ایک بے دین کی بیعت نہیں کر سکتے۔ ظالمو! ہم تو اپنے خون سے دین کی شمع جلانے کے لئے آئے ہیں۔ اپنے لہو سے گلشن اسلام کی آبیاری کرنے کے لئے آئے ہیں...... اور قرآن کے دشمنوں کو نیزے پر چڑھ کر قرآن سنانے کے لئے آئے ہیں...... جاؤ...... پانی دو یا نہ دو مگر ہم سے یزید کی بیعت کی توقع نہ رکھو۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ علمدار کی اس حقیقت افروز تقریر سے لشکر یزید میں ایک سناٹا چھا گیا۔ کسی میں جواب دینے کی جرأت نہ رہی کہ شمر بولا...... اے ہمارے سردار آپ فکر نہ کریں۔ میں جاتا ہوں اور ابھی عباس رضی اللہ عنہ کو ساتھ لاتا ہوں...... اس لئے کہ عباس رضی اللہ عنہ میرا بھائی ہے (وہ اس طرح کہ ام البنین بنت حرام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ شمر کی حقیقی پھوپھی تھیں اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ انہیں کے بطن سے پیدا ہوئے۔

اتنا کہہ کر شمر آگے بڑھا۔ اور حضرت عباس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔ اے عباس رضی اللہ عنہ...... میں عمرو بن سعد کی طرف سے ایلچی بن کر تمہارے پاس آیا ہوں...... تم

میرے بھائی ہو......اس لئے میں نے تمہارے لئے امان لے لی ہے......ادھر آ جاؤ......اور اپنی جان بچالو۔تمہیں پانی بھی مل سکتا ہے اور لعل وجواہرات کے خزانے بھی......شمر کی اس بیہودگی سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔اور فرمایا۔شمر! یہ ٹھیک ہے کہ تم میرے بھائی ہو۔مگر دین وشریعت اور حق وصداقت کے مقابلے میں ایک بھائی کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔اور پانی کا لالچ دے کر۔اور لعل وجواہرات کا ہوس دلا کر مجھے ضلالت وگمراہی کی طرف بلانے والے تو ہماری طرف آ جا......ہم تمہیں دین وایمان کی دولت سے مالا مال کردیں گے۔اور نہر فرات کی بجائے حوض کوثر تیرے سپرد کردیں گے۔اور حضرت مسلم بھی تو ایلچی بن کر کوفہ گئے تھے۔مگر تم نے ان کے ساتھ اور ان کے یتیم بچوں کے ساتھ جو ظلم کیا قیامت تک کے مسلمان تم پر لعنت برساتے رہیں گے۔اور اگر اسلام میں کسی ایلچی کو قتل کرنا جائز ہوتا تو آج تمہاری لاش بھی اسی خاک پر تڑپتی ہوتی اور کہا......کہ

تمہارے پاس دنیا ہے ہمارے پاس عقبیٰ ہے
تمہارے ساتھ بندے ہیں ہمارے ساتھ مولا ہے
تمہارے سر پہ شیطان ہے ہمارے سر پہ رحماں ہے
تمہارے گھر میں دولت ہے ہمارے گھر میں ایماں ہے

اتنا کہہ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے نیزے کو ذرا سی جنبش دی تو شمر کتے کی طرح بھاگ نکلا۔اس اتمام حجت کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ علمدار نے اپنے مرکب تیز رفتار کو اشارہ کیا......وہ چاروں قدم اٹھا اور ہوا ہوگیا۔اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے اور ہر طرف قتل عام کرتے ہوئے نہر فرات کے کنارے پہنچ گئے۔پیاس سے نڈھال ہوچکے تھے پانی کا چلو بھرا......پینے لگے تو سکینہ کی پیاس یاد آ گئی۔پانی پھینک دیا۔کہ بچے تو پیاس سے تڑپیں۔اور میں پانی پی لوں گھوڑے کا منہ پانی میں کیا......اور حکم دیا کہ پی لے مگر اس نے بھی نہ پیا......اور زبان حال سے عرض کی حضور! اگرچہ حیوان ہوں۔مگر اہل بیت کی صحبت کے اثر سے اتنی پہچان رکھتا ہوں کہ آل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے

مقابلے میں میری پیاس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ پھر آپ نے پانی کا مشکیزہ بھرا کندھوں پر رکھا اور خیموں کی طرف دوڑے۔ پہرہ داروں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا راستہ روکا۔ مگر اس اللہ کی شیر نے جدھر رخ کیا۔ دشمن کی صفیں الٹ دیں۔ اپنے برق رفتار گھوڑے کو لگام دی۔ وہ پہلی ہی جست میں خیموں کے قریب پہنچ گیا۔...... مگر عمرو بن سعد چلا اٹھا۔ کہ اونی امیہ کے بہادر! تمہاری بہادری آج کہاں غارت ہوگئی۔ خبردار اگر پانی کا یہ مشکیزہ بنو فاطمہ کے خیموں میں پہنچ گیا۔ تو لڑائی قیامت تک ختم نہیں ہوگی۔ اور بہت ممکن ہے کہ اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا کے یہ چند سپاہی دنیا سے ہمارا نام ونشاں تک مٹا دیں...... ہمت کرو...... اور آگے بڑھو اور تم میں سے کون ہے جو عباس رضی اللہ عنہ کو قتل کرے اور سونے اور چاندی کے خزانوں سے مالا مال ہو جائے۔

عمرو بن سعد کے اس لالچ دینے پر حریسہ بن زید اندھا ہو گیا اور اس نے گھوڑے کو بڑھا لگائی۔ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا راستہ روک کر تلوار ماری۔ مگر تلوار اس ہاشمی جوان کی ڈھال سے ٹکرا کر دو ٹکڑے ہوگئی ...... اور حریسہ کا ہاتھ ہاشمی جوان کے ہاتھ میں تھا۔ آپ نے جھٹکا دیا اور حریسہ گھوڑے سے گرنے ہی والا تھا کہ پیچھے سے ایک ظالم نے برچھے کا وار کر دیا۔ ہاشمی شہزادے نے پلٹ کر ایسی تلوار ماری کہ اس یزیدی کے بھی دو ٹکڑے ہو گئے اور راستہ پھر صاف ہو گیا۔ اور آپ پھر للکارتے ہوئے خیموں کی طرف دوڑے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے علاقائی بھائی کا انداز جنگ دیکھ کر خیمے سے باہر کھڑے داد رہے تھے۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا پردے کے پیچھے کھڑی ہاشمی تلوار کی کاٹ کے نظارے کر رہی تھی اور بچی سکینہ انتظار کر رہی تھی کہ چچا عباس رضی اللہ عنہ اب بھی پانی لے کر آتے ہیں۔ اور جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ دشمنوں کے نرغے سے نکل کر خیموں کو دوڑے تو سکینہ خوشی سے اچھل پڑی۔ کہ وہ دیکھو میرے چچا جان پانی کا مشکیزہ لے آئے۔ مگر بی بی سکینہ کی یہ خوشی فوراً ہی ختم ہو گئی۔ جب ایک شقی نے آگے بڑھ کر عباس رضی اللہ عنہ علمدار کے تلوار ماری جس سے آپ کا دایاں بازو کٹ گیا۔ آپ نے مشکیزہ بائیں ہاتھ میں تھاما اور نکلنے کی کوشش کی مگر ایک اور ظالم نے وار کیا۔ جس سے بایاں بازو بھی قلم ہو گیا۔ آپ نے مشکیزے کا تسمہ دانتوں میں پکڑ لیا اور دوڑے کہ کسی طرح

پانی کا یہ مشکیزہ خیموں میں پہنچ جائے۔ مگر نوشتۂ تقدیر اور منشائے الٰہی یہی تھا۔ کہ حوضِ کوثر کے مالک آج پیاسے ہی شہید ہوں۔ عمرو بن سعد نے آواز دی کہ ساتھیو! مشکیزے کو چھلنی کردو۔ چنانچہ تیروں کی بارش ہونے لگی اور عمرو بن الحاج کی مسلسل تیراندازی سے مشکیزہ پھٹ گیا۔ اور سارا پانی بہہ گیا۔ ادھر سید عباس رضی اللہ عنہ علمدار اپنے بازو کٹوا چکے تھے۔ اور ادھر سیدہ زینب نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر تیروں کی بارش ہوتی دیکھی اور بازو قلم ہوتے دیکھے تو پکاریں۔

اک اکلا شیر علیؑ داتے دشمن کھبے سجے
سجے سوسو جاں بدن دے اتے تیر عباسؓ نوں وجے
بی بی زینبؓ خیمے وچوں باہر اٹھ کے بھجے
کر کے منہ فرات دی طرفے پئی ویر عباسؓ نوں سدے
گھر ٹر آویں امڑی جایا اسیں پانی پی پی رجے
آکھ عزیزا بابجھ بھراواں اج کون زینبؓ نوں کجے

ظالموں نے چاروں طرف سے ہاشمی شہزادے کو گھیر لیا۔ اور تلواروں تیروں اور نیزوں کے وار پر وار کرنے لگے۔ علیؓ کا لال زخموں سے چور چور ہو کر گھوڑے کی زین سے گرا۔ اور آواز دی۔ یا حسین رضی اللہ عنہ! مجھے سنبھالنا۔ امام عالی مقام دوڑ کر گئے۔ عباس کو جھولی میں اٹھایا ابھی کچھ سانس باقی تھے: مایا عباس رضی اللہ عنہ کوئی بات کرو۔ عباس رضی اللہ عنہ نے آنکھیں کھولیں۔ عرض کی یا سید بچی سکینہ سے کہہ دینا کہ مجھے معاف کر دے! میں اس کا وعدہ پورا نہیں کر سکا اور پھر امام پاک کی جھولی میں جان دے دی۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ○

مظلوم کربلا میدان کربلا سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ علمدار کی لاش بھی اپنے کندھوں پر اٹھا کر خیموں میں لائے۔ اور بچی سکینہ کے آگے رکھ دی۔ اور فرمایا بیٹی یہ ہے تمہارا سقہ جو تمہارے لئے پانی کا مشکیزہ لینے گیا تھا۔ لیکن لا نہیں سکا۔ بیٹی اسے معاف کر دو۔

خیموں میں ایک حشر برپا ہو گیا اور عباس رضی اللہ عنہ علمدار کی موت نے امام عرش مقام کی کمر توڑ دی۔ اور ان کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔

حضرت قاسم کی شہادت

حضرت عباس رضی اللہ عنہ علم دار کو لاش کی دفن کرنے کے بعد امام مظلوم واپس خیموں میں تشریف لائے۔ جنگ کی تیاری کی۔ اور اپنے جسم پر ہتھیار لگا ہی رہے تھے کہ حسن رضی اللہ عنہ کا لال شہزادہ قاسم رضی اللہ عنہ دست بستہ سامنے کھڑا ہو گیا۔ اور عرض کی چچا جان کیا میں اہل بیت میں سے نہیں ہوں۔ فرمایا! بیٹا کیوں نہیں۔ ابن حسن رضی اللہ عنہ نے پھر کہا تو پھر مجھے شہادت کا مرتبہ حاصل کرنے سے کیوں محروم کیا جا رہا ہے؟ میں ابھی تک اس انتظار میں رہا کہ آپ خود ہی مجھے میدان میں جانے کا حکم فرمائیں گے۔ مگر شاید مجھے بیگانہ سمجھ کر دین پر قربان ہونے کی سعادت سے محروم کیا جا رہا ہے آج میرا بھی باپ ہوتا تو آپ ایسا نہ کرتے۔ وہ ضرور اجازت لے دیتے مگر کیا کروں کس طرف جاؤں اور کس سے کہوں۔ پھوپھی زینب رضی اللہ عنہا سے کہتا ہوں تو منہ پھیر لیتی ہیں۔ چچی جان سے درخواست کرتا ہوں تو خاموش ہو جاتی ہیں۔ بھائی اکبر سے التجا کرتا ہوں تو جواب نہیں دیتے اور آپ نے ابھی تک کوئی خیال نہیں کیا۔ چچا جان مجھے بھی میدان جنگ میں جانے کی اجازت دے کر اپنے سخی ہونے کا ثبوت دیں۔ جگر گوشۂ رسول نے حسن رضی اللہ عنہ کے لال کو سینے سے لگا لیا۔ آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور فرمایا بیٹا! تمہیں دیکھ لیتا ہوں تو بھائی حسن رضی اللہ عنہ کی صورت سامنے آ جاتی ہے۔ تم میرے بھائی کی نشانی ہو۔ تمہارے باپ نے آخری وقت تمہارے حق میں مجھے ایک وصیت کی تھی۔ کہ حسین رضی اللہ عنہ! یہ میرا بیٹا قاسم تمہارے پاس میری امانت ہے۔ اس کا خیال رکھنا۔ تو بیٹا قاسم میں تمہیں اجازت دے کر اپنے بھائی کی امانت میں خیانت کیسے کر سکتا ہوں۔ جاؤ بیٹا آرام کرو اور اپنے چچا جان پر رحم کرو۔

نورِ نگاہ حسن رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ قبلہ! یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن اگر آج میں اپنی جان بچا گیا

تو کل قیامت کے دن اپنے باپ کو اپنی صورت نہ دکھا سکوں گا۔اور اس وقت دادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کیا جواب دوں گا۔جب انہوں نے پوچھا کہ قاسم میدان کربلا میں جب میرا پیارا حسین رضی اللہ عنہ مصیبت میں مبتلا تھا تو اس وقت تم نے میرے بیٹے کی کیا مدد کی تھی اور پھر جب نانے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حسن رضی اللہ عنہ کے بیٹے قاسم کو لاؤ جو حق و باطل کے معرکے میں اپنی جان بچا گیا۔تو میں دربار مصطفیٰ میں کون سامنہ لے کر جاؤں گا۔

یا امام! دیکھو عون و محمد نثار ہو گئے،عباس جان دے گئے اور حر اور وہب رضی اللہ عنہ جو بیگانے تھے،وہ قربان ہو گئے۔مگر میں ابھی تک منہ دیکھ رہا ہوں۔چلو مجھے اپنا سمجھ کے نہ سہی بیگانہ جان کے ہی اجازت دے دو۔سیدہ زینب رضی اللہ عنہا پاس ہی کھڑی تھیں۔قاسم کی اس گفتگو سے تڑپ گئیں۔اور فرمایا قاسم! آؤ میرے ساتھ۔حضرت زینب رضی اللہ عنہا قاسم کو خیمے میں لے آئیں۔اور فرمایا قاسم! تمہارے باپ نے آخری وقت ایک تعویذ تمہارے گلے میں ڈالا تھا اور فرمایا تھا کہ اس کو کسی مصیبت کے وقت کھولنا۔اور اس سے بڑھ کر اور کیا مصیبت آئے گی کہ بچے گرمی کی شدت میں پیاسے تڑپ رہے ہیں۔اور دشمن اہل بیت کے خون کے پیاسے ہیں۔آؤ میں اس تعویذ کو کھولوں۔سیّدہ نے قاسم کے گلے سے تعویذ کھولا اور پڑھا......اس میں ایک خط تھا جو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے نام لکھا تھا کہ بھائی حسین رضی اللہ عنہ! میدان کربلا کے حق و باطل کے معرکے میں میرے بیٹے قاسم کو بھی شہید ہونے کی اجازات دے دینا۔تاکہ دین و ایمان کی حفاظت کی خاطر میرا خون بھی شامل ہو جائے۔

بی بی زینب رضی اللہ عنہا حضرت قاسم کو دوبارہ امام پاک کی خدمت میں لے آئیں اور عرض کی بھائی حسین! اب تو قاسم کو اجازت دینی ہی پڑے گی۔علی رضی اللہ عنہ کے لاڈلے نے فرمایا کیوں؟ سیّدہ نے حسن رضی اللہ عنہ کا خط پیش کر دیا۔خط کا مضمون پڑھ کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ زار زار رونے لگے۔اور قاسم کو فرمایا بیٹا! جاؤ تمہیں اجازت ہے مگر ذرا میرے سامنے کھڑے ہو جاؤ۔تاکہ میں آخری بار اپنے بھائی حسن رضی اللہ عنہ کی نشانی کو جی بھر کے دیکھ لوں۔

حضرت قاسم نے پھوپھی زینب رضی اللہ عنہا کا شکریہ ادا کیا۔اور امام پاک کے پاؤں چومے ہتھیار پہنے اور آخری بار سب کو سلام کیا اور نعرے لگاتے ہوئے میدان میں جا پہنچے اور

فرمایا......اے ظالمو! عون و محمد نے تمہیں آخری دم تک بھی نہ بتایا تھا کہ ہم کون ہیں۔ مگر آؤ میں تمہیں بتاؤں۔ کہ میں کون ہوں۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہوں پوتا مرتضٰی کا ہوں
ہے دادی فاطمہؓ میری میں دوہتا مصطفٰی کا ہوں

ہے قاسم نام میرا قاسم کوثر لقب میرا
جہاں میں سب سے اونچا لو دیکھ حسب و نسب میرا

ہمارے گھر فرشتے بھی اجازت لے کے آتے تھے
جو ہم آرام کرتے تھے تو وہ جھولا جھولاتے تھے

ہوا کیا آج جو میں تین دن سے بھوکا پیاسا ہوں
مگر یہ جان لو پھر بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نواسہ ہوں

میں آیا ہوں تمہارے سامنے ایمان پر مرنے
نبی کی شان پر مرنے علی رضی اللہ عنہ کی آن پر مرنے

(رازی)

اور پھر آپ نے یزیدی لشکر کو مقابلے کی دعوت دی۔ عمرو بن سعد نے دیکھا تو بول اٹھا۔ بہادرو خبردار! یہ علی رضی اللہ عنہ کا پوتا ہے۔ اور حسن رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہے۔ ایک ایک ہو کر اس کے مقابلے میں نہ جانا۔

آپ نے تین بار للکارا۔ مگر کسی کو مقابلہ میں آنے کی ہمت نہ ہوئی لیکن آپ خود ہی لشکر کے میسرہ پر حملہ آور ہو گئے اور ایسی شان حیدری دکھائی کہ فرشتے بھی مرحبا پکار اٹھے۔ اور پھر میمنہ پر بجلی کی طرح گرے۔ اور دشمن کی صفیں الٹ دیں۔ حسن رضی اللہ عنہ کے لال کی تلوار تھی کہ بجلی کوندرہی تھی۔ جس طرف گرتی کوفیوں کو خاکستر کرتی چلی جاتی میمنہ سے رخ موڑا تو قلب لشکر میں جا پہنچے اور لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ پیاس نے نڈھال کر دیا تھا۔ اور لڑتے لڑتے تھک چکے تھے۔ تازہ دم بارگاہ رب العزت میں التجا کی کہ...... اے ذبیح اللہ کے لئے مکہ کی پتھریلی زمین سے آب زمزم کا چشمہ جاری کر دینے والے خدا اور اے میدان بدر میں تو

حیدر رسالت کے پرستاروں کے لئے آسمان سے پانی برسا دینے والے مالک اگر نہر فرات کا پانی ہماری قسمت میں نہیں ہے، تو نہ سہی۔ آسمان سے ہی دو قطرے پانی آج میرے حلق میں ڈال دے۔ اور پھر میں تیری دنیا کو بتا جاؤں کہ حق کی تلوار جب میان سے نکلتی ہے تو پھر اس وقت تک واپس نہیں آتی جب تک کہ کفر و باطل کو ہمیشہ کے لئے ختم نہ کر دے۔ مگر ہاشمی شہزادے کی یہ التجا قبول نہ ہو سکی اور پردۂ غیب سے آواز آئی کہ اے حسن رضی اللہ عنہ کے لال! میں بھی اگر چاہوں تو خاک کربلا سے ہی پانی کے چشمے ابال سکتا ہوں اور کوفہ کے اسی ریگستان سے ہی آبِ حیات پیدا کر سکتا ہوں۔ مگر یہ تو نوشتۂ تقدیر ہے۔ جسے آج تم ادا کر رہے ہو اور یہ تو منشائے الٰہی ہے۔ جسے تم پورا کر کے باطل پرستی کی دیواریں ہلا رہے ہو اور اگر پیاس بجھانے کی تمنا ہے تو حوض کوثر پر آؤ۔

حسن کا لال تازہ دم ہونے کے لئے میدان سے نکلے۔ آقا حسین رضی اللہ عنہ کے پاؤں چومے امام نے پوچھا...... قاسم...... کیوں آئے ہو؟

عرض کی...... یا امام...... یہ پوچھنے کے لئے آیا ہوں کہ میدان جنگ میں کوئی غلطی تو نہیں ہو گئی!

فرمایا...... قاسم نہیں...... تمہارے انداز جنگ پر تو علی رضی اللہ عنہ بھی حیران ہے۔ قاسم نے پھر پانی کی تمنا کی...... امام عالی مقام نے فرمایا

ہمیں معلوم ہے بیٹا بلائے تشنگی کیا ہے
مگر دیکھ ادھر قاسم ادائے دلبری کیا ہے
بہت بیتاب ہو تو چوس لو پیاسی زباں میری
نبی سے جا کے کہہ دینا یہ غم کی داستاں میری
جہان عشق میں صدق و صفا کا بول بالا کر
تو اپنی جان دیکر دین خدا کا بول بالا کر

شہزادہ قاسم نے نواسۂ رسول کی زباں چوسی تو آبِ کوثر کی لذت پائی اور پھر میدان جنگ میں آ گیا۔

عمرو بن سعد نے امام حسن رضی اللہ عنہ کے لال کا یہ انداز جنگ دیکھا تو گھبرا کر چلایا کہ اے شام و عراق کے بہادرو۔ آج تمہاری جرأت کہاں غارت ہوگئی تم میں سے کوئی اٹھے اور قاسم کو قتل کرے۔ اس کے انداز جنگ اور اس کی جرأت و شہسواری سے پتہ چلتا ہے کہ اگر یہ تین دن کا بھوکا اور پیاسا نہ ہوتا تو اس کی تلوار ہم سب کا خاتمہ کر دیتی۔

اور پھر ارزق سے کہا۔ کہ تم لشکر یزید میں سب سے زیادہ بہادر اور تجربہ کار ہو۔ اس لئے قاسم کے مقابلے میں تم جاؤ۔ ارزق نے جواب دیا کہ اس چھوٹے سے لڑکے کے مقابلہ میں جانا میری توہین ہے۔

عمرو بن سعد نے کہا۔ کہ اس کے لڑکپن کو نہ دیکھو۔ یہ دیکھو کہ یہ حسن المجتبیٰ کا بیٹا ہے۔ شیر خدا کا پوتا ہے اور اس کے ہاتھ میں شمشیر حیدری ہے اور اس کی رگوں میں بھی علی رضی اللہ عنہ کا خون ہے۔

ارزق نے جواب دیا کہ اچھا اگر اس کا قتل میرے ہی ذمہ ہے تو پہلے میں اس لڑکے کے مقابلے میں اپنے لڑکے کو بھیجتا ہوں۔ وہ بھی بڑا شہسوار ہے

لغرض! ارزق کا لڑکا بڑے ہی تکبر و غرور سے نیزہ ہوا میں لہراتا ہوا میدان میں آیا۔ اور حضرت قاسم کو آواز دی کہ ہمت ہے تو میرے سامنے آ۔ اور پھر یکا یک حق و باطل کی دو تلواروں کی جھنکار سے فضائے کربلا گونج اٹھی حضرت قاسم نے نیزہ مارا جو اس کی ٹانگ پر لگا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا گھوڑے سے گر پڑا۔ جناب قاسم فوراً گھوڑے سے اترے اور اس کے لمبے لمبے بالوں کو اپنے ہاتھوں میں لپیٹ کر اور گھما کر اس زور سے زمین پر مارا کہ اسکی ہڈیاں اور پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ اور اس کی قیمتی تلوار کو پکڑ لیا پھر ارزق کا دوسرا لڑکا مقابلے میں آ گیا۔ اور وہ بھی جناب قاسم کے ہاتھوں واصل جہنم ہوگیا پھر تیسرا آیا۔ اور ہاشمی جوان کا نیزہ اس کے سینے سے بھی پار ہوگیا۔ پھر چوتھا آیا اور حضرت قاسم کی تلوار نے اس کے بھی دو ٹکڑے کر دیئے اور پھر ارزق کی آتش غضب بھڑک اٹھی اور ایک برق رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر فولادی تلوار ہوا میں لہراتا ہوا مقابلے میں آیا۔

ادھر ارزق شہزادہ قاسم کے مقابلہ میں آیا ادھر امام پاک نے دعا کے لئے ہاتھ

اٹھائے......اور بارگاہ رب العزت میں التجا کی...... کہ......یا رب

عطا کر بازوئے بے جان میں ایمان کی قوت
اور اسکے بالمقابل چھین لے شیطان کی قوت

میرے مولا تو اب اپنے نبی کی آبرو رکھ لے
بھرے میدان میں تیغ علی کی آبرو رکھ لے

اور آتے ہی ہاشمی شہزادے کو نیزہ مارا علی رضی اللہ عنہ کے بہادر پوتے نے وار بچالیا۔ ہاشمی جوان نے تلوار ماری۔ ارزق نے روک لی۔ ارزق نے پٹہ گھمایا قاسم نے داؤ بچایا۔ قاسم نے بانک ماری ارزق نے ڈھال پر اتاری۔ ارزق نے زنجیر سے گرہ دی۔ قاسم نے کھول دی۔ قاسم نے بند باندھا۔ ارزق نے توڑ دیا۔

اور پھر ایک دوسرے پر تلواروں کے وار پر وار ہونے لگے ہاشمی جوان نے تلوار اٹھائی تو ارزق دیکھ کر کہنے لگا کہ قاسم یہ تلوار تو میری ہے۔ تمہارے ہاتھ کہاں سے آئی۔ حضرت قاسم نے فرمایا۔ تمہارا پہلا بہادر بیٹا دے گیا ہے۔ پھر حضرت قاسم نے ارزق سے فرمایا کہ تم تو بڑے بہادر اور شہسوار ہو اور تمہاری بہادری و شہسواری کی دھوم تو شام و عراق میں ہے مگر اتنے بیوقوف ہو کہ گھوڑے کا تنگ کسنے کا بھی ہوش نہیں ہے۔ ارزق دھوکا کھا گیا اور شرمندہ ہو کر گھوڑے کے تنگ کو دیکھنے کے لئے نیچے کو جھکا تو حسن رضی اللہ عنہ کے لال نے فوراً تلوار اٹھائی اور ارزق کی گردن پر ماری۔ اور وہ تن سے جدا ہو کر زمین پر گر پڑی۔

اے قاسم! تیری شجاعت پر قربان۔ تیری ہمت پر فدا۔ تیرے حوصلے پر نثار اور تیرے انداز جنگ کے صدقے۔ کاش کہ تمہیں کہیں سے پانی کے دو قطرے مل جاتے اور تیری شمشیر حیدری سے شکست خوردہ باطل پھر قیامت تک نہ اٹھ سکتا۔ ہاشمی شہزادہ لشکر یزید کے میسرہ پر بھی عقاب کی طرح جھپٹا۔ میمنہ پر بھی بجلی کی مانند چمکا۔ قلب لشکر میں بھی شیر کی طرح پنجہ زن ہوا۔ ارزق کے چاروں بہادر لڑکوں کو بھی قتل کیا اور پھر ارزق کو بھی واصل جہنم کیا مگر ابھی تک حضرت قاسم کے جسم پر خراش تک بھی نہ آئی تھی۔ اور پھر لشکر یزید کی طرف دیکھا۔ تو سامنے عمرو بن سعد بیٹھا ہوا نظر آیا۔ اس کو قتل کرنے کے ارادے سے پھر لشکر میں

گھس گئے۔ لیکن چاروں طرف سے دشمنوں میں گھر گئے اور تلواروں اور برچھیوں کی بوچھاڑ سے ۲۷ زخم آپ کے جسم پر آئے اور پھر شیث بن سعد نے آپ کے سینے پاک میں نیزہ مارا جو پار ہو گیا۔ اور آپ اسپ تازی سے فرش زمین پر گر پڑے......اور پکارا......یا امام مجھے سنبھالنا۔ امام عالی مقام نے قاسم کی آواز سنی تو بے تابانہ دوڑ کر پہنچے۔ دیکھا تو شہزادہ خاک وخون میں تڑپ رہا ہے۔

لاش کو کندھوں پر اٹھایا۔ خیموں میں لے آئے۔ اور اپنی جھولی میں رکھ کر زار و قطار رونے لگے اور پاک بیبیاں بھی دھاڑیں مار مار کر روئیں۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

شہزادہ علی اکبر رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرتِ امام حسن رضی اللہ عنہ کی امانت حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کو خاکِ کربلا کے سپرد کر کے امام پاک خیموں میں واپس آئے تو دیکھا کہ اپنا لختِ جگر ہتھیار لگائے میدان میں جانے کے لئے تیار کھڑا ہے۔ آپ نے فرمایا بیٹا علی اکبر رضی اللہ عنہ اپنے بوڑھے باپ کو چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟

شہزادے نے عرض کی ابا جان! جہاں عون ومحمد گئے اور قاسم وعباس رضی اللہ عنہم گئے۔ قبلہ اجازت فرمایئے۔

مظلوم کربلا نے ایک پرسوز آہ بھری اور فرمایا بیٹا! تم شبیہ مصطفیٰ ہو۔ تمہیں دیکھ لیتا ہوں تو نانے پاک کی صورت پاک سامنے آ جاتی ہے اور میں اس مقدس نشانی کو ضائع نہیں کرنا چاہتا۔

شہزادہ علی اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ ابا حضور! جس نانے پاک کا میں ہمشکل ہوں، انہوں نے بھی تو میدانِ اُحد میں دین وحق کی سربلندی کے لئے اپنے دانت مبارک شہید کرا دیئے تھے۔ تو پھر آج ہمشکل مصطفیٰ علیہ السلام کو اپنے نانے پاک کی سنت ادا کیوں نہیں کرنے دیتے اور یہ ہے وہ پاک چادر جس سے دادی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نانے پاک کے خون کو صاف کیا تھا۔ کیا ہوا جو آج دادی جان نہیں ہیں۔ پھوپھی زینب بھی تو انہیں کی بیٹی ہیں۔ اس وقت دادی جان نے اپنے باپ کا خون دھویا تھا۔ اور آج ہمشکلِ مصطفیٰ کا خون ان کی بیٹی پھوپھی زینب دھوئے گی۔

نواسۂ رسول اپنے لختِ جگر کی یہ معنی خیز گفتگو سن کر حیران رہ گئے اور فرمایا بیٹا تمہارے ان نیک ارادوں پر قربان۔ مگر میں اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے نوجوان بیٹے کی لاش تڑپتی

نہیں دیکھ سکتا۔

بیٹا۔ پہلے مجھے جانے دو۔

شہزادہ علی اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی ابا جان! اگر آپ کی آنکھیں جوان بیٹے کی لاش کو نہیں دیکھ سکتیں تو اٹھارہ سال کا جوان بیٹا بھی اپنے بوڑھے باپ کے سر کو نیزے پر نہیں دیکھ سکتا۔

ابا حضور! اجازت فرمائیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے روز نانا جان اپنے دربار سے دھکا دے کر نکال دیں۔ دادی فاطمہ رضی اللہ عنہا مجھے دیکھ کر منہ چھپالیں اور شیرِ خدا بزدلی کا طعنہ دیں اور آج اگر آپ نے مجھے حق وصداقت کی حفاظت کی خاطر شہید ہونے کی اجازت نہ دی تو بہت ممکن ہے کہ کل آئندہ آنے والی نسلیں آپ پر یہ الزام لگائیں کہ حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن کے بچوں کو تو شہید کروا دیا اور بھائی حسن رضی اللہ عنہ کے بیٹے کی قربانی تو دی مگر جب اپنے لختِ جگر کی باری آئی تو حسین رضی اللہ عنہ گھبرا گئے۔

سیّدہ کے لال کی آنکھیں پُرنم ہوگئیں اور فرمایا بیٹا! تمہیں اجازت دینے کا اختیار مجھے نہیں تمہاری پھوپھی زینب کو ہے۔ جس نے اپنے دنوں کا چین اور راتوں کی نیند حرام کر کے تمہیں پالا ہے۔

علی اکبر آگے بڑھے اور پھوپھی زینب رضی اللہ عنہا کے پاؤں پکڑ لئے اور عرض کی پھوپھی جان! میں جانتا ہوں کہ آپ نے مجھے بڑی محنت سے پالا ہے۔ مگر آپ نے اپنے بچوں کو خوشی سے قربان کروالیا۔ اور ان کے لئے آپ نے اجازت بھی لے لی مگر میرا کیا قصور ہے کہ مجھے اس مرتبۂ شہادت سے محروم رکھا جارہا ہے خدا کے لئے میری بھی سفارش کر دیجئے۔

سیّدہ نے کلیجہ تھام لیا۔ اور فرمایا علی اکبر رضی اللہ عنہ! میں نے آج تک ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی آنکھوں سے تمہیں دُور نہ کیا۔ مگر آج ہمیشہ کے لئے تمہیں اپنی آنکھوں سے اُوجھل کس طرح کر ڈالوں! اتنا کہا اور ایک آہ ماری اور زہرا رضی اللہ عنہا کی جائی بے ہوش ہوگئی۔ حضرت شہر بانو پاس کھڑی تھیں۔ اور بار بار اپنے دامن سے آنسو پونچھ رہی تھیں۔ فرمایا بیٹا! پھوپھی جان کے منہ پر اپنا منہ رکھ دو۔ تمہاری خوشبو سے ہوش میں آجائے گی۔

عرض کی اماں جان! علی اکبر رضی اللہ عنہ کا منہ اس قابل نہیں ہے کہ سیدہ پاک کے منہ پر رکھوں اور پھر شہزادے نے اپنا سر پھوپھی کے قدموں میں رکھ دیا۔ سیدہ نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا علی اکبر رضی اللہ عنہ جاؤ۔ مگر باطل کو حق پرستی کے معنی سمجھ میں آ جائیں۔ اور لشکرِ یزید پر علی کی شجاعت کا راز کھل جائے شہر بانو نے لباس بدلا۔ لباس کیا تھا! بھائی حسن رضی اللہ عنہ کا پٹکا تھا۔ نانے مصطفیٰ علیہ السلام کا عمامہ تھا۔ اور حضرت زہرا کی چادر تھی۔ امام عالی مقام نے ہتھیار لگائے۔ ہتھیار کیا تھے۔ امیر حمزہ کا نیزہ تھا۔ حضرت جعفر کی کمان تھی اور بابا علی رضی اللہ عنہ کی تلوار تھی۔

یہ ہاشمی شہزادہ جب اپنے جسم پر ہتھیار لگا کر اپنے بھائی زین العابدین کو آخری بار ملنے کے لئے خیمہ میں گیا تو ایک حشر برپا ہو گیا۔ پاک دامن بیبیوں کی چیخیں نکل گئیں۔ شہر بانو بے ہوش ہو گئیں۔ امام پاک تڑپ گئے اور خیمے کے بانس بھی ہلنے لگے۔

اک حشر تھا برپا جدا اب عابد جو ہوتے تھے

جھولے میں پھوٹ پھوٹ کے اصغر بھی روتے تھے

حضرتِ عابد رضی اللہ عنہ فرش پر لیٹے ہوئے تھے اور شیرِ خوار اصغر ایک ٹوٹے ہوئے جھولے میں پڑا ہوا اپنی سوکھی ہوئی زبان نکال نکال کر پانی کی ایک ایک بوند کے لئے فریاد کر رہا تھا۔

علی اکبر رضی اللہ عنہ بھائی عابد کے پاس گئے۔ عابد نے اُٹھ کر گلے لگنے کی بہت کوشش کی مگر نقاہت کے سبب اُٹھ نہ سکے۔ اُٹھتے اور گر پڑتے۔ ایک بیمار تھے اور دوسرے تین دن کے پیاسے۔ بولے۔ بھائی جان معاف کرنا میں اُٹھ نہیں سکتا۔ علی اکبر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں اور خود ہی عابد کے اُوپر لیٹ گئے دونوں بھائی دل کھول کر روئے۔ دونوں کا دل چاہتا تھا کہ قیامت تک اسی طرح ہی آپس میں لپٹے رہیں کہ۔

عمرو بن سعد پکارا۔ اہل بیت کی غیرت کہاں گئی؟ نواسۂ رسول نے علی اکبر رضی اللہ عنہ کو اٹھایا اور فرمایا بیٹا جاؤ۔ یزیدی لشکر ہماری غیرت کو للکار رہا ہے۔

عرض کی ابا جان! جواب دے دو کہ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیرت ابھی زندہ ہے۔ علی اکبر حضرت عابد کو چھوڑ کر اُٹھے اور معصوم اصغر کے پاس گئے۔ جھولے کو جھلایا اور اصغر کو گود میں اٹھایا اور سینے سے لگا کر رونے لگے شیر خوار بچے نے اپنی سوکھی ہوئی زبان نکال کر دکھائی۔ علی رضی اللہ عنہ

کے شیر نے پشت پر ہاتھ رکھا۔ علی اکبر رضی اللہ عنہ کی طبیعت سنبھل گئی۔ باپ نے اپنے اٹھارہ سال کے جوان بیٹے کو شہادت گاہ کی طرف بھیجنے کے لئے اپنے زانو دے کر گھوڑے پر سوار کرایا۔ علی اکبر رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر مدینے پاک کی طرف منہ کر کے رونے لگے۔ فرمایا بیٹا! موت کے ڈر سے روتے ہو۔ کہا ابا جان! نہیں۔ بہن صغرا یاد آ رہی ہے! میں اس سے وعدہ کر کے آیا تھا کہ ایک مہینے کے بعد تجھے لے جاؤں گا۔ مگر افسوس کہ میں وہ وعدہ پورا نہیں کر سکا۔ وہ میرا راہ دیکھتی ہوگی۔ میرا راہ تکتی ہوگی۔ میرا انتظار کرتی ہوگی۔ وہ کہتی ہوگی کہ میرا بھائی مجھے لینے کے لئے ضرور آئے گا۔ اسے ابھی تک مجھے ملنے کی امید ہوگی۔ وہ لوگوں سے میرا پتہ پوچھتی ہو گی۔ مگر کیا خبر کہ دشمنوں نے مہلت نہیں دی اور صغرا کو لے آنے کا وعدہ کرنے والا بھائی اکبر آج ہمیشہ کے لئے جا رہا ہے اور اب قیامت تک وہ میرے فراق میں روتی رہے گی اور پھر مدینے پاک کی طرف منہ کر کے فرمایا۔ بہن صغرا مجھے معاف کر دینا۔ کہ میں اپنا وعدہ پورا نہ کر سکا۔ اور اب تجھے حشر کے میدان میں نانے مصطفیٰ کے پہلو میں ملوں گا۔

ہاشمی شہزادہ گھوڑے کو چلنے کا حکم دینے ہی والا تھا کہ بہن سکینہ دوڑتی ہوئی آئی اور گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔ علی اکبر رضی اللہ عنہ نے پوچھا! بہن سکینہ کیوں؟ جواب دیا بھائی جان! بھائی جب دولہا بن کر گھوڑے پر سوار ہوتا ہے تو بہنیں واگ پکڑتی ہیں اور بھائی بہنوں کو انعام دیتے ہیں۔ بھیا تم بھی آج دولہا بن کر گھوڑے پر سوار ہوئے ہو کچھ انعام دے جا۔

پکڑ لگام گھوڑے دی بی بی رو رو دیوے دُہائی
میں واری میں صدقے ویرن دے جا واگ پھڑائی

علی اکبر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کے چند قطرے بہن سکینہ کے دامن میں گرے۔ پوچھا بھائی جان! یہ کیا؟ فرمایا یہ تمہارا انعام ہے۔

ہاشمی شہزادے کو میدانِ جنگ میں جانے کے لئے تیار کھڑا دیکھ کر خیموں میں ایک حشر برپا ہو گیا۔ اور

دیتے تھے اہل بیت دُہائی امام کی
تصویر گھر سے جاتی ہے خیر الانام کی

آخر جنگ نوں ٹرپیا علی اکبر اگے تقدیر دے نہ کوئی تدبیر چلی
کمر شاہ حسین رضی اللہ عنہ دی خم ہو گئی جدوں صورتِ بدر منیر چلی
نکل خیموں وداع کرن خاطر نال اوہدے ہمشیر چلی
سارے خیمیاں وچہ پکار پے گئی لوکو مصطفیٰ دی تصویر چلی

اور خیموں کے چاروں طرف سے یہ آوازیں آتی تھیں.....کہ

شبیہہِ مصطفیٰ تیرا علی اکبر رضی اللہ عنہ جواں بیٹا
اٹھارہ سال کا نوخیز حیدر کا نشان بیٹا

چلا میداں میں نانے کی شریعت کو بچانے کو
اور اپنے خون سے وہ اک چراغِ حق جلانے کو

کہا حوروں نے دیکھو شاہ کے یہ دل کا پارہ ہے
فرشتوں نے کہا بس یہ تو قرآں کا سیپارہ ہے

ابھی یہ دردناک منظر ختم نہیں ہوا تھا کہ لشکرِ یزید سے پھر آواز آئی۔

حسین رضی اللہ عنہ......! موت سے ڈر گئے ہو؟

اور پھر ہاشمی شہزادے کی صدائے نعرۂ تکبیر سے فضائے کربلا گونج اٹھی۔ چہرے کی تجلی سے میدانِ کربلا چمک اٹھا۔ زلفہائے عنبرین سے کوفہ کا میدان مہک گیا۔ رُخِ پُرنور کی ضیاء سے خاکِ کربلا کے ذرّے دمک اٹھے۔ حسنِ مرتضیٰ کی تصویر کے آگے فسق و فجور کی مورتیں تھرّا گئیں اور جمالِ مصطفیٰ کی تنویر کے آگے کفر و باطل کے پتلے گر پڑے۔

اور پھر یہ ہاشمی جوان یزید کے لشکر کے سامنے بڑے ہی جاہ و جلال کے ساتھ ڈٹ گیا۔

اور فرمایا......کہ

علی اکبر رضی اللہ عنہ ہے میرا نام دادا مرتضیٰ میرا
سخی لج پال کا بیٹا ہوں نانا مصطفیٰ میرا

شبیہہِ مصطفیٰ کہتے ہیں مجھ کو سب جہاں والے
زمیں والے فلک والے مکاں و لامکاں والے

سنو اے کوفیو میں اہلِ بیت کا گداگر ہوں

میں کعبے کا پجاری ہوں مدینے کا مسافر ہوں

عمرو بن سعد نے علی اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ جاہ وجلال دیکھا اور یہ نعرۂ حق......سنا تو بولا کہ اے علی اکبر رضی اللہ عنہ! اپنی اٹھتی ہوئی جوانی پر ترس کھاؤ۔ اور اپنے آپ کو موت کے حوالے نہ کرو۔ مجھے بھی شبیہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ کر رحم آ گیا ہے۔ جاؤ اپنے باپ سے کہہ دو کہ عمرو بن سعد نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔......اور یا ادھر آ جاؤ......پانی کے مشکیزے بھی ملیں گے اور عیش وآرام بھی......دنیا کی نعمت بھی ملے گی۔ اور چین وقرار بھی۔ عزت ووقار بھی ملے گا اور دولت و شوکت بھی۔ عمرو بن سعد کی اس گستاخی سے ہاشمی خون کھول گیا۔ اور گرج کر بولے کہ او دنیا کے بدلے اپنے دین کا سودا کرنے والے عمرو بن سعد! سن اور غور سے سن! کہ تو اس عاشق رسول کا بیٹا ہے۔ جس نے میدان احد میں ناموس اسلام کی حفاظت کی خاطر اور ذات مصطفیٰ کی رکھوالی کے لئے پہلا تیر لشکر کفار پر چلایا تھا۔ اور تو ہے کہ تو نے دین کے باغ کو اجاڑنے اور چمنستان اہل بیت کو پامال کرنے کے لئے پہلا تیر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، پر چلایا تو پھر یہ صحیح ہے کہ تو ایک جنتی باپ کا جہنمی بیٹا ہے۔

لیکن اب بھی اگر تو اپنے نیک باپ کے نقش قدم پر چل کر ہمارے دامن کو تھام لے تو تیری یہ غلطی معاف ہو سکتی ہے۔ اور ہوش کر......اور حق وباطل کی پہچان کر......اسلام وکفر کے فرق کو سمجھ اور حسین رضی اللہ عنہ ویزید میں امتیاز کر اور اگر تیرا خیال ہے کہ ہماری چمکتی ہوئی تلواریں دیکھ کر ہاشمی شہزادے کا سر باطل کے آگے جھک جائے گا۔ تو یہ غلط ہے اور اگر تیرا گمان ہے کہ پانی کے چند قطروں کی خاطر حیدر کرار کا پوتا یزید کی بیعت کر لے گا۔ تو یہ بکواس ہے......اور اے عمرو بن سعد! یاد رکھ کہ تو دنیا کے ساز وسامان کے عوض میری دولت دین وایمان نہیں چھین سکتا۔ اور موت کا خوف دلا کر تو مجھے راہ حق سے نہیں ہٹا سکتا۔ اور اے کوفہ کے دغا باز انسانو! اس جہان فانی کی چند روزہ شان وشوکت کی خاطر آخرت کی پر لطف زندگی کا سودا نہ کرو۔ اور یزید کے دربار سے عارضی عزت و دولت کی خواہش میں حسین رضی اللہ عنہ کے مقدس دامن کو نہ چھوڑو۔ اور سنو! میں تمہارے پاس پانی کی بھیک مانگنے کو

نہیں آیا۔ رحم کی درخواست لے کر نہیں آیا۔ بلکہ دین وایمان کی حفاظت کی خاطر لڑنے کو آیا ہوں۔ اور حق وصداقت کی رکھوالی کے لئے مرنے کو آیا ہوں۔ اور اپنے خون سے حق واسلام کی پاک چادر سے کفر و باطل کے سیاہ داغ دھونے کو آیا ہوں اور اب بھی سمجھ جاؤ..... اب بھی وقت ہے۔ آؤ! اور فسق وفجور کے اندھیروں سے نکل کر حق وہدایت کی روشنی میں آ جاؤ۔ اور وحشت وبربریت کے گڑھوں سے نکل کر انسانیت وآدمیت کے دامن کو تھام لو۔ اور کفر وباطل کے سمندر سے نکل کر حق واسلام کے ساحل پر آ جاؤ..... اور یزیدیت کے طوفان سے نکل کر حسینیت کے دامن میں پناہ لے لو۔ آ ؤ......اور اب بھی اپنے گناہوں سے توبہ کرلو۔ خدا تمہیں معاف کردے گا۔ اور اس کے بعد بھی اگر تم اپنے ظلم وستم سے باز نہیں آتے تو پھر آ ؤ اور ہاشمی تلوار کے جوہر دیکھو۔

شہزادہ علی اکبر رضی اللہ عنہ کی اس ایمان افروز تقریر نے کوفیوں کے دل ہلا دیئے اور حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ اور عمرو بن سعد خود گھبرا گیا۔ کسی کو سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اور جب کوئی بھی مقابلے میں آنے کی جرأت نہ کرسکا تو شہزادہ علی اکبر رضی اللہ عنہ خود ہی لشکر یزید پر حملہ آور ہو گئے اور ایک وار سے کئی کئی یزیدی قتل کرنے لگے۔ کبھی میسرہ کی طرف شیروں کی طرح لپکتے۔ تو لاشوں کے ڈھیر لگا دیتے۔ کبھی میمنہ کی جانب عقابوں کی مانند جھپٹتے۔ تو صفیں الٹ دیتے اور کبھی لشکر پر بجلی کی صورت میں چمکتے تو یزیدیوں کو خاکستر کرتے ہوئے آگے نکل جاتے۔ علی اکبر رضی اللہ عنہ......

بظاہر دیکھنے میں اک ننھی کلی معلوم ہوتا ہے
طریق جنگ دیکھو تو علی معلوم ہوتا ہے

گرم لو کے تھپیڑوں نے بدن کو جھلسا دیا۔ اور پیاس کی شدت نے نڈھال کر دیا۔ تو لشکر یزید سے نکل کر باپ کے قدموں میں آئے۔ عرض کی۔ ابا جان! پانی!...... فرمایا بیٹا۔ پانی کہاں! بیٹا میں نے اپنی ساری زندگی تمہاری ہر خواہش کو پورا کیا۔ مگر آج تمہارا شفیق باپ تمہاری پانی کی خواہش کو پورا نہیں کرسکتا۔ بیٹا! لو میری زبان اپنے منہ میں ڈال لو...... علی اکبر رضی اللہ عنہ نے زبان منہ میں لے کر چوسی تو جام کوثر کے مزے آ گئے...... عرض کی

ابا حضور! اگر میدان کارزار میں کوئی غلطی ہو گئی ہو تو معاف کر دینا۔ فرمایا بیٹا! تمہارے عزم و استقلال پر قربان۔ اور تمہارے اس نرالے انداز جنگ پر آفرین ہے..... جاؤ۔ اور عمرو بن سعد کو علی رضی اللہ عنہ کے خون کا جوش بتا دو..... جاؤ! اور کوفیوں کو شمشیر حیدری کے جوہر دکھا دو..... جاؤ اور یزیدیت کو حسینیت کا راز بتا دو۔

تیغ حیدری لشکر یزید پر پھر صاعقہ بن کر چمکی اور ایک ہی وار میں بارہ یزیدی واصل جہنم کر گئی..... کبھی نیزے کی ضرب تھی اور کبھی تلوار کی کاٹ! بڑے بڑے بہادروں کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ اور ہاشمی جوان کی تیغ براں کے آگے نامور شہسواروں کے دل چھوٹ گئے۔ عمرو بن سعد نے طارق بن شیث سے کہا کہ بڑے شرم کی بات ہے کہ اہل بیت کا ایک جوان ہی ہم پر غالب آتا جا رہا ہے۔ اور اگر اس کو تھوڑی سی مہلت دے دی گئی۔ تو پھر ہم سب کو میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑے گا..... جاؤ! اور حسین رضی اللہ عنہ کے اس بیٹے اور یزید کے اس باغی کو قتل کرو۔ اور اس کے انعام میں تمہیں ابن زیاد سے موصل کی حکومت دلوا دوں گا۔

طارق بن شیث نے جواب دیا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میں اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اس فرزند کو قتل کر کے اپنی عاقبت بھی خراب کرلوں۔ اور تو بھی اپنے وعدے سے پھر جائے۔ تو پھر نہ میری دنیا نہ میرا دین۔ عمرو بن سعد نے اس کو اپنی انگوٹھی دی۔

چنانچہ طارق بن شیث اپنے نیزے کو ہوا میں لہراتا ہوا سامنے آیا..... ادھر بھی ہاشمی خون جوش میں تھا..... اس نے آتے ہی نیزہ مارا۔ علی اکبر رضی اللہ عنہ نے روک لیا۔ اور پھر اس کے سینے میں ایسا برچھا مارا کہ پار ہو گیا۔ وہ بے ہوش ہو کر گھوڑے سے گر پڑا۔ آپ نے کہاں ہوشیاری سے اپنے گھوڑے کو چاروں قدم اٹھایا اور اس کو روند ڈالا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا عمرو بن طارق اپنی فولادی تلوار کو فضا میں چمکاتا ہوا مقابلے میں آیا۔ مگر ہاشمی شہزادے نے اس کو سنبھلنے بھی نہ دیا کہ نیزہ مار کر ہلاک کر دیا اور پھر طارق کا دوسرا بیٹا غضبناک ہو کر اپنے باپ اور بھائی کا بدلہ لینے کے لئے میدان میں آیا۔ اس نے آتے ہی کئی وار علی اکبر رضی اللہ عنہ پر کئے۔ مگر سب خالی گئے۔ شہزادے نے اس کی آنکھ میں نیزہ مارا۔ جس سے اس کی دائیں آنکھ نکل گئی۔ وہ ابھی آنکھ پر پٹی باندھ ہی رہا تھا کہ علی اکبر رضی اللہ عنہ کی تلوار نے اس

کے بھی دو ٹکڑے کر دیئے۔

ہاشمی جوان نے کوفیوں کے دل ہلا دیئے۔ اور عمرو بن سعد کانپ گیا۔ اس جرأت و شجاعت پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا خوش تھیں...... اس انداز جنگ پر علی رضی اللہ عنہ حیران تھے۔ مصطفیٰ جھوم رہا تھا۔ اور روح فطرت مرحبا پکار اٹھی۔

علی اکبرؓ امام الاولیا کا نوجوان بیٹا
علی اکبرؓ شہید کربلا کا پاسبان بیٹا
علی اکبرؓ گلستان نبی کا بہترین غنچہ
علی اکبرؓ بہار خلد کا سب سے حسین غنچہ
علی اکبرؓ مبشر کربلا کے جانبازوں کا
علی اکبرؓ مؤذن عشق آسودہ نمازوں کا

علی اکبر رضی اللہ عنہ تازہ دم ہونے کے لئے پھر میدان کارزار سے نکلے۔ پھر باپ کے پاؤں کو بوسہ دیا۔ اور عرض کی ابا جان!...... پانی! فرمایا بیٹا! حوض سے پیو۔ کہا ابا حضور! خدا کی قسم آج اگر علی اکبر رضی اللہ عنہ کو پانی کے قطرے کہیں سے مل جائیں تو کوفیوں کو باطل پرستی کا مزہ چکھا دوں۔ اور آج دنیا کو بتا جاؤں۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام جب حق و اسلام کی حمایت کے لئے میدان میں نکلتے ہیں۔ تو پھر ان کی تیغ براں اس وقت تک میان میں نہیں آتی جب تک کہ وہ صفحۂ ہستی سے کفر و باطل کا نام و نشان تک نہ مٹا دے۔

فرمایا علی اکبر رضی اللہ عنہ! مجھے یقین ہے کہ تم یہ سب کچھ کر سکتے ہو۔ مگر میں مجبور ہوں...... اور بیٹا! آسمان کی طرف دیکھو۔ علی اکبر رضی اللہ عنہ نے دیکھا۔ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا دامن پھیلائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بازو کھولے اور نانا مصطفیٰ اپنے ہاتھوں میں حوض کوثر کا جام لئے کھڑے ہیں۔ اور آپ کا مرکب تیز رفتار دشمنوں کے سروں پر تھا اور آپ پھر لشکر یزید پر حملہ آور ہو گئے۔ اور یہ حملہ ایسا تھا کہ لشکر یزید کے پاؤں اکھڑ گئے۔ لاشوں پر لاشیں تڑپنے لگیں۔ اور سروں پر سر گرنے لگے۔ اور چاروں طرف قتل عام ہونے لگا۔

عمرو بن سعد نے ایک مشہور شہسوار محکم بن طفیل بن نوفل کو ایک ہزار بہادروں کا دستہ

دے کر ہاشمی جوان کے مقابلے میں بھیجا۔ وہ آتے ہی پکارا۔ کہ جانتے ہو کہ میری شہسواری کی دھوم شام وعراق میں ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میری بھی شجاعت کا چرچا زمین وافلاک میں ہے۔ اور پھر آپ نے تیغ حیدری کے وہ جوہر دکھائے کہ کوفیوں کے بہادروں کا یہ دستہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گیا۔ اور آپ لشکر کے اندر گھس گئے۔ اور آپ کی تلوار کے ایک وار سے کئی کئی یزیدی خزاں کے پتوں کی طرح کٹ کٹ کر گرنے لگے۔

امام پاک نے میدان جنگ میں اپنے لخت جگر کا انداز جنگ دیکھا اور آواز دی...... بیٹا اکبر کیا حال ہے؟ عرض کی...... ابا جان

کوئی پتھر مارے کوئی تیر مارے میں کدا کدا ہتھ روکاں
بدن میرے تے وجدیاں بابا اک تیر دیاں چھ چھ نوکاں
توڑ دتے سب عہد جو کیتے انہاں ظالم کوفیاں لوکاں
سلام کہیو پھوپھی زینبؓ تائیں جدھیاں لٹیاں گیاں جھوکاں

پھر ابن نمیر نے دھوکہ دے کر نیزہ مارا جو علی اکبر رضی اللہ عنہ کے سینے سے پار ہو گیا۔ آپ گھوڑے کی زین سے گر پڑے۔ گویا کہ چودھویں رات کا چاند تھا جو ڈوب گیا...... اور چمنستان زہرا رضی اللہ عنہا کا پھول تھا جو ٹوٹ گیا۔

عمرو بن سعد نے پکارا حسین رضی اللہ عنہ! اپنے جوان بیٹے کی لاش بھی لے جاؤ۔ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے یہ آواز سنی تو خیمے سے نکل کر چلا پڑیں...... ہائے میرے اکبر! اور لاش کی طرف دوڑیں۔ کہ امام پاک نے ہاتھ پکڑ لیا۔ اور فرمایا۔ بہن صبر کا وقت ہے۔ صبر کرو۔ نواسۂ رسول اپنے بیٹے کی لاش پر پہنچے۔ دیکھا تو ظالم لاش پر گھوڑے دوڑا رہے ہیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ ادھر ہوتے تو ادھر سے آواز آتی کہ ابا جان...... مجھے پکڑنا...... آپ اس طرف کو دوڑتے تو آواز دوسری طرف سے آتی کہ ابا جان...... مجھے پکڑنا...... آخرکار حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے لشکر یزید کو للکارا تو وہ بھاگ گئے...... اور آپ نے علی اکبر رضی اللہ عنہ کی لاش کے ٹکڑے اکٹھے کیے...... اپنی چادر میں باندھے۔ اٹھانے لگے تو لاش اٹھتی نہیں...... اور اٹھتی بھی کیونکر اس لئے کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پر کھیلنے والا حسین رضی اللہ عنہ آج کربلا

کے میدان میں اپنے بھانجوں۔ اپنے بھتیجوں اور اپنے بھائیوں اور اپنے بیٹوں کی لاشیں ڈھوڈھو کر تھک گیا تھا۔ فرمایا! اکبر اٹھتے کیوں نہیں؟ لاش سے آواز آئی۔ اباجان! ذرا ٹھہر جایئے۔ علی رضی اللہ عنہ اور مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اٹھانے کے لئے آرہے ہیں۔

ہاشمی شہزادے کی لاش خیمے میں پڑی تھی۔ عابد بیمار فرش پر دھاڑیں مار رہا تھا۔ اور معصوم اصغر جھولے میں تڑپ رہا تھا۔ بی بی شہر بانو آہیں بھر رہی تھیں۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا لاش سے لپٹ گئیں۔ ہوش آئی تو لاش کو جھولی میں لے کر خون آلود زلفوں کو چوما۔ اور فریاد کی...... کہ

وفادار بھتیجیا بول تے سہی وے میں چم لاں زلف زنجیر تیری
مینوں اپنے پتر نئیں یاد رہنے اکبر بھلنی نئیں تصویر تیری

اور پھر عالی مقام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کی لاش کو گود میں اٹھایا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہہ رہی تھیں۔ اور کہہ رہے تھے۔

لاش اکبر دی دیکھ حسین رضی اللہ عنہ کہیا گل یاردی گلوں نئیں لاہی دی اے
دائم سوہنے محمد صلی اللہ علیہ وسلم دے نام اتوں سونی چیز ہی وارنی چاہی دی اے

دیر تک شہزادے علی اکبر رضی اللہ عنہ کی لاش پر رونے کے بعد مظلوم نے لاش کو خود ہی اٹھایا۔ اس لئے کہ مردوں میں سے کوئی بھی اور نہیں تھا جو اکبر کی لاش کو سید کے ساتھ اٹھاتا۔ تمام کے تمام حق وصداقت کی سربلندی کی خاطر قربان ہو چکے تھے۔ اور ایک ایک کر کے شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت الٰہیہ کی حفاظت کے لئے شہادت پا چکے تھے۔ چاند غروب ہو چکا تھا۔ ستارے ڈوب چکے تھے۔ اور پھول ٹوٹ چکے تھے۔ عابد بیمار تھا اور اصغر شیرِ خوار پھر ساتھ جاتا بھی تو کون قبر کھودی۔ اور اپنے لختِ جگر کی لاش کو بڑے ہی صبر وسکون کے ساتھ دفن کر دیا۔ اور زمین کربلا کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

اٹھارہ سال کی ہے یہ دولت حسینؑ کی
اب ہے تیرے سپرد امانت حسینؑ کی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کربلا کے شیرخوار
اصغر کی شہادت

اپنے اٹھارہ سال کے جوان بیٹے کو دفن کرنے کے بعد امام عرش مقام خیموں میں واپس تشریف لائے تو آپ کے کانوں میں پاک بیبیوں کے رونے کی آواز آئی۔ خیمے میں گئے اور فرمایا:

صابروں کی اولاد ہو صبر کرو

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے عرض کی یا حسین رضی اللہ عنہ! عون و محمد قربان ہو گئے۔ میں نے خوشی سے قبول کیا۔ قاسم رضی اللہ عنہ نثار ہوئے۔ میں نے ہنس کر منظور کیا۔ علی اکبر رضی اللہ عنہ شہید ہو چکے ہیں۔ کوئی شکایت نہیں...... اور اللہ کی راہ میں اور بھی مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹیں تو خوشی سے برداشت کر لوں گی۔ مگر معصوم اصغر کی قابل رحم حالت اب دیکھی نہیں جاتی۔ شدت پیاس سے تڑپ رہا ہے۔ اور بار بار اپنی سوکھی ہوئی زبان نکال نکال کر دکھاتا ہے۔ کہ شاید اب بھی پانی کے دو قطروں سے میری زبان تر ہو جائے۔

اے بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا...... آپ کے قدموں کی خاک پر صدقے۔ کہ آپ نے عورت ہو کر جس عزم و استقلال اور صبر و شکر کے ساتھ تمام مصائب کا مقابلہ کیا۔ اور مدینہ منورہ کی مقدس گلیوں سے لے کر میدان کربلا کی اس تپتی ہوئی ریت تک جس غمگساری و فداکاری اور جس ثابت قدمی سے اپنے بھائی کا ساتھ دیا۔ قیامت تک کی مسلمان عورتیں آپ کے اس حوصلے پر فخر کرتی رہیں گی۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا ابھی کچھ اور کہنا چاہتی تھیں۔ کہ حضرت شہر بانو نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ آقا حسین رضی اللہ عنہ! مدینہ پاک سے لے کر میدان کربلا تک۔ اور پھر عون و محمد کی قربانی سے لے کر علی اکبر رضی اللہ عنہ کی شہادت تک خاموش رہی ہوں۔ اور اب تک نہ کوئی شکایت ہی کی ہے۔ اور نہ کوئی درخواست! اور شاید آئندہ بھی نہ کرتی۔ مگر دیکھو تا کہ میرے لال کی آنکھیں پتھرا گئی ہیں...... منکا ڈھل چکا ہے۔ اور تڑپ تڑپ کر دم توڑ رہا ہے...... آقا آج دو دن سے اس کے حلق میں دودھ کا ایک قطرہ بھی نہیں گیا...... ماتا کی ماری اب مجبور ہو کر درخواست کرتی ہوں۔ کہ میرے لال کو لے جاؤ اور دشمنوں کو میرے بچے کی بیتابی اور بیکسی دکھاؤ۔ اور کہو کہ ظالمو! اگر قصور ہے تو ہمارا۔ مگر اس معصوم بچے کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اور یہ کسی کی بیعت کو نہیں جانتا۔ اس لئے ہمارے لئے نہیں صرف اس شیر خوار بچے کے لئے دو گھونٹ پانی کے دے دو۔ یا سیّد! مجھے امید ہے۔ کہ اگر عمرو بن سعد نہیں تو نہ سہی۔ اس کے لشکر میں سینکڑوں اولاد والے ہوں گے۔ ان میں سے کسی نہ کسی کو ضرور میرے لال پر رحم آ جائے گا۔

امام عالی مقام نے فرمایا۔ شہر بانو! تمہارا خیال ہے۔ ورنہ مجھے تو ان سنگدل انسانوں سے تمہارے اصغر کے لئے بھی پانی ملنے کے کوئی امید نہیں ہے۔ اس لئے کہ جن ظالموں کو عون محمد پر رحم نہ آیا۔ جن کو عباس رضی اللہ عنہ و قاسم رضی اللہ عنہ پر ترس نہ آیا اور جنہوں نے علی اکبر رضی اللہ عنہ کی لاش پر گھوڑے دوڑائے۔ ان پتھر دل انسانوں کو تمہارے اصغر پر کیسے رحم آ سکتا ہے۔ اور پھر کتنا دردناک تھا۔ وہ منظر اور کتنا قیامت خیز تھا وہ سماں کہ جب فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لال نے شہر بانو کی گود سے اپنے شیر خوار بچے کو اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھائے اور بی بی شہر بانو نے اپنے لخت جگر کو یہ کہتے ہوئے اپنے شوہر کی جھولی میں دے دیا۔ کہ جاؤ میرے لال اللہ کے حوالے۔

شہر بانو نے پھر عرض کیا یا حسین رضی اللہ عنہ! گرم لو کے تھپیڑوں سے کہیں میرا پھول مرجھا نہ جائے۔ اس کو دامن میں چھپا کر سینے سے لگا لو اور عمرو بن سعد سے کہنا یہ بچہ

تمہارے اس نبی ﷺ کا نواسہ ہے۔ جس کا تم کلمہ پڑھتے ہو اور پھر میرے بچے کو ان کے سامنے کر دینا۔ مجھے امید ہے کہ میرے اصغر کو تڑپتا دیکھ کر کسی کو ضرور ترس آ جائیگا شہزادۂ دو عالم نے شیر خوار اصغر کو جھولی میں اٹھایا۔ دامن میں چھپایا اور سینے سے لگا کر لشکر یزید کی طرف قدم بڑھایا۔ حضرت شہر بانو نے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا سے کہا بہن! دعا کیجئے کہ عمرو بن سعد کو میرے لال کی بیکسی و معصومیت پر رحم آ جائے۔ سیّدہ کے لال رضی اللہ عنہ اپنے بچے کو دامن میں چھپا کر عمرو بن سعد کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ عمرو بن سعد نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو دامن میں کوئی چیز چھپا کر آتے دیکھا۔ تو ساتھیوں سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ حسین رضی اللہ عنہ ابن علی رضی اللہ عنہ گھبرا گیا ہے اور صلح کے لئے قرآن اٹھا لایا ہے۔ اور دیکھو اگر حسین رضی اللہ عنہ یزید کی بیعت پر صلح کرے تو اس کا خیر مقدم کرنا۔ اور اگر یزید کی بیعت کے بغیر صلح کرنی چاہے۔ تو پھر قرآن کا بھی لحاظ نہ رکھنا اور تیروں سے قرآن کو بھی پھاڑ دینا۔ عمرو بن سعد نے امام عالی مقام کو کھڑے دیکھا تو کہا حسین رضی اللہ عنہ! کیوں آئے ہو؟

نورِ نگاہ علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ خدا کی قسم میں خود نہیں آیا۔ ماں کی مامتا نے تیرے پاس بھیجا ہے۔ اور اگر میں نے خود آنا ہوتا تو عون رضی اللہ عنہ و محمد کی قربانی سے پہلے آتا۔ قاسم رضی اللہ عنہ و عباس رضی اللہ عنہ کی جانثاری سے قبل آتا۔ اور اگر میں نے آنا ہوتا تو علی اکبر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے پہلے آتا۔ اور جب میں اس وقت نہیں آیا تو سمجھو کہ حسین رضی اللہ عنہ اب بھی اپنی مرضی سے نہیں آیا۔ اور آئندہ اگر اور بھی کئی دن تک پانی نہ ملے اور تمہاری طرف سے اور بھی مصائب کے طوفان اٹھیں اور اگر کربلا کی اس تپتی ہوئی ریت کی چنگاریاں میرے جسم کو جھلسا بھی دیں تو حسین رضی اللہ عنہ پھر بھی تمہارے پاس نہیں آئے گا۔

اور میں اب بھی اپنی مرضی سے نہیں آیا۔ بلکہ میں اپنے دامن میں جس ننھے سے بچے کو لے کر آیا ہوں اس کی ماں کی درد بھری درخواست لے کر آیا ہوں۔

علی اصغر نوں لیکے گود اندر ٹریا جے زینب رضی اللہ عنہا اوہ ویر دیکھو

جا کے کیہا امام نے کوفیاں نوں آ ذ نبی دی اج تصویر دیکھو

ایہہ تساں دے نبی ﷺ دا دوہتراا ے اہدے بدن تے چادر تطہیر دیکھو
جے کوئی ہے قصور تے ہے میرا بچہ ہے بے تقصیر دیکھو
اے کسے دی بیعت نوں جاندا نئیں نہ کوئی ہتھ اہدے شمشیر دیکھو
پیا مارے پیاس دے تڑفدا اے اہدا آ گیا وقت آخیر دیکھو
دو گھٹ پانی دے دیوا ئیوں تہانوں دیانگا کوثر دا نیر دیکھو
بدلے پانی دے لشکر یزید ولوں آ گیا حرمل دا تیر دیکھو
ہتھاں وچہ معصوم دی لاش تڑفی سیّد ہو گیا بہت دلگیر دیکھو
نالے چمدا چتر دے خون تائیں نالے حلق تھیں کھچدا تیر دیکھو
اللہ آکھیا سب فرشتیاں نوں آؤ حوصلہ صبر شبیر دیکھو
مکے وچہ جو خواب خلیل ڈٹھی کوفے وچہ اوہدی تعبیر دیکھو
جیہڑی آیت منا وچہ ہوئی نازل کربلا وچہ اوہدی تفسیر دیکھو

......(رازی)

عمرو بن سعد! دیکھ.....اہل بیت کے اس شیر خوار بچے کو دیکھ۔ کربلا کے اس معصوم مہمان کو دیکھ۔ اور شہر بانو کے اس لال کو دیکھ۔ جو شدت پیاس سے دم توڑ رہا ہے۔ جس کی آنکھیں پتھرا گئی ہیں۔ اور جس کی زبان منہ سے باہر آ گئی ہے۔ یہ معصوم ہے...... یہ بچہ ہے۔ اور شیر خوار ہے۔ اور ابھی یہ یزید کی بیعت اور ابن زیاد کی اطاعت کو نہیں سمجھتا۔ اور ابھی اسے کسی کی بغاوت کا کوئی پتہ نہیں ہے۔ اس لیے اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اور اس لیے مجھے نہیں میرے اس اصغر کے حلق میں زیادہ نہیں تو صرف دو قطرے ہی پانی کے ڈال دے۔ شہر بانو کے اس شیر خوار کو پانی کی دو بوندیں دے دے۔

نہیں نہیں میرے اصغر کو نہیں ... شہر بانو کے بچے کو نہیں اپنے نبی ﷺ کے نواسے کو پانی دے دے تاریخ تیری اس رحم دلی پر فخر کرے گی ... مسلمان تیرے اس ایثار کی قدر کریں گے۔ اور میرے نانے پاک کی امت قیامت تک تیری اس نیکی پر شاباش کہتی رہے گی۔

عمرو بن سعد! یزید کی حکومت و سلطنت ... ابن زیاد کی عیش و عشرت اور تیری شان

وشوکت تجھے مبارک.....مگر دیکھ! میرا اصغر میری جھولی میں کوفہ کے اس ریگستان میں چند ساعتوں کا مہمان ہے.....دیکھ اس کے سانس کی کیفیت بدل چکی ہے۔اور دیکھ اس کا منکا ڈھل چکا ہے! اس لیے.....خدا کے واسطے دو گھونٹ پانی کے عطا کر دے۔

اتنا کہہ کر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لال نے اپنے لخت جگر کو جھولی سے نکال کر اپنے ہاتھوں میں اٹھا لیا۔اور پھر اصغر کے چہرے سے دامن ہٹا کر فرمایا۔بیٹا اصغر! اٹھو.....اور حق وصداقت کی آخری نشانی بن کر.....عظمت اسلام کی آخری دلیل بن کر۔اور دین وشریعت کی آخری آیت بن کر اتمام حجت کے لئے اپنی سوکھی ہوئی زبان عمرو بن سعد کو دکھا دو تا کہ حشر کے میدان میں دربار خداوندی سے مجھ پر کوئی الزام نہ آسکے۔

بچے کو اٹھا کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔اور انتظار کرنے لگے۔کہ اس بیس ہزار انسانوں کے لشکر میں سے کس کو میرے اصغر پر رحم آتا ہے۔اور وہ دوڑ کر پانی کے چند قطرے اس کی سوکھی ہوئی زبان پر رکھتا ہے۔مگر وہ انسان کہاں تھے۔جوان کو رحم آتا وہ تو انسانیت کے تمام سنہری اصولوں کو چھوڑ کر وحشت وبربیت کے گڑھے میں گر چکے تھے۔اور ان کے سینوں میں دل نہیں تھے۔پتھر تھے۔پتھر بھی نہیں پتھر کی چٹانیں تھیں۔

تھوڑی دیر تک خاموشی چھائی رہی۔اور پھر عمرو بن سعد نے اس خاموشی کو توڑا۔اور کہا حسین رضی اللہ عنہ! تیرے دادے اسمٰعیل علیہ السلام نے پیاس کی شدت سے تنگ آ کر ایڑیاں رگڑیں تو آب زمزم کا چشمہ جاری ہو گیا.....حسین رضی اللہ عنہ! تیرے نانے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی کی نہریں جاری ہوئیں۔حسین رضی اللہ عنہ! اپنے دادے سے پانی مانگ! اپنے نانے سے پانی مانگ۔

عمرو بن سعد کی اس بے رحمانہ گفتگو سے سید جوش میں آ گیا۔اور فرمایا۔

عمرو بن سعد! میں بھی اگر چاہوں تو کوفہ کے اس ریگستان سے پانی کی نہریں جاری ہو سکتی ہیں۔اور میں بھی اگر چاہوں تو آسمان سے پانی کے پرنالے بہہ سکتے ہیں.....مگر ظالمو! آج خدا دیکھنا چاہتا ہے.....تمہارے جبر کی انتہا اور حسین رضی اللہ عنہ کے صبر کی انتہا۔

عمرو بن سعد نے پھر پکارا...... کہ حسین رضی اللہ عنہ کا یہ بچہ بھی زندہ نہ جائے۔ یہ دلخراش آواز سن کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا کلیجہ دھک دھک کرنے لگا۔ اور جلدی جلدی اپنے بیٹے کو دامن میں چھپانے کی کوشش کر ہی رہے تھے۔ کہ ظالم حرمل کا تیر کربلا کے شیر خوار اصغر کے حلق سے پار ہو کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بازو میں جا لگا۔ پھر اس پیکر تسلیم ورضا نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی جھولی میں اپنے معصوم بچے کو دم توڑتے دیکھا۔ اور ایک ننھی سی جان کو اپنی گود میں تڑپتے دیکھا۔

کربلا کے ننھے شہید نے آنکھ کھولی اور اپنی سوکھی ہوئی زبان اپنے باپ کو دکھا کر ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔

علی اصغر نوں لے کے گود اندر کہیا شاہ نے شمر شریر تائیں
پیا مارے پیاس دے تڑفدا اے پانی دے اس میرے صغیر تائیں
اگوں حرمل نے ماریا تیر ایسا آیا رحم نہ کسے بے پیر تائیں
روندا خیمیاں ول حسین رضی اللہ عنہ مڑیا نالے حلق تھیں کھچدا تیر تائیں

مظلوم کربلا نے اپنے بیٹے کو زمین پر لٹا کر اپنے ہاتھوں سے تیر کھینچا۔ خون کا فوارہ بہہ نکلا...... میرے آقا حسین رضی اللہ عنہ نے خون کا چلو بھر لیا...... آسمان کی طرف اچھالنا چاہا۔ تو آواز آئی حسین رضی اللہ عنہ! خدا کے لئے اس بے گناہ کا خون اوپر نہ اچھالنا۔ ورنہ قیامت تک آسمان سے پانی نہیں برسے گا...... پھر زمین پر گرانا چاہا۔ تو زمین پکار اٹھی حسین رضی اللہ عنہ! مصطفیٰ کے واسطے اس بے قصور کا لہو مجھ پر نہ گرانا ورنہ قیامت تک زمین سے سبزی پیدا نہیں ہو گی۔ اور پھر مجسمۂ صبر وشکر نے اپنے بیٹے کے خون کو یہ کہتے ہوئے اپنے چہرے پر مل لیا کہ......

انکار آسماں کو ہے راضی زمیں نہیں
اصغر تمہارے خون کا ٹھکانہ کہیں نہیں

میرے آقا امام حسین رضی اللہ عنہ کی امامت پر اعتراض کرنے والو ذرا دیکھو اور غور سے دیکھو...... چشم ظاہر سے نہیں۔ چشم باطن سے دیکھو کہ یہ کس کا لخت جگر تھا جو قربان ہو گیا۔

یہ کس خاندان کا چشم و چراغ تھا جو بجھ گیا...... یہ کس باغ کا پھول تھا۔ جو ٹوٹ گیا......
یہ کس چمن کا غنچہ تھا جو بن کھلے مرجھا گیا...... یہ کس کی جھولی میں تڑپا۔ اس نے کس کی گود میں
دم توڑا۔ اور اس نے کس کے دامن کو اپنے خون سے سرخ کیا۔ اسے کس جرم کی
سزا ملی......اس کا قصور کیا تھا؟ تمہاری نظر میں اگر یزید کی حکومت کا باغی تھا تو
حسین رضی اللہ عنہ! اگر مجرم تھا تو حسین رضی اللہ عنہ......مگر اس ننھے سے بچے کا تو کوئی قصور نہیں
تھا......اور یہ تو یزید کی حکومت کا باغی نہیں تھا...... یہ تو ابھی کسی کی بغاوت واطاعت کو جانتا ہی
نہ تھا۔ تو پھر مجھے بتاؤ کہ اس شیر خوار بچے کو تین دن تک پیاسا رکھنے کے ساتھ باپ کی جھولی
میں تیر مار کر حلال کر دینا کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے۔ کہ جھگڑا بغاوت کا نہیں تھا۔ بلکہ
بنی امیہ کی اہل بیت کے ساتھ دشمنی کا تھا۔ اور وہ کسی حیلے بہانے سے آل مصطفیٰ کا نام ونشان
تک مٹا دینا چاہتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو قربان کرتے وقت اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ
لی تھی۔ تاکہ میں اپنی آنکھوں سے اپنے بیٹے کو تڑپتا نہ دیکھوں! مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف
سے خلیل اللہ علیہ السلام کو یہ انعام مل ہی گیا کہ......

اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا

کہ اے میرے پیارے خلیل اس سے پہلے تم صرف نبی ہی تھے۔ لیکن آج کے بعد تم
نسل انسانی کے امام بھی ہو۔ تو وہ ایک مقدس انسان جو اپنے بیٹے کو قربان کرتے وقت اپنی
آنکھوں پر پٹی باندھ لے وہ تو نسل انسانی کا امام بن جائے۔ مگر اس پیکر صبر و شکر اور مجسمۂ
تسلیم و رضا کی امامت پر شک کرتے ہو۔ جس نے میدان کربلا کے حق و باطل کے معرکے
میں اپنی آنکھوں کے سامنے اپنا سارا کنبہ ذبح کروایا۔ جس نے عون ومحمد کی لاشوں کو تڑپتے
ہوئے دیکھا۔ جس نے قاسم رضی اللہ عنہ وعباس رضی اللہ عنہ کے بازو قلم ہوتے دیکھے......جس نے علی
اکبر رضی اللہ عنہ کی لاش پر گھوڑے دوڑتے دیکھے۔ اور جس نے اپنے معصوم اصغر کو اپنی جھولی میں
اپنی آنکھوں کے سامنے دم توڑتے دیکھا...... بی بی شہر بانو اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا خیمے کے
پردے سے دیکھ رہی تھیں۔ کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے اس سوال پر عمرو بن سعد کیا جواب دیتا

ہے۔ وہ اس امید میں تھیں کہ عمرو بن سعد یا اس کے بیس ہزار لشکر میں سے ضرور کسی کے دل میں معصوم اصغر کی بیکسی پر رحم آ جائے گا۔ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہنستے ہوئے خیمے میں واپس آ ئیں گے۔ مگر ان پاک دامن بیبیوں کی یہ امید بھی فوراً ہی ٹوٹ گئی۔ جب کہ نور نگاہ علی رضی اللہ عنہ نے اصغر کی لاش بی بی شہر بانو کی گود میں رکھ دی اور بہن زینب رضی اللہ عنہا کو فرمایا۔ کہ لو! تمہارا اصغر بھی آب کوثر سے سیراب ہو گیا۔ شہر بانو چلا اٹھیں...... ہائے کیا ہو گیا میرے لال کو! اور سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا چکر کھا کر گر پڑیں۔ شہر بانو اپنے بچے کی لاش سے لپٹ گئیں۔ اور کہا۔ ہائے میری عمر بھر کی کمائی کربلا کے میدان میں لٹ گئی...... ہائے میری گود خالی ہو گئی۔ مجھے علم نہ تھا۔ ورنہ میں نہ بھیجتی...... یا اللہ اب میں بے اولاد ہو گئی ہوں...... بیٹا اصغر مجھے چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو۔ یہ خالی جھولا کون جھلائے گا...... ہائے بیٹا اس جھولے میں اب کس کو سلاؤں گی۔ اور یہ جھولا کس کو جھلاؤں گی۔ اچھا بیٹا جاؤ...... میری گود کو چھوڑ کر دادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گود میں جاؤ...... حسین رضی اللہ عنہ کے دامن سے نکل کر نانے مصطفیٰ کے دامن میں جاؤ......

دیکھ کے لاش علی اصغر دی بانو کردی پئی فریاد
پہلا باغ زینبؓ دا لٹیا ہوگئی میں دی بے اولاد
جتھے تیر ظالم دا وجا چمدی اے اوس تھاں نوں
دے کے داغ جدایاں بچیا چھڈ چلیا ایں ماں نوں

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ہوش آیا۔ تو لاش کو سینے سے لگا لیا۔ اور کہا...... میرے پیارے اصغر میں تمہیں بھتیجا نہیں اپنا بیٹا سمجھتی تھی...... عون و محمد سے بڑھ کر تم سے پیار کیا کرتی تھی...... ہائے افسوس ہے کہ تم بھوکے پیاسے اس دنیا سے گئے۔ تمہاری بہن صغریٰ نے مجھ سے پوچھا کہ اصغر کہاں ہے۔ تو میں کیا جواب دوں گی...... اور پھر دونوں نے اصغر کی لاش کو امام پاک کے حوالے کر دیا۔

راکب دوش مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے کی ننھی سی لاش کو اپنے ہاتھوں میں اٹھایا۔ اور اسی خون آلود دامن میں لپیٹ کر دفن کرنے کے لئے لے چلے۔

خیموں میں ایک قیامت برپا ہوگئی۔

فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لال نے چھوٹی سی قبر کھودی۔اور اپنے لال کو دفن کردیا......

ننھی سی قبر کھود کے اصغر کو گاڑ کر
حسینؓ اٹھ کھڑے ہوئے دامن کو جھاڑ کر

پھر آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی......آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔اور عرض کی......یا مولیٰ......

قبر چھوٹی جیہی کڈھ کے حضرت علی اصغر نوں آپ دفنا دتا
لے اومالکا کجھ نہیوں رکھیا میں دامن جھاڑ حسینؓ دکھادتا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بیٹی صغرا کا قاصد

ایک اونٹنی سوار مدینے پاک کی گلیوں میں سے گزرتا ہوا ایک تنگ سی گلی میں پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ ایک ٹوٹے ہوئے مکان کے دروازے میں زمین پر ایک معصوم سی بچی یا حسین رضی اللہ عنہ! یا حسین رضی اللہ عنہ! کے نعرے لگا رہی ہے۔ اس معصوم بچی کے یہ دردناک نعرے سن کر وہ سوار اس کے پاس گیا۔ اور پوچھا۔ اے پاک بی بی تو کون ہے؟ سوار کے اس ہمدردانہ سوال سے صغرا کو کچھ حوصلہ ہوا۔ اور فرمایا......

بابا! میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی بچھڑی ہوئی بیٹی ہوں۔ اور میرا نام صغرا ہے۔ وہ مجھ کو تنہا اور بیمار چھوڑ کر کوفہ چلے گئے ہیں...... میں بیمار ہوں۔ دوا دینے والا کوئی نہیں دکھی ہوں۔ تسلی دینے والا کوئی نہیں۔ میرے ابا جان نے کہا تھا۔ کہ ایک مہینے کے بعد علی اکبر رضی اللہ عنہ آ کر تمہیں لے جائے گا۔ مگر تین مہینے ہو گئے ہیں۔ ان کا کوئی پتہ نہیں آیا...... صبح سے لے کر شام تک دروازے میں بیٹھی ان کا انتظار کرتی ہوں...... اور ہر آنے جانے والے سے اپنے باپ کا پتہ پوچھتی ہوں۔ مگر کوئی بھی ان کا پتہ نہیں دیتا...... یہ میرے نانے کی امت صبح سے شام تک میرے سامنے آتی بھی ہے۔ اور جاتی بھی۔ مگر مجھ غریبنی کو کوئی پوچھتا نہیں۔

اے اللہ کے نیک بندے! اگر تو کوفہ کی طرف جا رہا ہے۔ تو خدا کے لئے مجھے بھی ساتھ لے چل...... اور اگر کوفے تک نہیں جانا۔ تو نہ سہی۔ جہاں تک تو لے جا سکتا ہے۔ مجھے لے چل۔ آگے کا مجھے راستہ بتا دینا۔ میں گرتی پڑتی اٹھتی بیٹھتی اور ہانپتی کانپتی کوفے پہنچ جاؤں گی...... اور اگر تو اونٹنی پر نہیں بٹھا سکتا تو نہ سہی میں اپنے ماں باپ اور

بہن بھائیوں کو ملنے کی خوشی میں تیرے اونٹ کے آگے آگے دوڑتی جاؤں گی۔ میں اپنی بھوک اور پیاس کی بھی شکایت نہیں کروں گی...... میں راستے میں تجھے کوئی تکلیف نہیں دوں گی...... مجھے بیمار سمجھ کر نہ چھوڑنا۔ اگرچہ میں بیمار ہوں مگر ماں باپ کی ملاقات کی خوشی میں میری بیماری جاتی رہے گی۔ اور بہن بھائیوں کے ملنے کے شوق میں مجھ میں ہمت آجائے گی......

سوار نے عرض کی۔ اے سیدہ پاک اگر میں نے تیرا خط تیرے باپ کو پہنچا دیا تو مجھے تو کیا انعام دے گی؟...... سوار نے سمجھا۔ کہ آج امام حسین رضی اللہ عنہ کی اس بچی کی خدمت کر کے میری عاقبت سنور جائے گی۔ میرا دین کامل ہو جائے گا۔ پل صراط سے گزرنا آسان ہو جائے گا۔ اور میدان حشر کی گرمی میں رسول پاک کی کالی کملی کا سایہ ملے گا...... اور علی رضی اللہ عنہ سے حوض کوثر کا پیالہ نصیب ہوگا......

بیمار صغرا نے فرمایا...... اے قاصد...... میرے پاس سونے اور چاندی کے خزانے نہیں ہیں۔ لعل و جواہرات کے ڈھیر نہیں ہیں...... ریشمی چادریں اور شاہی محل نہیں ہیں...... پر پھر بھی......

اے لے کپڑیاں دے نی دو جوڑے تینوں ہور وی کجھ عطا کرساں
بڑے بخی دے بخی دی میں ہاں بچی اہل بیت ہاں ہور دعا کرساں
جے کر پہنچ گئی میں کربلا اندر تیرے دکھاں دی آپ دوا کرساں
روز حشر دے میریا قاصدا او تینوں کوثر دا جام عطا کرساں

اے خدا کے نیک بندے...... اپنے بچوں کا صدقہ مجھ پر رحم کر۔ مجھ پر ترس کھا۔ اور میری فریاد کو قبول کر۔ میں دکھی ہوں۔ میرا سہارا بن۔ اور میں بیمار ہوں۔ مجھے دوا دے۔ خدا تیرے بچوں کی عمر دراز کرے۔ میں مفلس ہوں۔ میرے پاس اور تو کچھ نہیں ہے...... یہ دو جوڑے کپڑے کے ہیں۔ یہ لے...... تیرے بچوں کے کام آئیں گے۔ اور اگر میں کوفے پہنچ گئی۔ تو تجھے اور بہت کچھ عطا کروں گی۔ تیرے بچوں کے حق میں دعا کروں گی...... اور قیامت کے دن حوض کوثر سے سیراب کروں گی۔

اتنا کہہ کر وہ بچی پھر یا حسین رضی اللہ عنہ پکارتی ہوئی بیہوش ہوگئی۔قاصد نے آگے ہو کر اس بچی کے سر پر ہاتھ رکھا۔تو پتہ چلا کہ بچی بخار میں جھلس رہی ہے اور اتنی کمزور ہے۔کہ اٹھ نہیں سکتی۔قاصد نے بچی کے منہ پر ٹھنڈا پانی چھڑکا۔......وہ ہوش میں آئی۔تو پوچھنے لگی.....کیا میرے ابا جان آگئے ہیں۔کیا علی اکبر رضی اللہ عنہ مجھے لینے کے لئے آ گیا ہے......کیا میرا ننھا سا بھائی اصغر بھی ساتھ ہے۔

قاصد نے ہاتھ جوڑ کر جواب دیا۔بیٹی میں بھی خاندان نبوت کا گداگر ہوں۔اور اہل بیت کے گھرانے کا خادم ہوں۔گھبراؤ نہیں۔میں تمہیں ضرور لے چلتا۔مگر یہ دیکھ لو۔میرے اونٹ پر کجاوہ نہیں ہے۔اور تم بیمار اور کمزور ہو۔ہاں میں تمہارا خط تمہارے باپ تک ضرور پہنچا دوں گا۔اور اگرچہ میرے بچے بیمار ہیں۔اور میں ان کی دوا کے لئے ہی مدینے آیا تھا۔مگر اب جب تک تمہارا خط تمہارے باپ کو نہ پہنچاؤں۔اس وقت اپنے بچوں کو دیکھنا حرام ہے۔

بنت حسین رضی اللہ عنہ قاصد سے یہ سن کر بول اٹھی۔بابا جی!خدا کے لئے ایسا نہ کرو اور جاؤ اپنے بچوں کو دوا پلاؤ۔کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کا صبر مجھ پر پڑے۔

قاصد نے کہا بیٹی نہیں!اب یہ نہیں ہو سکتا۔کہ میں اب اپنے بچوں کی خاطر تیری اس خدمت گذاری میں دیر کر کے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی اپنے سر لوں......اور یہ لو اپنے کپڑے۔میں اس خدمت گذاری کا صلہ تم سے نہیں۔تمہارے نانے مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت میں لوں گا۔اور پھر ماں باپ اور بہن بھائیوں سے بچھڑی ہوئی۔بیمار صغرا نے ایک درد بھرا خط لکھ کر سوار کے حوالے کیا۔سوار نے اپنے اونٹ کا منہ کوفے کی طرف موڑا۔اور یہ دعا کرتا ہوا روانہ ہو گیا......

یا اللہ!میں منزل مقصود پر پہنچ جاؤں۔

ادھر صغرا کے قاصد نے دعا کی......ادھر خدا نے فرمایا......جبرئیل!میرے پیارے حسین رضی اللہ عنہ کی پیاری بیٹی صغریٰ کا خط لے کر یہ قاصد کربلا جا رہا ہے۔زمین کی طنابیں کھینچ لو......

ننھی سی لاش کو کربلا کی تپتی ہوئی ریت میں دفن کرنے کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ خیموں کی طرف واپس آ رہے تھے......مدینے کی طرف نگاہ اٹھائی۔تو دور سے غبار اڑتا ہوا نظر آیا......سمجھے کہ شاید کہیں سے کوئی مدد آ رہی ہے......آپ ٹھہر گئے......غبار تیزی سے قریب آتا گیا......اور پھر اسی غبار سے ایک سانڈنی سوار نمودار ہوا۔وہ قریب آیا......اس نے اپنے اونٹ کو بٹھایا۔اور امام مظلوم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔سر جھکایا اور قدموں کو بوسہ دیا......اور عرض کی یا امام آپ یہاں ہیں......؟وہ سامنے لشکر کس کا ہے؟اور ان خیموں میں کون ہے؟

آپ تو کوفے گئے تھے......اور سنا تھا کہ کوفہ والے آپ کے ساتھ ہیں۔سیدہ کے لال نے جواب دیا......کوفہ والوں نے دھوکہ دیا ہے......وہ لشکر یزید کا ہے......اور ان خیموں میں ناموس رسالت چھپی ہوئی ہے۔ا

اور پھر پوچھا!تم کون ہو؟کہاں سے آئے ہو۔اور تمہیں کس نے بھیجا ہے؟

سوار نے عرض کی!......

میں صغرا دا قاصد حضرت شہر مدینیوں آیا
جس بچی نوں چھڈ آیا سیں اسدا خط لیایا

آقا!میں مدینے پاک سے آیا ہوں۔اور آپ کی بیٹی صغرا کا قاصد ہوں۔مظلوم کربلا کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اور فرمایا میرے قریب آؤ......تم میری بیٹی صغرا کے قاصد ہو۔میرا دل چاہتا ہے کہ میں تمہارے قدم چوم لوں......بھائی!تم نے میرے لئے بہت تکلیف اٹھائی۔اور مجھ پر احسان کیا۔اور احسان کا بدلہ میں قیامت کے دن ادا کروں گا......بتاؤ میری بیٹی کیسی ہے؟قاصد نے اپنی جیب سے صغرا کا خط نکال کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں دے دیا۔

امام عرش مقام نے بیٹی کے خط کو سینے سے لگایا اور پھر چوما۔اور پھر کھول کر پڑھا......لکھا تھا!

ابا جان!آپ کی بچھڑی ہوئی بیٹی سلام عرض کرتی ہے۔ابا جان!آپ تو کہہ گئے

تھے۔ کہ ایک مہینے کے بعد علی اکبر رضی اللہ عنہ آئے گا۔ اور تمہیں لے جائے گا مگر تین مہینے گذر گئے ہیں۔ پر......

نہ اکبر نہ اصغر آیا تے نہ آئی بھین سکینہ
باجھ بھراواں سنجا لگدا مینوں شہر مدینہ

اور لکھا تھا۔ کہ میں ساری ساری رات آپ کے انتظار میں سوتی نہیں ہوں۔ صبح سے لے کر شام تک دروازے پر بیٹھی آپ کی راہ تکتی رہتی ہوں اور ہر آنے جانے والے سے آپ کا پتہ پوچھتی ہوں۔ مگر کوئی آپ کا پتہ نہیں دیتا۔

اب میں اچھی ہوں۔ خدا کے لئے اب مجھے اپنے پاس بلالو۔ بھائی اکبر کو بھیجو۔ مجھے آ کر لے جائے۔ اور آپ تو بچوں کے ساتھ دل بہلاتے ہوں گے مگر میں تنہا اور اکیلی اداس رہتی ہوں..... اماں جان بھی اور پھوپھی بھی جا کر مجھے بھول گئی ہیں..... بھولیں کیوں نہ..... ان کے پاس اکبر واصغر ہیں۔ اور عون ومحمد ہیں۔ اور ان کے ساتھ اباجی بہلاتی ہوں گی۔ مگر مجھ دکھیاری کا کسی نے پتہ تک نہیں کیا۔ اچھا میں آؤں گی۔ تو شکایت کرونگی اور بھائی علی اکبر سے کہنا۔ کہ بھائی اپنی بہنوں کے ساتھ ایسے ہی وعدے کیا کرتے ہیں۔ تم نے تو کہا تھا۔ کہ میں خود ایک مہینے کے بعد آ کر تمہیں لے جاؤں گا۔ مگر راستہ دیکھتے دیکھتے تین مہینے ہو گئے ہیں۔

اور لکھا تھا۔ اباجی! میں نے بھیا اصغر کے نئے کپڑے سیئے ہیں اور کھلونے خریدے ہیں..... جب آؤں گی۔ تو اپنے ہاتھوں سے اس کو پہناؤں گی۔ اب تو وہ چلتا ہوگا۔ اور باتیں بھی کرتا ہوگا۔

امام حسین رضی اللہ عنہ، نے بیٹی کا خط پڑھا تو کلیجہ پھٹ گیا۔ اور فرمایا بھائی! خدا تمہارا بھلا کرے۔ اور تیرے بچوں کی عمر دراز کرے۔ جس بچی کا خط لے کر آیا ہے۔ وہ میری بیٹی صغریٰ ہے۔ اب میں تمہاری اس خدمت گذاری اور تکلیف اٹھانے کا کیسے شکریہ ادا کروں اور تمہاری کیا خدمت کروں۔ گرمی کا موسم ہے تم دور سے آئے ہو۔ تمہیں پیاس تو ضرور ہوگی۔ مگر افسوس کہ میں تمہیں پانی بھی نہیں پلا سکتا۔ اس لئے کہ عمرو بن سعد۔ نے آج تین

دن سے اہل بیت پر پانی بند کر دیا ہوا ہے۔
اور آج عین اس وقت جبکہ عون ومحمد دین کی آبرو پر قربان ہو چکے ہیں! جب قاسم رضی اللہ عنہ وعباس رضی اللہ عنہ اسلام کی عظمت پر نثار ہو چکے ہیں۔ جب علی اکبر رضی اللہ عنہ شریعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آن پر شہید ہو چکا ہے۔ جب معصوم اصغر حق وصداقت کی سربلندی کی خاطر میری جھولی میں دم توڑ چکا ہے اور جب حسین رضی اللہ عنہ اپنے عزیزوں کو شدت پیاس سے تڑپتا دیکھ چکا ہے! اور جب حسین رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کی لاشیں اپنے کندھوں پر اٹھا اٹھا کر تھک چکا ہے۔ اور جب حسین رضی اللہ عنہ خود بھی خلافت اسلامیہ اور امانت الٰہیہ کی حفاظت کی خاطر اپنا سر بھی کٹوانے کو تیار کھڑا ہے! اس وقت اگر حسین رضی اللہ عنہ کی کوئی آخری خواہش تھی تو یہ تھی کہ آخری وقت میں اپنی بیمار بیٹی صغرا کو دیکھ لوں۔ اس لئے اے خدا کے نیک بندے تو نے مجھ غریب پر بڑا احسان کیا ہے۔ کہ میری بیٹی کا خط لے کر اس خونیں میدان میں آ گیا۔ آج تو نہیں ... کل اس احسان کا بدلہ حوض کوثر کے جام پلا کر ادا کروں گا۔ اور اب ایک نیکی اور بھی کرو۔ کہ میرا پیغام بھی میری بیٹی تک پہنچا دو اور جو کچھ تم نے دیکھا ہے۔ اس کو جا کر بتا دو۔ اور کہنا عون ومحمد قربان ہو چکے ہیں۔ قاسم رضی اللہ عنہ وعباس رضی اللہ عنہ دفن ہو چکے ہیں۔ علی اکبر رضی اللہ عنہ شہید ہو چکا ہے۔ اور جس اصغر کے لئے تم نے کپڑے سیئے ہیں۔ اور کھلونے خریدے ہیں۔ وہ دم توڑ چکا ہے۔ اور جن کو تو یاد کرتی ہے۔ وہ سب ختم ہو چکے ہیں۔ اور تیرا باپ حسین رضی اللہ عنہ بھی چند ساعتوں کا مہمان ہے۔ مگر یہ گواہی دینا۔ کہ تمہارے باپ نے تمہارے خط کو پہلے سینے سے لگایا تھا۔ اور چوم کر کھولا تھا۔

اے میری بیٹی کے قاصد! اب تو یہاں سے جلدی نکل جا۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ دشمن تجھے بھی قتل کر دیں۔ اور میرا پیغام میری بیٹی تک نہ پہنچ سکے۔ بیٹی کے قاصد کو وداع کر کے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ علی اکبر رضی اللہ عنہ کی لاش پر گئے اور کہا

لے اکبر ایہہ خط صغرا دا تینوں یاد کریندی

او وا جے بھی آس ملن دی رکھدی تیرا پتہ پچھیندی

دیہہ جواب صغرا دیا ویرا حضرت آکھ سنایا

تڑفی لاش علی اکبر رضی اللہ عنہ دی ایہہ آوازہ آیا

صغرا معاف کریں اکبرنوں نئیں اس وعدہ پورا کیتا

ہے افسوس بن ملیاں تینوں میں جام شہادت پیتا

پھر بیٹی صغرا کا خط لے کر خیموں میں گئے۔اور تمام کو پڑھ کر سنایا۔خط کو سن کر تمام اہل بیت رونے لگے۔ایک کہرام مچ گیا۔اور ایک حشر برپا ہو گیا۔ہر ایک نے اپنی بچھڑی ہوئی صغرا کے خط کو سینے سے لگایا۔اور چوما۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لال کی شہادت

کوفہ کے اس ریگستان میں اب بظاہر کوئی یار و مددگار نہ تھا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، کے تمام جانثار ساتھی ایک ایک کر کے معرکۂ حق و باطل میں اللہ کی راہ میں شہید ہو چکے تھے۔ مگر آپ خیموں میں تشریف لائے تو دیکھا۔ کہ حضرت زین العابدین تیغ حیدری ہاتھ میں لئے میدان جنگ میں جانے کے تیار کھڑے ہیں۔ بخار سے جسم جھلس رہا ہے۔ نقاہت سے پاؤں لڑکھڑا رہے ہیں۔ اور سارا بدن کانپ رہا ہے۔ مگر نانے پاک کی آن پر جان دینے کے شوق میں باپ سے اجازت طلب کر رہے ہیں۔

باپ نے اپنے بیمار بیٹے کو سہارا دیا۔ اور فرمایا...... بیٹا تم جانتے ہو کہ آج اس میدان کربلا میں ہمارے لئے موت کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے تمہارے سامنے جو کچھ ہوا وہ تم دیکھ چکے ہو۔ اور اگر تم بھی مرنا چاہتے ہو تو جاؤ۔ مگر تمہاری موت سے سادات کا خاتمہ ہو جائے گا...... حسین رضی اللہ عنہ کی نسل منقطع ہو جائیگی۔ سیّدوں کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ اور اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ ختم ہو جائیگا۔

اور اگر تم شہید ہو گئے۔ تو پھر ان پردہ داروں کو مدینے کون پہنچائے گا۔ ان کی حفاظت و نگہداشت کون کرے گا۔ میری نسل کس طرح چلی گی۔ اور حسینی رضی اللہ عنہ سیّدوں کا سلسلہ کس طرح جاری ہوگا۔ اب تو دین و اسلام کی نشر و اشاعت اور قرآن و شریعت کی حفاظت تمہارے ذمہ ہے۔ اور احکامات الٰہیہ کی رکھوالی اور خلافت اسلامیہ کے پاسبانی تمہارے سپرد ہے۔

بیٹا! تم زندہ رہو۔ اور خدا تمہیں زندہ رکھے۔ تاکہ تم دنیا کو بتا سکو۔ کہ جب اس خطۂ ارضی پر فسق و فجور کے اندھیرے چھا جائیں اور جب اللہ کے بندوں کے سروں پر ملوکیت

وآمریت کی تلوار لٹک رہی ہو۔ تو اس وقت میرے باپ حسین رضی اللہ عنہ کی طرح اپنے بچوں کو قربان کے ملت اسلامیہ کو اسلام کی روح جمہوریت کی روشنی میں لایا جا سکتا ہے۔

اور دیکھو بیٹا! کوئی صبح ایسی نہیں۔ جس کی شام نہ ہو۔ اور کوئی دن ایسا نہیں جس کی رات نہ ہو...... چمن میں بہار بھی آتی ہے۔ اور خزاں بھی ... پھول کھلتے بھی ہیں اور ٹوٹتے بھی ہیں...... سورج نکلتا بھی ہے اور ڈوبتا بھی ہے...... اور انسان پیدا بھی ہوتا ہے۔ اور مرتا بھی ہے...... اور زندگی کی انتہا ہی موت ہے۔

اور ایک بہادر انسان موت کے فرشتے کا استقبال مسکرا کر کرتا ہے۔ اور پیش آنے والی ہر مصیبت کا مقابلہ ہنس کر کرتا ہے۔ بیٹا عابد! تم بھی ایک بہادر باپ کے بیٹے ہو۔ اور شیر خدا کے بیٹے ہو...... اور تمہاری رگوں میں بھی علی رضی اللہ عنہ کا خون ہے۔ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کا دودھ ہے۔ میرے بعد علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت کو بدنام نہ کرنا...... اپنے باپ کے صبر کو دھبہ نہ لگانا...... حق پرستی ہمارا شیوہ ہے اور حق گوئی ہمارا منصب ... جاؤ اور خیمے میں آرام کرو۔

اور پھر آپ نے بی بی شہر بانو سے فرمایا! شہر بانو میں تمہاری خدمت گذاری کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ تو نے ہر مصیبت میں میرا ساتھ ایک وفادار بیوی کی طرح دیا۔ اور پھر میری وجہ سے تم نے اپنی عمر بھر کی کمائی اس میدان میں لٹا دی۔ تو نے اللہ کی راہ میں اپنے بچوں کو نثار کیا۔ بھوک اور پیاس برداشت کی تاریخ اس پر فخر کرے گی...... میرے نانے کے امتی تیرے نام کو بوسہ دیں گے۔ اور مسلمان عورتیں تیرے اس ایثار پر ناز کریں گی۔ مگر جس شان سے تو نے اپنے بچوں کو نثار کیا ہے۔ میرے بعد بھی اسی صبر و شکر کا مظاہرہ کرنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری لاش پر گھوڑے دوڑتے دیکھ کر اور میرے جسم کے ٹکڑے ہوا میں اڑتے ہوئے دیکھ کر صبر و شکر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دو۔ اور سب کچھ کیا ہوا ضائع ہو جائے...... میں جانتا ہوں کہ تم اپنی زندگی کی دولت یہاں چھوڑ کر جاؤ گی اور اکبر و اصغر کے میتیں اس تپتے ہوئے ریگستان میں چھوڑ کر جاؤ گی۔ مگر پھر بھی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نام کو بدنام نہ ہونے دینا۔

دن ناویں داگذر گیا تے رات دہاویں دی تھئی اے
نکل کے زینبؓ اپنے خیمیوں ونج ویر دے خیمے گئی اے
جو جو گلاں بہن بھرانے کیتیاں او تے آپ خدا نوں سئی اے
پر ساری رات او بی بی زینبؓ منہ ویر دا تکدی رہی اے

اور پھر آپ نے اپنی بہن زینب رضی اللہ عنہا کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔اور فرمایا بہن! میرا امتحان تو آج ختم ہو رہا ہے۔مگر تمہارا امتحان کل شروع ہو گا۔کہیں بے صبری کر کے فیل نہ ہو جانا۔اور زینب رضی اللہ عنہا! دنیا میں بھائیوں کی بہنیں ہوتی رہیں گی۔مگر تم جیسی صبر و رضا کی پیکر بہن نہیں ہو گی۔تو نے مدینے پاک کی گلیوں سے لے کر کوفہ کے اس تپتے ہوئے ریگستان تک جس ہمت و استقلال کے ساتھ اپنے بھائی کا ساتھ دیا۔اور پھر نانے پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی آن کی خاطر اپنے بچوں کی قربانی دی اور اپنے بھائی حسین رضی اللہ عنہ پر عون و محمد کو صدقے کر دیا۔دنیا کی بہنیں تیرے اس عمل پر قیامت تک آنسو بہاتی رہیں گی...... حوریں فخر کریں گی۔اور روح مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم جھومتی رہے گی۔لیکن جس طرح اب تک تم نے ہر مصیبت اور ہر دکھ کو مسکرا کر برداشت کیا......اور جس طرح میں نے دنیا کو علی رضی اللہ عنہ کی شان دکھائی ہے۔اسی طرح تم بھی زمانے کو فاطمہ رضی اللہ عنہا کی آن دکھا جانا۔

میں جانتا ہوں۔کہ میرے بعد تم پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹیں گے۔قدم قدم پر مشکل پیش آئے گی۔اور ہر گھڑی آزمائش کی گھڑی ہو گی...... تم نے ابن زیاد کے سامنے بھی پیش ہونا ہے۔اور یزید کے دربار میں بھی جانا ہے۔مگر میری بہن! ہر حال میں خدا کا شکر ادا کرنا۔اور ہر مصیبت میں صبر کرنا۔عمرو بن سعد۔ابن زیاد' ور یزید کو فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کی آن کا پتہ لگ جائے۔ان کو اہلبیت کی پردہ داری کی سمجھ آ جائے۔اور عترت پیغمبر اور ناموس رسالت کی خبر ہو جائے۔بہن تمہارے سر پہ چادر تطہیر ہے۔یہ پھٹ نہ جائے۔اور اس کی عزت و حرمت میں کوئی فرق نہ آنے پائے۔اور میں جانتا ہوں کہ جہاں سے عمرو بن سعد اور اس کے لشکری خوشیاں مناتے اور ہنستے روانہ ہوں گے۔وہاں سے تم غم و اندوہ کے اندھیروں میں روتی جاؤ گی۔اور اپنے عون و محمد کو اس تپتی ہوئی ریت میں چھوڑ

کر جاؤ گی۔ اور اہل بیت کے شہیدوں کے مرثیے پڑھتی ہوئی جاؤ گی۔ یہ سب کچھ ہو...... مگر میری بہن! تمہاری ثابت قدمی میں فرق نہ آئے...... تمہارے پاؤں میں لغزش نہ آئے۔ اور صبر و رضاء کا دامن تمہارے ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ اور یہ ہے میری بچی سکینہ!...... یہ ہے میرا بیمار عابد! اور یہ ہے مسلم شہید کی یتیم بچی! ان کا خیال رکھنا۔ ان کو اداس نہ ہونے دینا...... ان کے سروں پر شفقت کا ہاتھ رکھنا۔ اور جب مدینے پاک جاؤ تو درود پڑھ کر داخل ہونا...... نانے مصطفیٰ ﷺ کے روضے پاک پر جاؤ۔ تو میرا بھی سلام عرض کرنا۔ اور میری بیٹی صغرا ملے تو پیار دینا۔ جاؤ تمہارا نگہبان!......

اور اب اٹھو۔ اور اپنے بھائی حسین رضی اللہ عنہ کی صورت جی بھر کے دیکھ لو۔ پھر قیامت تک نظر نہیں آئے گی۔

فاطمہ رضی اللہ عنہا کا لال اٹھا۔ نانے پاک کا عمامہ سر پر باندھا۔ ماں فاطمہ رضی اللہ عنہا کی چادر کمر میں لپیٹی۔ اور باپ علی رضی اللہ عنہ کی تلوار ہاتھ میں پکڑی...... گھوڑے پر سوار ہونے لگے۔ تو اس خیال نے رلا دیا کہ......

جدوں معراج نبیؐ نوں ہویا جبریل براق تھمایا
جدوں علیؓ ول خیبر چلیا نبی پاکؐ نے آپ چڑھایا
اج کوئی نہیں رہ گیا واگاں پکڑن والا جدوں وار حسین رضی اللہ عنہ دا آیا
خیمے وچوں بی بی زینب رضی اللہ عنہا نکلی اوس برقعہ منہ تے پایا!
تھم رکاب گھوڑے دی آکھے دے لے چڑھ امڑی دیا جایا

سید پاک نے گھوڑے کا منہ میدان کی طرف کیا۔ اور چلنے کا حکم دیا۔ مگر گھوڑا اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔ امام پاک بار بار گھوڑے کو چلاتے مگر وہ حرکت میں نہ آیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ حیران رہ گئے۔ کہ یا اللہ یہ ماجرا کیا ہے۔ گھوڑا میدان کی طرف جاتا کیوں نہیں۔ کہیں میں اس امتحان میں فیل تو نہیں ہو رہا...... گھوڑے نے گردن اوپر اٹھائی اور زبان حال سے اپنے اسوار کو کچھ سمجھایا۔

سیدِ مظلوم گھوڑے سے نیچے اترے دیکھا تو بیٹی سکینہ نے گھوڑے کے پاؤں پکڑے

ہوئے ہیں۔امام عرش مقام نے بیٹی کو سینے سے لگایا......اور فرمایا بیٹی! عون ومحمد قربان ہوئے تو تم نے صبر کیا۔قاسم رضی اللہ عنہ عباس رضی اللہ عنہ نثار ہوئے تو تم نے شکر کیا۔علی رضی اللہ عنہ اکبر شہید ہوا۔تو تم نے فریاد نہ کی......علی اصغر نے دم توڑا۔تو تم نے حوصلہ نہ ہارا......مگر اب میں جارہا ہوں تو تم رورہی ہو۔

عرض کی ابا جان! عون ومحمد قربان ہوئے تو مجھے فکر نہ تھا......قاسم رضی اللہ عنہ وعباس رضی اللہ عنہ نثار ہوئے تو مجھے کوئی غم نہ تھا۔اکبرواصغر شہید ہوئے تو مجھے کچھ پرواہ نہ تھی۔مگر ابا جان! آپ جارہے ہیں تو سکینہ یتیم ہوجائیگی۔بے سہارا ہوجائیگی اور بے آسرا ہوجائیگی......ہائے اباجی! میرے سرپر شفقت کا ہاتھ کون پھیرے گا۔میں روؤں گی تو چپ کون کرائے گا۔اور مدینے کون پہنچائیگا ہائے بابا! میں روتی مرجاؤں گی......ٹھوکریں کھاتی پھروں گی۔اباجی! آپکے بعد مجھے بیٹی کہہ کر کون پکارے گا۔مجھے سینے سے کون لگائے گا۔اور مجھے اپنی گودی میں کون بٹھائیگا۔

سیّد مظلوم نے بیٹی کو دلاسا دیا۔اور فرمایا بیٹی! صابر حسین رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہوکر صبر کرو۔شہربانو ہر طرح سے تمہارا خیال رکھے گی۔اور پھوپھی زینب رضی اللہ عنہا تمہیں یتیمی کا احساس نہ ہونے دے گی۔جاؤ خیمے میں آرام کرو......تمہارا خدا حافظ! علی رضی اللہ عنہ کے شیر نے گھوڑے کو ایڑھ لگائی۔اور چشم زدن میں لشکر یزید کے سامنے جاپہنچے۔

نکل کر خیمۂ نوری سے سورج شہسواری کا
سرمیدان آپہنچا وہ موجد جانثاری کا
وہ آیا جو پلا آغوش میں خاتون جنت کی
وہ آیا جس کے دل میں آرزو مچلی شہادت کی
وہ آیا وارث جنت امام الاولیا آیا
وہ آیا راکب دوش محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مصطفیٰ آیا
وہ آیا شام کے فرعون کو جھنجھوڑنے والا
وہ آیا آمریت کے بتوں کو توڑنے والا

بس پھر فسق و فجور کے اندھیروں میں حق و ہدایت کا آفتاب طلوع ہوگیا جس کی سنہری کرنوں سے کوفے کا ریگستان جگمگا اٹھا۔ وحشت و بربریت کی تاریکیوں میں نیکی و شرافت کا ماہتاب نکل آیا۔ جس کی حسین شعاعوں سے کربلا کے ذرے جگمگا اٹھے۔ ملوکیت و آمریت کی خزاں پر اسلام کی روح جمہوریت کی بہار کا موسم چھا گیا۔ جس کی مست کن ہواؤں سے مرجھائے ہوئے پتے گرنے لگے۔

نہیں! نہیں! ہاشمی کچھار کا شیر محمدی ﷺ کمین گاہ سے نکل کر میدان میں آ گیا۔ جس کی گرج سے یزیدی بھیڑیں ڈر کر دوڑنے لگیں۔

نہیں! نہیں! جمال مصطفٰی چمک اٹھا۔ جس کی تجلی سے کربلا کے ذرے دمک اٹھے۔ اور جلال حیدری جوش میں آ گیا۔ جس کے رعب و دبدبہ سے لشکر یزید میں ہنگامہ برپا ہوگیا۔ اور عمرو بن سعد گھبرا گیا۔

سیدہ کے لال نے میدان میں آ کر کوفیوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ اے کوفہ کے دغاباز انسانو! میں اپنی خوشی سے نہیں آیا۔ بلکہ تمہارے بلانے پر آیا ہوں۔ تمہارے خطوں پر آیا ہوں۔ اور تمہارے قاصدوں پر آیا ہوں۔ تم نے میرے ساتھ جو وعدے کئے تھے۔ وہ کہاں گئے۔ تم نے میری حمایت میں مر مٹنے کی جو قسمیں کھائی تھیں۔ وہ کدھر گئیں۔ تم نے کہا تھا کہ ہم اہل بیت کے غلام ہیں۔ اور عترت پیغمبر کے خادم ہیں۔ مگر اب جب میں آ گیا ہوں۔ تو تم نے وہ تمام وعدے بھلا دیئے ہیں۔ وہ تمام قسمیں توڑ دی ہیں۔ اور وہ تمام وعدے پس پشت ڈال دیئے ہیں یہ دھوکا ہے...... یہ فریب ہے...... یہ عیاری ہے...... یہ دغابازی ہے۔ تم نے دنیا کے لالچ میں میرے بال بچوں کو بھوکا پیاسا شہید کر دیا ہے۔ تم نے اہل بیت پر ظلم کیا ہے اور اب میرے بھی خون کے پیاسے ہو۔

مگر یاد رکھو! تم دنیا کے جس جال میں پھنسے ہوئے ہو وہ ایک دن ٹوٹ جائے گا اور دنیا کی ہر چیز فانی ہے...... تم نے دنیا کے عارضی ساز و سامان کے بدلے اپنی عاقبت خراب کر لی ہے۔ تم نے چند روزہ عیش و عشرت کے عوض اپنے دین و ایمان کا سودا کیا ہے۔ اور میں تم

سے نہیں ڈرتا۔تمہاری تلواروں سے نہیں ڈرتا......البتہ میری وجہ سے تم پر جو قہرالٰہی نازل ہونے والا ہے۔میں اس سے ڈرتا ہوں۔آؤاب بھی سمجھ جاؤاور دین واسلام کی کشتی میں سوار ہوکر اپنے آپ کو کفروباطل کے طوفانوں سے بچالو۔آؤ......اور اہل بیت کے دامن میں پناہ لے لو اور یزید کی غیر اسلامی اور باطل پرست حکومت کے جال سے نکل کر ایک غیر تمند مسلمان ہونے کا ثبوت دو۔

اور دیکھو!میرے سر پر اسی کا عمامہ ہے۔جس کا تم کلمہ پڑھتے ہو۔اور میری کمر میں اسی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی چادر ہے۔جس کی فرشتوں کو بھی شرم تھی۔ابھی آپ تقریر کر ہی رہے تھے۔کہ عمرو بن سعد بول اٹھا...... حسین رضی اللہ عنہ!یہ وعظ ونصیحت کا وقت نہیں ہے......مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ......اور اگر تو پیاسا مرنا نہیں چاہتا تو اب بھی یزید کی بیعت کا اقرار کر لے۔پھر نہر فرات تیرے حوالے کر دی جائے گی۔

عمرو بن سعد کی اس گستاخی سے ہاشمی خون جوش میں آگیا اور فرمایا عمرو بن سعد اگر میں نے یزید کی بیعت کرنی ہوتی تو نانے مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کو چھوڑ کر کوفہ کے اس ریگستان میں نہ آتا۔مدینہ منورہ کی حسین گلیاں چھوڑ کر عراق کے اس صحرا میں نہ آتا۔اور اللہ کے گھر کعبے کو چھوڑ کر میدان کربلا میں نہ آتا۔اور اگر میں نے یزید کی بیعت کرنی ہوتی۔تو عون ومحمد قربان نہ ہوتے۔عباس رضی اللہ عنہ کے بازو قلم نہ ہوتے۔قاسم کی جوانی نہ لٹتی......اکبر رضی اللہ عنہ کی لاش پر گھوڑے نہ دوڑتے۔اور اصغر میری جھولی میں دم نہ توڑتا۔اور اب جب کہ یہ سب کچھ ہو چکا ہے۔اور میں کروا چکا ہوں۔اور اس لئے کروا چکا ہوں کہ اسلام میں ایک فاسق وفاجر کی بیعت ایک سچے پکے مسلمان کے لئے حرام ہے۔اور میں جانتا ہوں کہ یزید ایک فاسق وفاجر حکمران ہے اس کی حکومت غیر اسلامی ہے۔اور اس کا نظام سلطنت غیر شرعی ہے تو پھر میں اس کی بیعت کر کے مسلمانوں کے لئے تباہی کا راستہ نہیں کھول سکتا۔اور جب میں خلافت اسلامیہ کی عظمت کی خاطر اپنا سب کچھ لٹا چکا ہوں۔تو پھر اب تو مجھ سے یہ توقع کیسے رکھ سکتا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ تمہاری خون آشام تلواروں سے ڈر کر اور پیاس سے تنگ آکر باطل کے

آگے اپنا سر جھکا دے گا۔اور میں جانتا ہوں کہ اگر میں یزید کی بیعت کرلوں۔تو میرے خون کی یہی پیاسی تلواریں میرے لئے پھولوں کے ہار بن جائیں گی۔اور یزید کا یہی لشکر جو میرا سر لینے کے لئے آیا ہے اپنے سر میرے پاؤں میں جھکا دے گا۔اور دنیا کی ہر نعمت اور عیش وعشرت بھی مجھے مل سکتی ہے۔مگر نہیں......ضرورت اس بات کی ہے کہ میں دین وحق کی حفاظت اور خلافت الٰہیہ کی پاسبانی کی خاطر حق وہدایت کے دشمنوں اور دین وشریعت کے باغیوں کے مقابلے ایک ایسی بنیاد قائم کر جاؤں جس پر میرے نانے کی امت آسانی سے عمارتیں تعمیر کر سکے۔اور دنیا کو ملوکیت وآمریت پرستی کے پنجۂ استبداد سے نجات حاصل کرنے کی راہ دکھا جاؤں جس راہ پر چل کر مسلمان منزل مقصود پر پہنچ جائیں اور اپنے ماننے والوں کو عزم واستقلال اور صبر ورضا کا ایسا درس دے جاؤں جس پر عمل کرکے محبانِ حسین رضی اللہ عنہ اسلام کی کھوئی ہوئی عظمت......دین کی لٹی ہوئی آبرو اور حق وہدایت کی چھنی ہوئی عزت کو پھر واپس لا سکیں۔

آپ یہ ایمان افروز خطبہ دے ہی رہے تھے کہ کسی شقی نے طعنہ دیا کہ حسین رضی اللہ عنہ ادھر دیکھو۔نہر فرات لہریں لے رہی ہے۔مگر تم اس میں سے ایک قطرہ بھی نہیں پی سکتے۔

علی رضی اللہ عنہ کے لال کی آنکھیں سرخ ہوگئیں۔اور منہ موڑ کر فرمایا......او کمینے! ادھر دیکھ......حوض کوثر کا دریا ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔مگر تم اس میں سے ایک بوند بھی نہیں پی سکتے۔

اور آپ نے پھر عمرو بن سعد کی طرف رخ کرکے فرمایا کہ تو نے دنیا کے بدلے دین کو بیچ کر اور باطل کے عوض حق کا سودا کرکے اور یزیدیت کا پرستار بن کر اور حسینیت کے دامن کو چھوڑ کر اپنی عاقبت خراب کر لی ہے۔اور قیامت کے دن تیرے پاس میرے خون ناحق کے سوال کا کوئی جواب نہیں ہوگا......اب بھی وقت ہے اپنی آنکھوں سے غفلت کے پردے اٹھا اور اپنے دل سے دشمنی اہل بیت کے غبار کو جھاڑ۔اور دیکھ کہ میرے سر پر اس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمامہ ہے جس کا تو کلمہ پڑھتا ہے......جو کچھ تو نے کرنا تھا کر لیا۔اور جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔لیکن تو اگر اب بھی غیر اسلامی حکومت کے پنجے سے نکل کر اور ملوکیت کے جال کو توڑ کر اور غیر شرعی نظام سلطنت کے جنگلے سے نجات حاصل کرکے دین واسلام اور حق

وشریعت کے دامن کو تھام لے اور خلافت اسلامیہ اور امانت خداوندی کی رسی پکڑ لے تو میں سب کچھ بھول جاؤں گا۔

عمرو بن سعد نے جواب دیا کہ حسین رضی اللہ عنہ! اگر یزید کی بیعت منظور ہے۔ تو میرے قریب آ جاؤ۔ اور اگر انکار ہے۔ تو پھر ہماری طرف سے دعوت جنگ ہے۔

• نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے حوصلے سے فرمایا...... انکار ہے

ہنس کے کہا حسین رضی اللہ عنہ نے کوفیاں نوں تساں بندو گدا جس دا سرکیتا
اس نے بیعت تے فاسق دی منی نئیں جدے باپ نے خیبر نوں سرکیتا

اور ساتھ ہی انس بن سنان کا ایک تیر سرسراتا ہوا مظلوم کربلا کے سر کے اوپر سے گذر گیا۔ ہاشمی شہزادے نے بھی شمشیر حیدری رضی اللہ عنہ کو ہوا میں لہرایا اور جعفری نیزے کو جنبش دی۔ انس بن سنان بڑے تکبر وغرور کے ساتھ تلوار چمکاتا ہوا مقابلے کو آیا۔ مگر ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ تیغ علی رضی اللہ عنہ نے اس کے دو ٹکڑے کر دیے۔ پھر اس کا بھائی غصے میں کانپتا ہوا آیا...... اور بڑے ہی کبر و ناز سے بولا۔ کہ میں شام وعراق کا شہسوار ہوں...... سید مظلوم نے بڑے ہی جوش سے فرمایا۔ کہ میں بھی ابن حیدر کرار ہوں۔ اس نے تلوار ماری۔ شاہ نے ڈھال پر روک لی۔ اور پھر ابن علی رضی اللہ عنہ نے نیزہ مارا کہ سینے سے پار ہو گیا۔ اور اس کی لاش بھی خاک وخون میں تڑپنے لگی۔ اور پھر یکے بعد دیگرے آٹھ یزیدی میدان میں آئے۔ لیکن وہ بھی واصل جہنم ہو گئے۔

عمرو بن سعد کا خیال تھا۔ کہ علی رضی اللہ عنہ کا شیر تین دن سے بھوکا پیاسا ہے۔ مگر اسے یہ معلوم نہ تھا کہ اس شیر کے پنجہ میں شیر خدا کی طاقت ہے اور اس کی رگوں میں حیدر رضی اللہ عنہ کا خون ہے۔

عمرو بن سعد نے تیغ علی رضی اللہ عنہ کی جب یہ کاٹ دیکھی اور اللہ کے شیر کے اس شیر کا انداز جنگ دیکھا تو اپنی عادت کے مطابق پکار اٹھا۔ کہ او ساتھیو! اگر ایک ایک ہو کر حسین رضی اللہ عنہ ابن علی رضی اللہ عنہ کے سامنے جاؤ گے تو لڑائی کبھی ختم نہیں ہو گی۔ اور فیصلہ اہل بیت کے حق میں ہو گا اٹھو اور ہمت کرو اور سب مل کر حملہ کر دو!......

پھر ہر طرف سے تیروں کی بارش ہونے لگی...... تلواروں کے وار ہونے لگے اور نیزوں کی بوچھاڑ ہونے لگی! مگر قربان جاؤں میرے آقا حسین رضی اللہ عنہ تیری شجاعت کے اور صدقے جاؤں تیری بہادری کے اور نثار جاؤں تیرے عزم واستقلال کے کہ تو نے ابن علی رضی اللہ عنہ ہونے کا حق ادا کر دیا۔ تیری تلوار تھی کہ بجلی...... تیری تیغ تھی کہ رعدو برق جس جانب بھی پلٹی یزیدیوں کو جلا گئی...... اور تیری شمشیر تھی کہ قہر الٰہی۔ جس سمت بھی اٹھی تباہ کر گئی! علی رضی اللہ عنہ کا لال بھی لشکر یزید پر بپھرے ہوئے شیر کی طرح لپکا اور شجاعت و بہادری کے وہ جو ہر دکھائے کہ فرشتے بھی حیران رہ گئے۔ کبھی میسرہ کی طرف بڑھے۔ تو لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے...... جو میمنہ کی طرف پلٹے تو یزیدی خزاں کے پتوں کی طرح گرنے لگے۔ اور پھر قلب لشکر میں گھس گئے۔ تو تباہی مچا دی۔ ہاشمی تلوار کے انگاروں سے یزیدی جل رہے تھے۔

لشکر یزید میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ جہاں تھوڑی دیر پہلے قہقہے بلند ہو رہے تھے۔ وہاں اب آہ و بکا کی صدائیں اٹھ رہی تھیں...... جہاں تھوڑی دیر پہلے خوشی و مسرت تھی وہاں اب کہرام مچا ہوا تھا اور جہاں پہلے اپنی قوت وطاقت پر ناز تھا وہاں اب مایوسی وناامیدی تھی...... اور جہاں پہلے تکبر وغرور تھا وہاں اب حسرت ویاس تھی۔

عمرو بن سعد گھبرا کر پھر بول اٹھا۔ کہ بہادرو! تمہاری بہادری کہاں غارت ہو گئی...... یاد رکھو...... یہ حسین رضی اللہ عنہ ابن علی رضی اللہ عنہ ہے۔ نہیں! نہیں!...... علی رضی اللہ عنہ کا شیر ہے...... اس کے بازوؤں میں علی رضی اللہ عنہ کی قوت ہے...... اس کی رگوں میں علی رضی اللہ عنہ کا خون ہے۔ اور اس کے ہاتھ میں شمشیر حیدری رضی اللہ عنہ ہے۔ اور اگر اس کو تھوڑی سی بھی مہلت دے دی گئی۔ تو یہ جنگ کا نقشہ بدل دے گا۔ اور دنیا سے ہمارا نام ونشان تک مٹا دے گا...... جاؤ...... اور فوج کا ایک دستہ لے کر اہل بیت کے خیموں میں آگ لگا دو۔ تاکہ پردہ دار عورتیں باہر نکل آئیں۔ اور میں حسین رضی اللہ عنہ کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ لوں۔

فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لال نے ڈانٹ کر کہا...... عمرو بن سعد! خبردار...... ابھی حسین رضی اللہ عنہ ابن علی رضی اللہ عنہ زندہ ہے...... اور ایک دستہ تو کیا تیرے سارے لشکر میں بھی یہ ہمت

نہیں ہے۔کہ وہ ناموس رسالت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔کمینے......کیا شجاعت اسی کا نام ہے۔اور کیا بہادری اسی کو کہتے ہیں......یہ شجاعت نہیں......بزدلی ہے۔اور یہ بہادری نہیں کمینگی ہے۔ہمت ہے تو خود میرے مقابلہ میں آ۔تاکہ علی رضی اللہ عنہ کا شیر تجھے باطل پرستی کا مزہ چکھا جائے۔

ہر طرف سے تیر برس رہے تھے۔تلواریں چمک رہی تھیں۔اور نیزے لہرا رہے تھے۔مگر یہ حسن یار کا متوالا......شمع اسلام کا پروانہ۔خلافت الٰہیہ کا محافظ۔اور حدود اسلامیہ کا رکھوالا۔بیس ہزار لشکر یزید کے سامنے پورے عزم واستقلال کے ساتھ ڈٹا ہوا تھا۔ہاتھ میں تلوار تھی۔ورلبوں پر تبسم......کمر میں شمشیر تھی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ۔اور پشت پر ڈھال تھی اور چہرے پر چمک۔قربان جاؤں اس شجاعت کے جو صدموں سے چور چور ہونے کے بعد بھی کربلا کے میدان میں علی رضی اللہ عنہ کی شان دکھا گیا۔درود فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اس لال پر جو شریعت کی آن بچا گیا۔اور سلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نواسے پر جس نے حق پرست ہونے کا حق ادا کر دیا۔

تیروں کی بارش اور تلواروں کی بھرمار میں بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے برق رفتار گھوڑے نے نہر فرات کی طرف رخ کیا۔اور ایک ہی جست میں کنارے پہنچ گیا......اس لئے کہ وہ اپنے سوار کو پیاسا شہید ہونے نہیں دینا چاہتا تھا اور وہ اس طرح اپنی وفاداری کا حق ادا کرنا چاہتا تھا۔گھوڑے نے پانی میں منہ ڈالا۔مگر پیا نہیں۔اسلئے کہ اس کا سوار پیاسا تھا......امام پاک نے بھی چلو بھر لیا۔مگر پیا نہیں۔اسلئے کہ سب پیاسے ہی شہید ہوئے تھے۔

عمرو بن سعد پھر پکار اٹھا۔کہ او یزید کے نمک خوارو!اج اپنی وفاداری کا ثبوت دو......اور ہمت سے کام لو۔اگر پانی کا ایک قطرہ بھی اس کے حلق میں چلا گیا۔تو پھر ہمارے خون کے دریا بہادے گا......چاروں طرف سے گھیرا ڈال لو۔اور تیروں کی بارش برسادو......پھر مظلوم کربلا پر ایسا بھی وقت آ گیا......کہ

چلتے تھے چاروں طرف سے بھالے حسینؓ پر
ٹوٹے ہوئے تھے برچھیوں والے حسینؓ پر

یہ دکھ نبی کی گود کے پالے حسینؓ پر
قاتل تھے خنجروں کو نکالے حسینؓ پر
تیر ستم نکالنے والا کوئی نہ تھا
گرتے تھے اور سنبھالنے والا کوئی نہ تھا

یہ کون تھے؟ جو سبط پیغمبر پر تیروں کی بارش کر رہے تھے جو جگر گوشۂ بتول کو نیزے مار رہے تھے..... جو علی رضی اللہ عنہ کے شیر کو زخمی کر رہے تھے اور جو برچھیوں سے قرآن کو پھاڑ رہے تھے۔

کیا یہ یہودی تھے؟ عیسائی تھے.....؟ نہیں! نہیں ..... یہ اس کے نانے کے امتی تھے! یہ اس کے باپ کے مقتدی تھے..... اور اس کے والد کے مرید تھے۔

تو پھر انہوں نے ایسا کیوں کیا؟..... اسلئے اور صرف اس لئے کہ وہ یزید کی ملوکیت کا شکار ہو چکے تھے ..... وہ باطل پرستی کے جال میں پھنس چکے تھے..... اور شخصی حکومت کا قہر و غضب ان کے دل و دماغ پر چھا چکا تھا ..... لالچ نے ان کی آنکھیں اندھی کر دی تھیں۔ اور ان کے ضمیر مردہ ہو چکے تھے..... اور بنی امیہ کی بنی ہاشم کے ساتھ پرانی دشمنی مکمل طور پر ابھر آئی تھی ..... اور ان کا خیال تھا کہ ہم تلواروں کا سایہ کر کے جان و مال کا خوف دلا کر ..... پانی بند کر کے اور قہر و غضب کے طوفان اٹھا کر علی رضی اللہ عنہ کے شیر سے یزید کی بیعت لے لیں گے۔ اور جبر و تشدد اور ظلم و ستم کا مظاہرہ کر کے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لال کا سر باطل کے آگے جھکا لیں گے۔ لیکن ان کا یہ خیال بھی غلط نکلا۔ اور وہ ایسا نہ کر سکے..... انہوں نے پانی بھی بند کر دیا..... اور اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے بچوں کو بھی ذبح کیا۔ اور پھر ہزاروں تلواروں کا سایہ بھی کیا۔ مگر اس پیکر صبر و رضا اور مجسمۂ حق و صداقت کا سر یزید کی باطل حکومت کے آگے نہ جھکا سکے..... اس لئے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ آخری دم تک بھی اس نظریے پر قائم رہے۔ کہ دین فطرت کی پاسبانی اور حق و صداقت کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینا مومن کی معراج ہے ..... اور وہ سب کچھ اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتا دیکھ کر بھی سمجھتے تھے کہ میں اپنا ایک اہم فرض ادا کر رہا ہوں۔ اور اپنے خون کو اپنے نانا کی امت

کے لئے تلاش حق کے ہر قدم پر نشان راہ بنا رہا ہوں......دشمنوں کا گھیرا تنگ ہوتا گیا۔اور سیّد مظلوم کی شہادت کا وقت قریب آتا گیا۔مگر لشکر یزید کے اس خطرناک گھیرے میں بھی سیّد کا لال پورے عزم واستقلال اور ثابت قدمی سے ڈٹا ہوا تھا۔اور آپ کی تلوار جدھر بھی گرتی صفیں کی صفیں الٹ دیتی۔

چمکی جو خود سر پہ تو سر سے نکل گئی
مثل قرار سب کے جگر سے نکل گئی
سینہ میں دم لیا تو کمر سے نکل گئی
حیراں تھا خود بدن کہ کدھر سے نکل گئی

آخر کار خولی نے ایک تیر چلایا۔جو امام پاک کی پیشانی میں لگا......اس پیشانی پر جو نبی ﷺ کی بوسہ گاہ تھی...... جس کو علی رضی اللہ عنہ چومتا تھا۔اور جس کو فاطمہ رضی اللہ عنہا بوسے دیا کرتی تھی......آپ کو چکر آ گیا۔عمرو بن سعد نے سمجھا کہ زخم کاری ہے دوڑ کر سامنے آیا۔مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا۔کہ زخمی شیر اور بھی خطرناک ہوتا ہے اور پھر اللہ کے شیر کا شیر......اور ہاشمی کچھار کا شیر! آپ نے عمرو بن سعد کو سامنے آتا دیکھا۔تو ڈانٹ کر فرمایا......دور ہو جا میری آنکھوں سے کمینے! وہ بدبخت پیچھے ہٹ گیا۔اور شمر سے کہا کہ دیکھتے کیا ہو۔اب وقت ہے ہمت کرو۔اور اپنے دستے کو لے کر ٹوٹ پڑو......شمر نے اپنے ایک سو سواروں کے دستے سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو نرغے میں لے لیا۔مگر اس شیر خدا کے شیر نے ان تمام کو بھی فنا کر دیا اور شاید اس معرکہ حق و باطل کا فیصلہ قیامت تک بھی نہ ہوتا۔کہ شمر لعین نے مکر کی ایک چال چلی اور بلند آواز سے پکارا کہ......وہ دیکھو بھائی کی محبت میں زینب رضی اللہ عنہا خیمے سے باہر آ گئی ہے۔

سیّد مظلوم نے پلٹ کر دیکھا۔تو ذرعا ابن شارق نے برچھے کا وار کر دیا۔جس سے آپ کا بایاں بازو کٹ گیا۔آپ نے ذرعا کو حملے کا جواب دینا چاہا۔مگر نقاہت سے دایاں بازو اٹھ نہ سکا۔اور شقی پے در پے حملے کرنے لگے......اور......پھر......

نیزہ اک نے ماریا وچہ سینے پھیر تیراں دا مینہ برسان لگ پئے

دل کعبے دے سجدے کرن والے ہتھیں اپنی کعبے نوں ڈھان لگ پئے

اور پھر مظلوم کربلا اپنے جسم اقدس پر بہتر (۷۲) زخم کھانے کے بعد

قرآن رحل زیں سے سر فرش گر پڑا

دیوار کعبہ بیٹھ گئی اور عرش گر پڑا

گھوڑے نے جب سمجھا کہ میرا سوار میری زین سے فرش پر گرنے والا ہے۔ تو اس نے بڑے ہی ادب کے ساتھ گھٹنے ٹیک دیئے۔

گھوڑے کی زین سے گرنے سے پہلے آپ نے مدینے پاک کی طرف دیکھا اور عرض کی نانا جان! آپ نے میری شہادت کی جو خبر دی تھی وہ پوری ہو گئی۔ اور میں نے اپنے تمام وعدے پورے کر دیئے۔ اور آپ کی شریعت کی آن بچالی۔ پھر آپ کے کانوں میں ایک آواز آئی...... کہ

سنبھل جاویں وے مسافرا اُجڑ اوے میں چک لواں وچہ جھولی

شالا جان دوزخ نوں جہاں تیری لاش مٹی وچہ رولی

آپ فرش پر گرے تو خولی آگے بڑھا۔ اور سر قلم کرنا چاہا۔ مگر ہاشمی شیر کی ہیبت اور حیدری جلال کے رعب سے لرز کر زمین پر گر پڑا۔ پھر شمر لعین آگے بڑھا اور آپ کے اس سینے مبارک پر سوار ہو گیا جس کو نبی ﷺ اپنی آنکھوں سے لگایا کرتے تھے۔ جس کو علی رضی اللہ عنہ بوسہ دیا کرتے تھے۔ اور جس کو فاطمہ رضی اللہ عنہا چوما کرتی تھی۔

جمعہ کا دن تھا۔ اور نماز جمعہ کا وقت ہو چکا تھا۔ اور شمر لعین حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لال کے سینے پاک پر سوار تھا۔ امام مظلوم نے پوچھا...... کونسا وقت ہے؟ شمر نے جواب دیا کہ جمعہ کی آذانیں ہونے والی ہیں۔ جگر گوشہ بتول نے فرمایا ذرا ٹھہر جا۔ میں بارگاہ ایزدی میں دو فرض ادا کر لوں...... خون سے وضو تو کر ہی چکے تھے۔ قبلہ رخ ہو گئے۔ اور تہہ خنجر بھی دو رکعت نماز ادا کر گئے۔

شمر لعین قریب آیا۔ امام مظلوم نے فرمایا۔ کونسا وقت ہے؟

جواب ملا...... جمعہ کی اذانیں ہو رہی ہیں!

فرمایا......اوظالم ذرا ٹھہر جا...... مجھے دو فرض ادا کر لینے دے...... پھر......

شاہ حسین رضی اللہ عنہ دا بدن مبارک یارو تیراں نال پروتا
پھر وی سید ریت تپتی تے نیت نماز کھلوتا
جاں سجدے وچہ لال علی رضی اللہ عنہ دے سبحان اللہ پڑھیا
ایدھر شمر لعین حرامی آن سینے تے چڑھیا
چمن والی تھاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم دی اتے خنجر چلایا
پھاڑ دتا قرآن دا ورقہ عرش عظیم ہلایا
بی بی زینب رضی اللہ عنہا خیمے وچوں باہر آن کھلوئی
اجے نہ ماریں ویرنوں شمرا اجے پوری نماز نہیں ہوئی
پھر......
شاہ فرمایا شمر دے تائیں میرے من سوال اج چارے
کریں نہ بےادبی پگ میری دی ایہہ میرے نانے دی دستارے
میری بھین دے سرتوں چادر نہ لاہویں اوازل دی پردہ دارے
عابد دے پیریں کڑیاں نہ پاویں اوبیکس تے بیمارے
کر کے قیدی علی رضی اللہ عنہ دیاں جایاں نہ پھیریں شہر بازارے

اور پھر ادھر کوفہ کے ریگستان میں اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی۔ اور ادھر شمر نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لال کے گلے پر خنجر چلا دیا......اور اس طرح مظلوم کربلا، کربلا کے میدان میں وَفَدَیْنٰہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ کی عملی تفسیر بن گیا۔

حضرت ابرہیم علیہ السلام نے بھی عرب کے صحرا میں منیٰ کے مقام پر اپنے بیٹے کی قربانی دی۔ مگر اس کا ظہور نہ ہو سکا۔ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی جگہ دنبہ ذبح کر دیا گیا۔ مگر ان کو پھر بھی ان کے دلی ارادوں کے پیش نظر اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا کا اعزاز خدا کی طرف سے مل ہی گیا۔ مگر کوفہ کے اس ریگستان میں کربلا کے مقام پر جو قربانی دی گئی اس کا ظہور بھی ہو گیا......اور یہ ذبح ہونے والا کوئی دنبہ نہ تھا۔ بلکہ خود حضرت حسین رضی اللہ عنہ

تھے۔نواسۂ رسول ﷺ تھے۔جگر گوشہ بتول رضی اللہ عنہا تھے۔اور نورِ نگاہ علی رضی اللہ عنہ تھے۔جو خدا کے سامنے ذبح ہوئے۔نبی ﷺ کے علم میں ذبح ہوئے۔جبریل علیہ السلام و اسرافیل علیہ السلام کے سامنے ذبح ہوئے۔اور غیروں سے نہیں، اپنوں سے ذبح ہوئے..... کافروں سے نہیں۔اپنے نانے کی امت کے ہاتھوں ذبح ہوئے۔تو پھر آپ کی امامت وخلافت پر کسی قسم کا شبہ کرنا بے دینی نہیں تو اور کیا ہے!

خارجی مولویو! مجھے بتاؤ کہ کیا امام حسین رضی اللہ عنہ کی قربانی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی سے کم ہے؟ اور کیا علی رضی اللہ عنہ کے شیر کے دلی ارادے حضرت خلیل اللہ کے ارادوں سے کمزور تھے؟ نہیں! اور ہرگز نہیں..... خلیل اللہ نے چھری چلانے کے وقت آنکھوں پر پٹی باندھ لی تھی......اور اس کی جھولی میں اصغر نے دم توڑا.....تو اگر وہاں اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا کا اعزاز عطا ہوسکتا ہے۔تو یہاں یہ اعزاز کیوں نہیں مل سکتا۔اور تم اس حقیقت سے کس طرح انکار کرسکتے ہو کہ منیٰ میں خواب تھی اور کربلا میں اس کی تعبیر! منیٰ میں آیت تھی اور کربلا میں اس کی تفسیر اور منیٰ میں عرش کا دنبہ تھا اور کربلا میں والیٔ عرش کے حسین رضی اللہ عنہ! پھر......

شمر کا خنجر گلوئے خشک پر چلتا رہا
شمعِ حق روشن رہی حق کا دیا جلتا رہا

اور......

چشمِ گریاں مزرعِ دیں میں گہر بوتی رہی
کٹ گیا سر پر نمازِ حق ادا ہوتی رہی

بی بی شہربانو رضی اللہ عنہا اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا صبح سے رو رو کر تھک چکی تھیں اور آنسو خشک ہوچکے تھے۔اور آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔مگر وہ یہ قیامت خیز منظر دیکھ رہی تھیں۔نظریں اٹھائیں تو سیّد مظلوم کا سر نیزے پر تھا......دونوں کی چیخیں نکل گئیں......اور بیہوش ہوکر گر پڑیں۔ہوش آئی تو پھر دیکھا تو دوشِ مصطفیٰ ﷺ کے سوار کی لاش پر گھوڑے دوڑ رہے تھے......بہن زینب رضی اللہ عنہا سے ضبط نہ ہوسکا۔اور آواز دی۔کہ اے عمرو بن سعد! اگر

ہمارا سب کچھ لوٹ لینے کے بعد بھی تیری عداوت کی آگ نہیں بجھی۔ تو ذرا اپنے لشکر کو پیچھے ہٹا دے۔ تاکہ میں اپنے بھائی کی لاش کو اپنی جھولی میں اٹھالوں۔ اور پھر تیرے گھوڑے شہید بھائی کے ساتھ اس کی بہن کو بھی کچل دیں۔

امام پاک کا وفادار گھوڑا میدان کربلا میں ادھر ادھر دوڑتا پھرتا تھا۔ اور زمین پر اپنا سر مارتا تھا۔ کہ بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے پاس کس منہ سے جاؤں اور جب وہ میری پیٹھ پر اپنے بھائی حسین رضی اللہ عنہ کو نہ دیکھے گی۔ تو اس کا کیا حال ہوگا۔ آخر وہ سید مظلوم کے خون میں اپنے منہ کو ڈبو کر زمین پر سر پٹختا ہوا خیموں میں گیا۔ سیدۂ عالم نے گھوڑے کو خالی دیکھا تو گریہ وزاری سے عرش کا دل ہلا دیا۔ اور پھر گھوڑے سے پوچھا...... کہ

خالی گھوڑا دیکھ کے زینب رضی اللہ عنہا روندی کر کر زاری
دیر میرے نوں کتھے چھڈ آیا ہیں دس حقیقت ساری

کس نے خنجر چلایا اس تے کس نے ماریا دھاڑا
کیکر پھیر زمین تے ڈگا او عرش عظیم دا تارا

گھوڑے نے پاک بی بی کے قدموں میں سر جھکایا۔ اور زبان حال سے جواب دیا۔ کہ اے پاک سیدہ! میرے بھی جسم پر سینکڑوں تیروں اور نیزوں کے زخم دیکھ!

اس سے بڑھ کر اور قیامت کیا ہوگی۔ اور اس سے زیادہ حشر اور کیا برپا ہوگا۔ جبکہ یزیدی لشکر اہل بیت کے خیموں کو آگ لگا رہا تھا...... اور لٹے ہوئے قافلے کا ساز و سامان لوٹ رہا تھا اور ناموس رسالت کے سروں پر سے چادریں تک چھین رہا تھا۔ ایک خیمہ جلتا دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسیاں دوسرے خیمے میں چلی جاتیں۔ دوسرا بھی جل جاتا تو تیسرے میں دوڑ جاتیں امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیٹی سکینہ کبھی شہر بانو کے دامن سے لپٹ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دہائی دیتی۔ اور کبھی پھوپھی زینب رضی اللہ عنہا کے گلے لگ کر پناہ ڈھونڈتی مسلم رضی اللہ عنہ کی بچی کبھی خیموں کی دریاں اوپر لے کر اپنے جسم کو چھپاتی۔ اور کبھی جلی ہوئی قنات کے ٹکڑے سے اپنے سر کو ڈھانپتی فضہ! جو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی کنیز تھی۔ اس نے اپنی غلامی کے حق کو اس طرح ادا کیا کہ اپنی چادر پھاڑ کر آدھی شہر بانو کے سپرد کر دی اور آدھی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

کے اوپر اوڑھادی۔حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایافضہ!اپنے پردے کا بھی خیال رکھو......تو عرض کی......یاسیدہ......میں تو لونڈی ہوں۔

اس قیامت کی گھڑی میں شمر لعین نے آواز دی کہ حسین رضی اللہ عنہ ابن علی رضی اللہ عنہ کی بہن میرے سامنے آئے......تو جلے ہوئے خیموں کے ایک کونے سے کسی نے للکارا......اولعین......خبردار......علی رضی اللہ عنہ کی غیرت ابھی زندہ ہے۔یہ عابد بیمار کی آواز تھی۔جنہوں نے تلوار لے کر اٹھنے کی کوشش کی مگر اٹھ نہ سکے۔

شمر نے ارادہ کیا کہ عابد کو بھی قتل کر کے دنیا سے سادات کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا جائے۔اور نسل حسین رضی اللہ عنہ کا نام ونشان تک مٹادیا جائے کہ پردے کے اندر سے آواز آئی......کہ......خبردار!......اگر کسی نے عابد کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا تو ابھی قیامت برپا کردی جائے گی......یہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی آواز تھی۔جس نے عمرو بن سعد کے دل کو ہلا دیا......اور اس نے شمر کو یہ کہہ کر روک دیا کہ اس کا فیصلہ یزید پر چھوڑ دیا جائے۔

قردہ بن قیس!راوی ہے۔کہ میں میدان کربلا کے راستے کوفہ جارہا تھا......جب میں کربلا میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ خیمے جل رہے ہیں۔اور چند ایک پردہ دار عورتیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دہائی دیتی ہوئی ادھر ادھر دوڑ رہی ہیں اور کوئی چھپنے کی جگہ تلاش کر رہی ہیں......اور میں نے دیکھا کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور اس نے ایک بچی کے کانوں سے بالیاں کھینچ لیں۔جس سے اس بچی کے کان بھی چیرے گئے......یہ بچی حسین رضی اللہ عنہ کی بیٹی سکینہ تھی۔اور پھر میں نے دیکھا کہ ایک عورت ایک جلتے ہوئے خیمے میں جاتی ہے۔مگر آگ کے شعلوں سے ڈر کر پھر پیچھے ہٹ جاتی ہے۔پھر وہ تیسری باران آگ کے شعلوں کے اندر چلی گئی۔اور جب وہ باہر آئی تو اس کے کندھوں پر کوئی سوار تھا......یہ بنت علی رضی اللہ عنہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔جو عابد بیمار کو جلتے ہوئے خیمے سے اپنے کندھوں پر اٹھا کر باہر لائی تھیں۔

قردہ بن قیس!آگے کہتا ہے کہ میں نے ایک اور دردناک منظر بھی دیکھا کہ ایک لڑکی کے کپڑوں میں آگ لگی ہوئی ہے اور وہ چیختی چلاتی ادھر ادھر دوڑتی پھرتی ہے۔مجھ سے

یہ پرسوز منظر دیکھا نہ گیا۔اور میں دوڑ کر اس لڑکی کے پاس گیا......اور کہا بی بی......ذرا ٹھہر جا۔ میں تمہاری آگ بجھا دوں......تو اس لڑکی نے مجھے ڈانٹ کر کہا کہ خبردار......میرے کپڑوں کو ہاتھ نہ لگانا......کیا تو جانتا نہیں کہ میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیٹی سکینہ ہوں......اس لڑکی کی آواز سے میں ساری بات سمجھ گیا۔اور ہاتھ جوڑ کر عرض کی۔کہ اے سیّد زادی! میں بھی تمہارے باپ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ،کا غلام ہوں۔تو میں نے اس کے کپڑوں کے آگ بجھائی۔

قروہ بن قیس کہتا ہے۔کہ پھر میں نے ایک عورت کو دیکھا۔جس نے جلے ہوئے خیمے کا ایک پھٹا ہوا ٹکڑا اپنے اوپر لے رکھا تھا۔یہ فریاد کر رہی تھی۔کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تجھ پر آسمان کے فرشتوں کا درود وسلام۔یہ دیکھ کہ تیرا حسین رضی اللہ عنہ ریگستان میں پڑا ہے۔خاک وخون سے آلودہ ہے۔تمام بدن ٹکڑے ٹکڑے ہے۔تیری بیٹیاں قیدی ہیں......تیری اولاد مقتول ہے......اور ہوا ان پر خاک اڑا رہی ہے۔

راوی کہتا ہے۔کہ اس عورت کی اس گریہ وزاری سے اپنے تو اپنے رہے دشمن بھی رونے لگے۔

شام غریباں

ہر طرف غم کی فضاؤں میں اداسی چھائی
صبح سادات پہ اب شام غریباں آئی

دردوالو......سنو خون شہیداں کی صدا
ہم نے اسلام کی خاطر ہے شہادت پائی

اور خواتین حرم کرتی تھیں فریاد وفغاں
ہائے بابا کوئی کہتی کوئی ہائے بھائی

ہر دن کے بعد رات اور ہر صبح کی شام ہوتی ہے......مگر وہ رات اور وہ شام جو محرم کی دس تاریخ کو کوفہ کے تپتے ہوئے ریگستان اور کربلا کے خونیں میدان میں آل نبی ﷺ اور اولاد علی رضی اللہ عنہ پر آئی۔اس کی ہر ساعت تصویر غم بن کر رہتی دنیا تک نسل انسانی کے دلوں کو تڑپاتی رہے گی۔اس کے تصور سے مسلمانوں کے جگر جلتے رہیں گے۔اور اہل ایمان کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہیں گے......ثانی زہرا رضی اللہ عنہا نے طویل سجدہ سے سر اٹھایا تو سورج اہل بیت کی مظلومی پر روتا ہوا غروب ہو چکا تھا۔اس کی کرنیں شہیدوں پر آنسو بہاتی ہوئی تاریک ہو چکی تھیں......یزید کا تمام لشکر چمنستان زہرا رضی اللہ عنہا کو لوٹ کر......عترت پیغمبر کو ذبح کر کے......پاک سیّدانیوں کے خیمے جلا کر اور دوش مصطفیٰ کے اسوار کا سر نیزے پر چڑھا کر سو چکا تھا۔کربلا کی ریت شہیدوں کے خون کو جذب کر چکی تھی۔عباس رضی اللہ عنہ کے بازو قلم ہو چکے تھے......قاسم رضی اللہ عنہ کی جوانی لٹ چکی تھی......اکبر رضی اللہ عنہ کی لاش کے ٹکڑے ہو چکے تھے......تسبیح کے دانے خاک میں مل چکے تھے......آل رسول ﷺ کے لاشے بے گور وکفن پڑے تھے......شہیدوں کے خون سے خاک کربلا سیراب ہو چکی تھی اور امام پاک کا سر اقدس نیزے پر قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا......

صدقے جنہاں دے اساں نوں وچہ دنیا
ایہ دین ملیاتے قرآن ملیا
کربلا اندراونہاں سیداں نوں
کفن دفن داوی نہ سامان ملیا
ملیا اصغر نوں تیر خنجر شاہ تائیں
پاک بیبیاں نوں خونیں میدان ملیا
پر......اونہاں کفن تے دفن نوں کی کرناں
آپ جنہاں نوں رب رحمان ملیا

ہمارے ہاں کوئی غریب سے غریب۔ مفلس سے مفلس۔ بیگانہ سے بیگانہ۔ اور برے سے برا آدمی بھی مرجائے۔ تو اس کے گھر والے تین دن تک سوگ کی پھوڑی بچھادیتے ہیں۔ پھر مرنے والے کے خویش واقارب۔ دوست واحباب اور واقف وناواقف لوگ تعزیت کے لئے آتے ہیں۔ اظہار افسوس کرتے ہیں۔ آنسو بہاتے ہیں اور پرسادیتے ہیں......مگر گداؤں کو شہنشاہ کردینے والے تسنیم وکوثر کے مالک۔ باغ جنت کے سردار۔ آیت تطہیر کے وارث۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے۔ علی رضی اللہ عنہ کے نور نظر اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لخت جگر دین واسلام کی حفاظت۔ حق وصداقت کی پاسبانی اور عظمت قرآن کی رکھوالی کی خاطر میدان کربلا میں شہید ہوتے ہیں۔ تو کوئی سوگ منانے والا نہیں۔ کوئی آنسو بہانے والا نہیں اور کوئی پرسادینے والا نہیں۔

نہیں تو نہ سہی .... اس لئے کہ یہ نفوس قدسیہ...... یہ پاک گھرانہ اور یہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے صرف انسانوں کے سوگ منانےکے ہی محتاج نہیں تھے.... بلکہ انکا سوگ تو زمین وآسمان نے منایا...... شمس وقمر کی روشنی مدھم پڑگئی......فرش وعرش روئے...... جنت کی حوریں تڑپیں......جنوں نے نوحہ کیا......فرشتوں نے آہیں بھریں اور خود امام الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پرسادینے کے لئے میدان کربلا میں تشریف لائے۔

یہی نہیں بلکہ اس دن سورج گہنا گیا......چھ ماہ تک آسمان کے کنارے سرخ رہے...... افق کی سرخی ابھی تک موجود ہے......سات دن تک دنیا میں اندھیرا چھایا

رہا......ستارے آپس میں ٹکرائے......بیت المقدس کے ہر پتھر سے تازہ خون کے فوارے نکلے......یزیدی لشکر کے کے گوشت سے آگ کے شعلے اٹھے......ایک آدمی نے امام پاک کی مذمت کی۔تو بحکم الٰہی آسمان سے دو ستارے ٹوٹے۔جن سے اس کی آنکھیں جاتی رہیں۔(تاریخ الخلفاء، علامہ سیوطی صفحہ ۱۴۵)

شام غریباں کے خوفناک اندھیروں نے میدان کربلا کو جب پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا۔اور رات کی تاریکی کوفہ کے ریگستان میں جب مکمل طور پر مسلط ہوگئی۔تو امام پاک کی ہمشیرہ نے پھٹی ہوئی قنات سر پر اوڑھی اور جلے ہوئے خیمے کے ٹکڑے کا پردہ بنا کر شمشیر حیدری ہاتھ میں لے کر لاشوں کو اکٹھا کر کے پہرہ دینے لگی.....اپنے بھائی حسین رضی اللہ عنہ سے کبھی جدا نہ ہونے والی بہن......آج....

پہلی رات حسینؓ بھرا بجھوں
دیکھو کس طرح بھین گزاردی اے
لاش ویردی توں مٹی جھاڑنے نوں
چادر نوردی سروں اتاردی اے
زلفاں چمدی لاش نوں لائے سینے
نالے رورو کے آہیں ماردی اے
اک وارتے بول دے میں بھین صدقے
تیرے باجھ زینبؓ کس کا ردی اے

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے بھائی کی لاش کو سینے سے لگایا۔بدن مبارک سے مٹی جھاڑی۔خاک کربلا کو بوسہ دیا۔اور فریاد کی......

شالا رات محرم والی اے برساں دی تھیوے
نہ دن چڑھے تے نہ رات مکے میرا ویر جدا نہ تھیوے
مرن نہ ویر کسے دے تے شالا نہ ہون نمانیاں بھیناں
جس بھین دا ویر نہ کوئی اس کیہ دنیاتوں لینا

لاش بھرادی بی بی زینب رضی اللہ عنہا لا سینے نال گھٹ دی
کیہری گلوں اج رس گیاں ویرن کدے انج پریت نکیں ملدی

آدھی رات ہوگئی۔ تو بنت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا۔ کہ ایک گھوڑ سوار لاشوں کے گرد چکر لگا رہا ہے......

سیّدہ نے حیران ہو کر پوچھا......

تو کون ہے؟......

اور لاشوں کے گرد چکر کیوں لگا رہا ہے؟

اسوار نے پوچھا...... بی بی یہ لاشیں کن کی ہیں؟

زہرا جائی نے جواب دیا ...... یہ علی اکبر کی لاش ہے۔ اور یہ علی اصغر کی......

سوار نے پھر پوچھا۔ اے بی بی یہ دو چھوٹی چھوٹی لاشیں کن کی ہیں؟

سیّدہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا......

ناں انہاں دا عون محمد ایہہ مجھ غریب دے بچڑے
او حسین رضی اللہ عنہ دی جوڑی تے ایہہ میری جوڑی دونویں بھین بھرا اج اجڑے

فاطمہ رضی اللہ عنہا کی لاڈلی کا جواب سن کر اسوار جانے لگا۔ تو بی بی نے اس کے گھوڑے کے لگام پکڑ لی...... اور پوچھا...... اے اسوار تو بھی بتا تو کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ اور کیوں آیا ہے؟

اسوار نے چہرہ سے نقاب اٹھایا...... اور فرمایا:

مار آواز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اگوں ایہ جواب سنایا
میں تے تد غریب دا نانا ہاں بچڑی تیرا چہرہ ویکھن آیا

ترمذی شریف جلد ۲ صفحہ ۲۱۸ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۷۰۔ حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ میں ایک دن حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی وَھُوَ تَبْکِیْ تو وہ رو رہی تھیں۔ میں نے عرض کی کہ اے ام المومنین رضی اللہ عنہا آپ رو کیوں رہی ہیں۔ تو آپ نے فرمایا: وَأَیْتُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَعْنِیْ فِی الْمَنَامِ وَعَلٰی رَأْسِہٖ وَلِحْیَتِہِ التُّرَابِ کہ میں نے آج نبی کریم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا ہے۔ اور آپ کا چہرہ مبارک

کسی لمبے سفر کی وجہ سے غبار آلود تھا..... میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ آپ کی ایسی حالت کیوں ہے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ شَهِدْتُ قَتْلَ الْحُسَيْنِ اٰنِفًا۔
کہ میں اس وقت اپنے نواسے حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت گاہ سے آ رہا ہوں۔

یہ حدیث پاک غم حسین رضی اللہ عنہ کو ہمیشہ کے لئے زندہ رکھنے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ کہ جس امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر امام الانبیاء ﷺ بھی اپنے روضۂ انور میں تڑپ گئے۔ اور پھر اپنے دوش مبارک کے اسوار کی شہادت گاہ میں پہنچے۔ اور اس لمبے سفر کا گرد و غبار آپ کے چہرۂ مبارک پر پڑ گیا۔ تو پھر اس نبی ﷺ کی امت پر لازمی ہے۔ کہ غم حسین رضی اللہ عنہ کو قیامت تک زندہ رکھے۔ اور اسی لئے میں بھی اس حقیقت کا تو قائل ہوں۔ کہ غم حسین رضی اللہ عنہ کو بہر صورت زندہ رکھا جائے۔ مگر میں اس بات کا قائل نہیں ہوں کہ یاد حسین رضی اللہ عنہ کو صرف محرم کے دس دنوں میں مخصوص ومحدود کر کے اس عظیم قربانی کی لامحدود غم انگیزیوں کو محدود کر دیا جائے۔ اور وہ لوگ جو ایسا کرتے ہیں اصل میں وہ حسینی عظمت کے اس راز کو نہیں سمجھ سکے اس لئے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لال کی شہادت عظمیٰ کے جان سوز صدمے کو چند دنوں کی آہ و بکا سے پورا نہیں کیا جا سکتا۔ اور اہل بیت کی مظلومیت..... آل مصطفیٰ کی بیکسی۔ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی قربانی کے دردناک حادثے کو سال کے صرف دس دنوں میں آنسو بہا کر مقام حسین رضی اللہ عنہ کو دکھایا نہیں جا سکتا۔

یہ ٹھیک ہے۔ کہ محرم کے دس دنوں میں گریہ وزاری بھی ہوتی ہے۔ آنسو بھی بہائے جاتے ہیں۔ تعزیئے بھی نکالے جاتے ہیں اور غم حسین رضی اللہ عنہ میں ماتم بھی کیا جاتا ہے۔ مگر مجھ سے پوچھو تو یہ سب کچھ ہونے کے باوجود بھی کچھ نہیں ہوتا اس لئے کہ یہ تو امام حسین رضی اللہ عنہ کی لاش پر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے گرائے ہوئے ایک آنسو کی قیمت بھی نہیں ہے اور یہ تو علی اکبر رضی اللہ عنہ کے بدن پر لگے ہوئے تیروں کے ایک زخم کا صلہ بھی نہیں ہے۔ اور یہ تو معصوم اصغر کی آخری ہچکی کا بدلہ بھی نہیں ہے اور یہ تو عابد بیمار کے پاؤں کی بیڑیوں کی ایک جھنکار کا بھی حق نہیں ہے۔ تو پھر امام حسین رضی اللہ عنہ کی یاد کو سال کے دس دنوں میں محدود کر دینا بے انصافی ہے۔ اور غم حسین رضی اللہ عنہ کو محرم کے دنوں تک مخصوص کر دینا حماقت ہے۔

اس لیے میں کہتا ہوں اور نسل انسانی سے کہتا ہوں۔ اور پھر تمام مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ آؤ اگر دنیا میں عزت و آبرو کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو غم حسین رضی اللہ عنہ میں ہمیشہ

کے لئے کھو جاؤ۔ تمہاری رگ رگ میں یہ صدمہ سما جائے۔ تمہارے خون کے ایک ایک قطرے سے غمِ حسین رضی اللہ عنہ کا دریا ابل پڑے...... اور...... تمہارا ہر دن یومِ حسین رضی اللہ عنہ ہو اور تمہاری ہر رات شبِ عاشورہ اور پھر اس حدیث پاک سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصال پاک کے بعد بھی اپنے روضۂ اقدس میں مکمل طور پر زندہ ہیں۔ اور آپ جب چاہیں اور جہاں چاہیں جا سکتے ہیں۔

کربلا معلّٰی کی زیارت باعث برکت! اس لئے کہ وہاں سیّد المرسلین تشریف لے گئے۔ مشہد مبارک میں جانا باعث سعادت! اس لئے کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں پہنچے...... اور خاکِ کربلا مقدس ہے۔ اس لئے کہ وہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت گاہ بھی ہے اور سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جائے ورود بھی۔

ثانی زہرا رضی اللہ عنہا لاشوں پر پہرہ دینے کے بعد واپس آ رہی تھی کہ لشکر یزید کے ایک سپاہی نے بی بی پاک کو پانی کا پیالہ پیش کیا۔ اور کہا کہ عمرو بن سعد نے بھیجا ہے...... حضرت زینب رضی اللہ عنہا تڑپ گئیں اور فرمایا...... اے لعین!

تکیں دستور زمانے اندر جدھا پیاسا ویر مریوے
سر بھرا ادا ہووے نیزے اتے اتے بہن پانی بہہ پیوے
صبر شکر دا انساں جام ہے پیتا ساڈی ایہو ای شان دسیوے
میں وی پیاسی مر جاواں پر میرا عابد شالا جیوے

ثانی زہرا رضی اللہ عنہا آہیں بھرتی...... آنسو بہاتی...... اور غم سے نڈھال اٹھتی بیٹھتی ابھی چند قدم ہی آگے گئی تھی۔ کہ کیا دیکھتی ہیں کہ ایک عورت پانی کا پیالہ لئے کھڑی ہے...... سیّدۂ پاک نے پوچھا۔ تو کون ہے؟

جواب ملا! حر کی بیوی ہوں! پانی کا پیالہ لے کر آئی ہوں۔ آپ کے لئے انہیں معصوم بچیوں اور عابد بیمار کے لئے!

اے ثانی زہرا رضی اللہ عنہا...... خدا کے لئے میری اس پیشکش کو قبول کر لے۔ تاکہ میرے اس خاوند کی روح مجھ پر ہمیشہ کے لئے راضی ہو جائے۔ جو محبت اہل بیت میں حق و اسلام کی خاطر قربان ہو چکا ہے......

فاطمہ رضی اللہ عنہا جائی نے پانی کا پیالہ لے لیا۔ اور واپس جلے ہوئے خیموں میں تشریف لائیں۔ جہاں بچی سکینہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا روتے روتے سوگئی تھیں۔ اور عابد بیمار بارگاہِ رب العزت میں سجدہ ریز تھا......

بی بی پاک نے بچی سکینہ اور ام کلثوم کو جگایا...... اور کہا...... اٹھو پانی پی لو...... جناب حر کی بیوی کی پیشکش ہے قبول کرلو! بچیوں نے عرض کی...... پھوپھی جان...... پہلے آپ پئیں...... عابد بیمار کو دو...... فرمایا...... اس نے کہا ہے۔ کہ چھوٹے بچوں کے لئے ہے...... ام کلثوم نے سیّدہ پاک سے پیالہ لے کر بچی سکینہ کو دیا۔ کہ پہلے یہ پیئے...... کیونکہ یہ مجھ سے چھوٹی ہے...... بچی سکینہ نے پیالہ پکڑا اور دوڑ پڑی...... جناب زینب رضی اللہ عنہا نے پکڑ کر پوچھا...... سکینہ کہاں جارہی ہو؟ عرض کی بھائی اصغر کو پلانے جارہی ہوں...... کیوں کہ وہ مجھ سے بھی چھوٹا ہے...... سیّدہ پاک نے سکینہ کا دامن پکڑ کر کہا...... بیٹی سکینہ...... ہوش کرو۔ اصغر تو حوضِ کوثر کے جام پی رہا ہے...... وہ اب اس پانی کا محتاج نہیں ہے...... سکینہ نے پھر دامن چھڑایا اور پھر دوڑی...... پاؤں پھسل گیا۔ سکینہ گر پڑی۔ اور پیالہ ٹوٹ گیا...... اور پھر...... سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ کی صدائیں بلند ہونے لگیں...... یہ فرشتوں اور حوروں کا سلام تھا۔ یہ اولیاء اللہ اور روحِ فطرت کا سلام تھا۔ جو شہیدانِ کربلا کو پیش کیا گیا...... آلِ مصطفٰی پر سلام...... سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی پھٹی ہوئی چادر کو سلام...... خونِ حسین رضی اللہ عنہ کے ہر قطرہ کو سلام...... اکبر رضی اللہ عنہ کی لاش کے ٹکڑوں کو سلام...... ثانی زہرا رضی اللہ عنہا کے جلے ہوئے خیموں کو سلام اور خاکِ کربلا کے ہر ذرہ کو سلام......

سلام خاک نشینوں پہ سوگواروں کا
غریب دیتے ہیں پرسا تمہارے پیاروں کا
سلام تم پہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارو
سلام تم پہ علیؓ و بتول کے پیارو
سلام اس پہ جو زحمت کشِ سلاسل ہے
مصیبتوں میں امامت کی پہلی منزل ہے
سکینہ بی بی تمہارے غلام حاضر ہیں
بجھے جو پیاس تو اشکوں کے جام حاضر ہیں

کہاں پہ بیٹھی ہو خیمے تو جل گئے بی بی
تمہارے حال پہ آسمان ہل گئے بی بی
سلام محسن اسلام خستہ تن لاشو
سلام تم پہ شہیدوں کے بے کفن لاشو

آخر رات کٹ گئی......اور کیسے کٹی......یہ زینب رضی اللہ عنہا کے دل سے پوچھو یا شہر بانو کی آنکھوں سے!......یہ عابد کے جگر سے پوچھو، یا سکینہ کے سینے!......نہیں نہیں......یہ دوش مصطفیٰ سے پوچھو۔یا آغوش فاطمہ رضی اللہ عنہا سے......یہ نگاہ علی رضی اللہ عنہ سے پوچھو یا روح فطرت سے۔

صبح ہوئی تو کوفہ کے اس ریگستان میں علی عابد رضی اللہ عنہ کی صدائے توحید و رسالت گونج اٹھی۔اور بیمار سیّد نے میدان کربلا میں دنیا کو یہ بتا دیا کہ آل مصطفیٰ پر پانی بند کر کے ان کو تڑپایا تو جا سکتا ہے......لیکن خانۂ سادات سے توحید و رسالت کی صدائے حق کو مٹایا نہیں جا سکتا۔اور انتہائی مظلومی و بیکسی کے عالم میں بھی اور اللہ کی راہ میں سب کچھ قربان کر دینے کے باوجود بھی اور جان سوز صدموں سے چور چور ہو جانے کے بعد بھی ایک سیّد کے گھر سے حق و صداقت کی آواز آتی رہے گی۔

عابد بیمار نے کربل میں کیا کیا دیکھا
گھر لٹا۔قید ہوا اور باپ کا لاشہ دیکھا
خود خدا کو بھی تھا جس کی چادر کا لحاظ
آج اس سیّدہ زینبؓ کو بے پردہ دیکھا
علی اصغر کے حلق پر ستم کا لگنا
اور تپتی ہوئی ریت پہ اکبر کو تڑپتا دیکھا
آل اطہار کے جلتے ہوئے خیموں کا دھواں
اور......پھر شام کی قید میں سکینہ کا جنازہ دیکھا

لٹا ہوا قافلہ

بیمار علی عابد رضی اللہ عنہ ابھی فجر کی نماز سے فارغ ہوئے ہی تھے۔ کہ ظالموں نے ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا دیں۔ اور ناموس رسالت کی پردہ نشین بیبیوں کو بھی رسیوں سے الٹے ہاتھوں باندھ لیا گیا...... اور اونٹوں کی ننگی پشتوں پر بٹھا کر عمرو بن سعد نے قافلے کو کوچ کا حکم دے دیا۔ اور اہل بیت کا یہ لٹا ہوا قافلہ اپنے شہیدوں پر فاتحہ پڑھ کر اور اپنے بچوں کے مرثیے پڑھتا ہوا روانہ ہو گیا! دنیا میں بڑی سے بڑی جنگیں ہوئی اور ہوتی رہیں گی۔ قیدی بنتے بھی آئے اور بنتے بھی رہیں گے لیکن کسی بڑے سے بڑے ظالم حکمران اور کسی بڑے سے جابر بادشاہ نے آج تک قیدی عورتوں پر ایسا ظلم و ستم نہیں کیا۔ اور نہ ہی کوئی کرے گا۔ جو میدان کربلا میں یزید کے فوجی افسروں نے کیا۔

بیمار عابد رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں بیڑیاں تھیں۔ اور ہاتھوں میں الٹی ہتھکڑیاں اور پاک بیبیوں کے ہاتھ رسیوں سے پیچھے بندے ہوئے تھے۔ اور اونٹوں کی ننگی پیٹھیں۔ یہ اس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نواسیاں تھیں۔ جو جنگ بدر کے بعد اس لئے ساری رات نہ سویا تھا کہ عباس رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں بیڑیاں ہیں...... یہ اس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد تھی۔ جس نے فتح مکہ کے بعد اپنی جان کے دشمن قیدیوں کو یہ فرما کر رہا کر دیا تھا اَنْتُمُ الطُّلَقَا۔ کہ جاؤ آج تم سب آزاد ہو...... یہ اس پیغمبر کی لاڈلیاں تھیں۔ جس نے حاتم طائی کی بیٹی کے ننگے سر کو اپنی چادر سے ڈھانپا تھا...... ! اور یہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اس علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھی جس کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی تھی کہ

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا۔

اور آج اسی علی رضی اللہ عنہ کی اولاد مسکین بھی تھی۔ یتیم بھی تھی اور اسیر بھی۔ مگر چونکہ ان کے دل پتھر ہو چکے تھے۔ اور ان کی آنکھوں پر غفلت کے سیاہ پردے پڑ چکے تھے۔ اور وہ دشمنِ اہل بیت میں گمراہ ہو چکے تھے۔ اس لئے ان کے پتھر دلوں میں رحم کا ایک ذرہ بھی پیدا نہ ہو سکا...... قافلہ روانہ ہوا..... تو.......

بی بی زینب رضی اللہ عنہا قیدن بن کے جدوں ول شام دے چلی
کمب گیا سی عرش خدادا نالے قبر رسول دی ہلی

آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ خانماں برباد قافلہ جب سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی سالاری میں میدان کربلا سے روانہ ہوا تو اس قیامت خیز گھڑی میں انسان وحیوان تو کیا! اور شجر و حجر تو کیا جنوں کے بھی رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اور وہ ان الفاظ میں نوحہ کر رہے تھے۔ مَسَحَ الرَّسُوْلُ جَبِیْنَہٗ ...... فَلَہٗ بَرِیْقٌ فِی الْخُدُوْدِ ...... کہ اس جبین کو نبی نے چوما اور وہی نور اس کے چہرے پر ہے۔ اَبَوَاہُ مِنْ عَلْیَا قُرَیْشٍ ...... جَدُّہٗ خَیْرَ الْجُدُوْدِ اس کے والدین قریش سے افضل تھے۔ اور اس کا نانا دونوں جہاں سے افضل ہے۔ اِلَا یَا عَیْنُ فَابْتَہِلِیْ بِجُھْدٍ...... وَمَنْ یَّبْکِیْ عَلَی الشُّھَدَاءِ بَعْدِیْ

کہ اے آنکھ تو غمِ حسین رضی اللہ عنہ میں جتنا بھی رو سکتی ہے رو لے میرے بعد ان شہیدوں پر کون روئے گا۔

عترتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ لٹا ہوا قافلہ اس مظلومی بیکسی کے عالم میں بھی بڑے صبر و تحمل کے ساتھ چلتا گیا۔ یہاں تک کہ منزل حران میں جا کر رک گیا۔ حران کا ایک رئیس یہودی اس کا نام یحییٰ تھا اپنے محل کی چھت پر بیٹھا اس قافلے کو انتہائی دردناک طریقے سے آتا دیکھ رہا تھا۔ جب اس نے حضرت شبیر رضی اللہ عنہ کے سرِ اقدس کو دیکھا تو لب مبارک ہل رہے تھے۔ اور آپ یہ پڑھ رہے تھے۔

وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ.

میرے سخی حسین رضی اللہ عنہ دی شان دیکھو ایسا پاپاتے کسے نے پایا ای نئیں
لکھاں ہوئے شہید جہان اندر پر سجدے وچ کسے سیس کٹایا ای نئیں

اپنے رب نوں راضی کرن واتے ہتھاں وچہ کسے بال کھایا ای نئیں
منبراں اُتے تے ہر کوئی قرآن پڑھدا اُچّے کے نیزے تے کسے سنایا ای نئیں
یحییٰ یہودی نے حیران ہو کر شمر سے پوچھا۔ کہ کس کا سر ہے۔ اس نے جواب دیا کہ نواسۂ رسول اور حسین رضی اللہ عنہ ابن علی رضی اللہ عنہ کا سر ہے...... تو اس نے کہا کہ اگر ان کے نانے سچے نبی ﷺ نہ ہوتے۔ تو ان کے نواسے سے یہ کرامت ظاہر نہ ہوتی...... یحییٰ نے سر اقدس کو بوسہ دیا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ اور پھر اسیران کربلا کے لئے کھانا پکا کر لایا! مگر عمرو بن سعد نے واپس کر دیا۔ تو یحییٰ نے تلوار نکال لی۔ اور آٹھ یزیدیوں کو قتل کر کے لڑتا ہوا جاں بحق ہو گیا۔

قافلہ چلتا گیا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کا لال نیزے پر بھی قرآن پڑھتا گیا۔ اور دنیا کو یہ بتا تا گیا کہ قرآن ہمارے گھر نازل ہوا ہے...... اور ہم ہی اس کے وارث و محافظ ہیں...... اور اسی قرآن کی عزت و آبرو کی خاطر میں نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا ہے۔

ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ تو رسیوں میں جکڑی ہوئی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے بارگاہ رب العزت میں عرض کی۔

اے الٰہا العالمین...... آج جس حال میں تیرے حضور ہم پیش ہو رہے ہیں۔ تو دیکھ رہا ہے۔ پانی ہوتا تو وضو کر لیتے...... مٹی ملتی تو تیمم کر لیتے اور آزاد ہوتے تو قبلہ رخ ہو جاتے...... رسیوں میں جکڑے ہوئے ہیں...... نہ رکوع کر سکتے ہیں اور نہ سجود...... مگر پھر بھی جس طرح ہو سکا۔ تیری بارگاہ میں حاضر ہو گئے ہیں...... اے خالق کائنات! ہماری مجبوری کو دیکھ کر ہماری نمازیں قبول کر لے۔

عمرو بن سعد...... قریب آیا...... اور گستاخانہ لہجہ میں کہنے لگا کہ اگر رسیوں کی تکلیف ہے تو مجھے کہا ہوتا۔ میں ڈھیلی کر دیتا! بنت علی رضی اللہ عنہا نے جلال میں آ کر فرمایا...... دور ہو جا میری آنکھوں سے اے کمینے...... پھوٹ جائیں تیری وہ آنکھیں جو مجھے دیکھ رہی ہیں...... اے دنیا کے بدلے اپنے دین و ایمان کا سودا کرنیوالے عمرو بن سعد! اگر میں نے تجھ سے کوئی سوال کرنا ہوتا تو اس وقت کرتی جبکہ تو میرے عون و محمد کو اپنے ظلم کے

تیروں سے چھلنی کر رہا تھا۔ اور اگر میں نے اس وقت بھی کوئی سوال نہیں کیا تو علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی آج بھی کوئی سوال نہیں کرے گی۔

مگر تیرے لئے یہ شرم کا مقام ہے۔ کہ آج تو اس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نواسیوں کو رسیوں سے جکڑ کر لئے جا رہا ہے۔ جس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری کائنات کو کفر کی قید سے رہائی دلائی اور جس رسول نے مجھے اور تیرے آباؤ اجداد کو اسلام کی دولت عطا کی اور جس پیغمبر نے تمہاری کفر و شرک کے طوفانوں میں ڈوبتی ہوئی زندگی کی کشتی کو اپنی رحمت کا سہارا دے کر توحید و رسالت کے ساحل پر پہنچایا۔

اے ظالم انسان ..... ذرا اس بیمار عابد کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر دیکھ۔ کہ کس طرح بخار میں جل رہا ہے۔ اور اس دن سے ڈر، جس دن کا نام یوم الحساب ہے! سیّد مظلوم کی بیٹی سکینہ قریب سے بول اٹھی ..... عمرو بن سعد ..... اگر تجھ سے یہ کہوں کہ رسیاں ڈھیلی کر دے تو مجرم ..... اگر تجھ سے کھانا مانگوں تو گنہگار ..... ہاں ..... البتہ یہ درخواست ضرور کرتی ہوں کہ خدا کے لئے میرے باپ کا سر مجھے دے دے۔ تا کہ میں اپنے باپ کے سر کو جھولی میں لے کر بوسے دیتی خوشی سے وہاں تک پہنچ جاؤں۔ جہاں تک تو ہمیں لے جانا چاہتا ہے۔

جے میں تیتھوں پانی منگاں مینوں مجرم سمجھ کے ماریں
جے میں آکھاں میریاں کھولدے رسیاں مینوں شتر دے اتوں اتاریں
باپ میرے دے سر دے تائیں اج یاد ے جھولی میری
جھدی جھدی میں باپ دے سرنوں جا پہنچاں منزل تیری

عمرو بن سعد نے جواب دیا۔ کہ اے بنت حسین رضی اللہ عنہ جس سر کی تو خواہش کر رہی ہے۔ وہ سر یزید کی بغاوت کی سزا میں پامال ہو چکا ہے۔

شاید وہ خبیث کچھ اور کہتا کہ سیّد عابد کی غیرت نے جوش مارا کہ پاؤں کی بیڑیاں بھی چھنک گئیں ..... اور گرج کر فرمایا۔ کہ یہ جھوٹ ہے کہ میرے باپ کا سر یزید کی بغاوت میں پامال ہو چکا ہے ..... بلکہ یہ سر تو حق و ہدایت کی حمایت میں کٹ کر اور بھی بلند ہو گیا ہے۔

اور اگر یقین نہ آئے تو اوپر دیکھ۔ وہ نیزے پر بھی قرآن کی تلاوت کر کے اپنی

سربلندی کی شہادت دے رہا ہے۔

ناموس رسالت کے اسیران کربلا کا قافلہ منزلیں طے کرتا ہوا موصل پہنچا... بازاروں سے گزر رہا تھا۔ کہ ایک ستر سال کا بوڑھا حضرت زین العابدین کے پاس آیا...... اور کہنے لگا...... اے زین العابدین اپنے پاؤں میں بیڑیاں دیکھ کر گھبرانہ جانا... اور قیدی بن کر پریشان نہ ہونا... کیا ہوا کہ جو آج تو قیدی ہوا ہے۔ حضرت یوسف بھی قید ہوئے تھے... اس بوڑھے کی یہ بات سن کر عابد کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اور فرمایا بابا...... تم نے یہ بات تو ٹھیک کہی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام بھی قید ہوئے تھے...... مگر....

قید یوسف دی تے قید عابد دی اس وچ فرق ہزاراں
یوسف قیدا کلا ہویا میرے نال نے پردے داراں

چالیں سالاں پچھوں یوسف مل پیا باپ تے بھائیاں
پر روز قیامت تے کر پا گیا میرا باپ جدائیاں

رات اندھیری تھی۔ اور کوفے کا ریگستان...... اور وہ نیزہ جس پر امام عرش مقام کا سر اقدس خولی کے ہاتھ میں تھا...... کہ اچانک خولی کے ہاتھ سے نیزہ چھوٹ کر زمین میں گڑھ گیا... خولی نے بہت کوشش کی۔ مگر نیزہ نہ نکل سکا...... وہ حیران تھا...... اور قافلہ رک گیا۔ عمرو بن سعد نے پوچھا کہ قافلہ کیوں رک گیا ہے۔ تو خولی نے ساری بات بتائی... عمرو بن سعد نے شمر سے کہا...... شمر سیّد عابد کے پاس آیا...... اور بیمار عابد کے جسم پر کوڑے برسانے لگا...... جناب عابد نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی...... ابا جان...... اب مجھ میں کوڑے کھانے کی ہمت نہیں رہی۔ خدا کے لئے آگے چلو... تو سر پاک سے آواز آئی۔ بیٹا! میں آگے کس طرح چلوں۔ میری بیٹی سکینہ اونٹ سے گر پڑی ہے۔ دیکھا تو رات کے اندھیروں میں بچی سکینہ زمین پر لیٹی ابا حسین رضی اللہ عنہ! ابا حسین رضی اللہ عنہ! کے نعرے لگا رہی ہے...... سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنی گود میں سکینہ کو اٹھا کر دلاسا دیا...... اور قافلہ پھر روانہ ہو گیا۔

ایک صبح کو آلِ مصطفیٰ کا یہ قافلہ کوفہ کے قریب تھا۔ایک بوڑھی عورت جس کے ایک ہاتھ میں پانی کا ایک پیالہ تھا اور دوسرے ہاتھ میں چند سوکھی ہوئی روٹیاں کھڑی پکار رہی تھی۔اکہ اے قافلے والو خدا کے لئے ذرا قافلہ روکو اس بوڑھی عورت کی فریاد پر قافلہ روک لیا گیا...... اور وہ بوڑھی عورت لکڑی کے سہارے عمرو بن سعد کے پاس گئی اور التجا کی کہ مجھے قافلے کے سالار کے پاس پہنچا دو۔عمرو بن سعد کے حکم سے بوڑھی عورت کو بنت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا دیا گیا...... بوڑھی عورت سیّدہ کو دیکھتے ہی پاؤں میں گر پڑی اور عرض کی...... اے پاک خاتون ...... مفلس ہوں محتاج ہوں اور غریب ہوں۔مگر پھر بھی جو کچھ ہو سکا ہے لے آئی ہوں۔اگر قبول کرلو تو خوش نصیب ہوں۔

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا! اماں جی! تمہاری اس تکلیف کا شکریہ۔کہ تو نے اس جنگل و پردیس میں ہماری مہمان نوازی کی......

اور پھر عورت نے جواب دیا۔کہ میں کسی زمانے میں خاتون جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی کنیز تھی۔ان کے کپڑے دھویا کرتی تھی...... ان کے برتن صاف کیا کرتی تھی۔اور دن رات ان کی خدمت میں رہا کرتی تھی۔

خاتون جنت کی جائی نے پوچھا...... اماں! اس زمانے کی کوئی بات بتا...... بوڑھی عورت نے عرض کی...... اے پاک بی بی! جس زمانے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی کنیز تھی ان دنوں ان گود میں ایک بچی تھی جس کا نام زینب رضی اللہ عنہا تھا......! اس عورت نے اتنا کہہ کر سیّدہ کی طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھا تو دل پھڑک اٹھا...... اور عرض کی کہ اے پاک خاتون! خدا کے لئے مجھے بتاؤ کہ آپ کون ہیں؟ آپ کا نام کیا ہے؟ اور حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟ اس لئے کہ میں آپ کی صورت میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کی جھلک دیکھ رہی ہوں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ بتاؤ کہ آپ کا ان سے کیا تعلق ہے؟

سیّدہ پاک کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔اور فرمایا:۔

اماں جان! فاطمہ رضی اللہ عنہا میری ماں تھی۔اور میں انہیں کی لختِ جگر ہوں اور میرا نام زینب رضی اللہ عنہا ہے۔

اس عورت نے یہ سنا۔تو سیّدہ کو کلاوہ میں بھرلیا اور دھاڑیں مار کر رونے لگی......اور بولی! میں نے تجھے اپنی گود میں کھلایا ہے......میں دعا کیا کرتی تھی۔کہ کبھی اس پاک صورت کو دیکھ لوں......اللہ کا شکر ہے کہ مرنے سے پہلے وہ پاک صورت دیکھ لی ہے۔

اے سیّدہ! میرے سر پر ہاتھ رکھو......اور دعا کرو۔کہ حشر میں بھی دامن زہرا ہاتھ آجائے۔

سیّدہ نے ہاتھ اٹھائے......بارگاہ رب العزت میں اسکے لئے دعا کی کہ یاالٰہ العالمین! اس بوڑھی عورت نے اس جنگل و پردیس میں ہماری مہمان نوازی کی ہے۔تو حشر کے میدان میں اسکی مشکل آسان کردینا۔

اس عورت کی حالت بگڑ گئی......اور دور سے ہی امام پاک کے سر کو سلام کیا۔اور ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی۔

آلِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوفے میں

آلِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہوئے قافلے کی آمد کی اطلاع پہلے ہی کوفہ میں پہنچ چکی تھی۔اور ابن زیاد کا قصر شاہی سجادیا گیا تھا......فتح و کامیابی کی خوشیاں منائی جارہی تھیں۔اور تمام کوفہ بڑی بیتابی سے قافلے کی راہ دیکھ رہا تھا۔

عصر کی نماز کے بعد آلِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قیدی قافلہ ہولناک سفر کی ہر مصیبت کو بڑے ہی صبر و تحمل سے برداشت کرتا ہوا شہر میں داخل ہوا۔

کوفہ کے بے وفا اور دغاباز انسان مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر آلِ مصطفیٰ کے قیدیوں کو دیکھ رہے تھے۔بی بی شہر بانو رضی اللہ عنہا اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنی گردنیں جھکالیں۔کہ کوئی غیر آدمی نہ دیکھ لے۔فضہ کنیز نے یہ سماں دیکھا تو فوراً آگے بڑھی۔اور اپنے سر کے بال کھول کر دونوں پاک بیبیوں کے چہرے پر بکھیر دیئے۔

وہ رات اسیران کربلا نے قلعہ میں گذاری......نہ کوئی شمع تھی اور نہ کوئی چراغ......نہ کوئی دری تھی اور نہ کوئی بچھونا۔

واہ مولا......تیری شان بے نیازی کے قربان! ساری کائنات کو کفر کے اندھیروں سے نکال کر اسلام کی روشنی میں لانیوالے اور اسی کوفہ والوں کو بھی شرک کی تاریکیوں سے نکال کر توحید کے اجالے میں لانے والے آج اسی کوفہ کے قلعہ کی ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں بند ہیں۔اور اپنے تو اپنے رہے دشمنوں کو بھی بچھونے دینے والے آج اپنوں کے ہاتھوں ننگی زمین پر پڑے ہیں۔یہ کوفہ ان کے باپ کا دارالخلافت تھا۔اور ان کا والا اسی کوفے کی جامع مسجد کا امام تھا......اور یہ اپنے باپ کے عقیدت مندوں کے پاس آئے تھے۔اور اپنے والد کے مقتدیوں میں آئے تھے۔اور اپنے نانے پاک کی امت میں آئے

تھے۔ مگر حرص وہوا...... طمع ولالچ اور خواہشات نفسانی کا برا ہو۔ اور ملوکیت و آمریت کی قہر وغضب کی تلوار پر لعنت ہو کہ آج ان کے نانے پاک کے امتی ... ان کے والد کے طرف دار اور ان کے باپ کے مقتدی ابن زیاد کے قہر وغضب سے ذرکر آل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہو گئے تھے۔ رات گذاری اور صبح ہوگئی۔ عبید اللہ ابن زیاد ایک مرصع تخت پر بڑے ہی تکبر وغرور کے ساتھ بیٹھا تھا ... ظالمان کربلا اور قاتلان حسین رضی اللہ عنہ میدان کربلا کے معرکے میں باطل کی حمایت اور حق کی مخالفت میں اہل بیت کے چھوٹے چھوٹے اور تین دن کے بھوکوں اور پیاسوں کے مقابلے میں اپنی اپنی بہادری کے کارنامے سنا سنا کر ابن زیاد سے داد شجاعت اور انعام واکرام پا رہے تھے۔

عبید اللہ ابن زیاد نے حکم دیا کہ قیدیوں کو حاضر کیا جائے۔ چنانچہ آل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیدی ابن زیاد کے سامنے اس طرح پیش ہوئے۔ کہ علی عابد رضی اللہ عنہ کا گلا آہنی زنجیروں کی رگڑوں سے زخمی ہو چکا تھا۔ اور اس سے خون بہہ رہا تھا۔ حضرت مسلم رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کی بچیوں کے ہاتھ پیچھے بندھے ہوئے سن ہو چکے تھے۔ اور بی بی شہر بانو رضی اللہ عنہا اور سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بازوؤں پر رسیوں کے نشان پڑ چکے تھے اور امام پاک کا سر مبارک ابن زیاد کے سامنے پڑا تھا۔ ابن زیاد نے بنت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ تو پوچھا یہ عورت کون ہے؟

عمرو بن سعد نے کہا...... یہ حسین رضی اللہ عنہ کی بہن زینب رضی اللہ عنہا ہے۔

ابن زیاد کی حقیقی بہن بھی جس کا نام فاطمہ تھا اپنے چہرے پر نقاب ڈالے پاس ہی کھڑی تھی۔

بنت علی رضی اللہ عنہ نے ایک کونی سے پوچھا۔ یہ عورت جس کے چہرے پر نقاب ہے کون ہے؟

اس نے کہا۔ یہ فاطمہ ابن زیاد کی بہن ہے۔

عبید اللہ ابن زیاد نے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا سے کہا ... زینب رضی اللہ عنہا تمہارے بھائی حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے خلاف بغاوت کرنے کی سزا پالی ...اور تم نے بھی یزید کی نافرمانی کا انجام دیکھ لیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے حسین رضی اللہ عنہ پر فتح ہوگئی۔

بنت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا...... ابن زیاد...... یہ تیرے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ کہ

تیری یہ بہن فاطمہ جس کا نام محض میری ماں فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نام پر عزت و تقدیس کے لئے رکھا گیا ہے۔ پردے میں ہو اور سچی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی تیرے دربار میں بے حجاب کھڑی ہو......اور تیری ماں بہنیں تو حجاب کے احکام کی تعمیل کریں۔ اور جن پر حجاب کی آیتیں نازل ہوئیں۔ ان کی بہو بیٹیاں آج تیرے سامنے بے نقاب ہوں......ابن زیاد......حیا کر اور نگاہیں نیچی کر لے۔ ورنہ ابھی قیامت ٹوٹ پڑے گی۔

ابن زیاد! میرے بھائی حسین رضی اللہ عنہ نے حق و باطل کا فیصلہ کر دیا ہے۔ اور فتح تیری نہیں......فتح حسین رضی اللہ عنہ کی ہوئی۔ اس لئے کہ میرے بھائی نے نہ صرف یہ کہ تمہارے فسق و فجور اور تمہاری ملوکیت پر فتح پائی ہے۔ بلکہ حسین نے حق و ہدایت کی حمایت میں مسلمانوں کے دل بھی فتح کر لئے ہیں۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے۔ کہ ابھی تک آسمان کے کنارے غم حسین رضی اللہ عنہ میں سرخ ہیں۔ اور ابھی تک ستارے آپس میں ٹکرا رہے ہیں۔ اور ابھی تک کائنات کے ذرے ذرے سے رونے کی آوازیں آ رہی ہیں۔ اور قیامت تک مسلمانوں کی آنکھیں آنسو بہاتی رہیں گی۔ اور دل روتے رہیں گے۔

ابن زیاد......قیامت آنے والی ہے۔ اور حشر برپا ہونے والا ہے۔ اور آج اگر تیری آنکھیں حق و باطل کو نہیں پہچان سکیں تو قیامت کے دن ضرور اس کا فیصلہ ہوگا۔ کہ حق پر کون تھا اور باطل کی طرف کون......اور تیری آنکھیں اس دن ضرور تیری باطل پرستی پر روئیں گی۔ اور تیرا ضمیر ضرور تیرے اس ظلم و ستم پر ملامت کرے گا......اور میرے بھائی حسین رضی اللہ عنہ نے باطل کے آگے سر نہ جھکا کر اور اپنے بچوں کو شمع حق و صداقت پر قربان کر کے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کر لیا ہے۔ ...دین و شریعت کو بچا لیا ہے۔ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی پاک چادر کو داغدار نہیں ہونے دیا......اور تو نے اور تیرے ظالم ساتھیوں نے باطل کی حمایت اور حق کی مخالفت اور دین و شریعت سے بغاوت کر کے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناراض کر لیا ہے ...دین و ایمان برباد کر لیا ہے......عاقبت خراب کر لی ہے اور بنی امیہ کے دامن پر ایسا سیاہ داغ لگا دیا ہے کہ جسے اب قیامت تک نہیں مٹایا جا سکتا

اور اس ظلم و ستم کی سزا میں قیامت تک مسلمان تجھ پر اور تیرے سنگدل ساتھیوں پر لعنت

برساتے رہیں گے۔

ابن زیاد بنت علی رضی اللہ عنہ کی اس حق گوئی سے شرمندہ ہو گیا۔اور اپنی چھڑی سید الشہداء کے لبوں پر مارنے لگا۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ جو صحابی رسول ﷺ تھے دیکھ نہ سکے اور گرج کر بولے......ادب کر اے بے حیا......!

خدا کی قسم میں نے ان لبوں پر نبی ﷺ کو بوسہ دیتے دیکھا ہے۔

ابن زیاد غضبناک ہو کر بولا......اگر تو صحابی رسول ﷺ نہ ہوتا تو تجھے ضرور قتل کر دیتا......حضرت زید رضی اللہ عنہ نے غصے سے فرمایا۔کہ رسول ﷺ کے صحابی کی تو یہ عزت اور رسول ﷺ کے نواسے کی یہ توہین......!شرم کر!

ابن زیاد نے پھر حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ......تو کون ہے؟

آپ نے فرمایا۔میرا نام زین العابدین ہے۔اور میں امام حسین رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہوں......

ابن زیاد......تو کیسے بچ گیا؟

علی عابد رضی اللہ عنہ......موت وحیات اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

ابن زیاد......تیرے باپ نے خلیفہ یزید کے خلاف بغاوت کر کے ذلت خرید لی ہے۔

علی عابد رضی اللہ عنہ......نہیں!میرے باپ نے حق کی حمایت میں سر دے کر عزت حاصل کر لی ہے۔اور اس کا ثبوت یہ ہے۔کہ اس کے سر سے آج بھی قرآن پاک کی تلاوت کی آواز آتی ہے۔

ابن زیاد......تو کیا تو بھی یزید کا باغی ہے؟

علی عابد رضی اللہ عنہ......ہاں میں بھی حق کا حمایتی ہوں۔

ابن زیاد......حق کی حمایت کی سزا تو نے دیکھ لی۔

علی عابد رضی اللہ عنہ......باطل کی حمایت کا انجام تم دیکھ لو گے۔

ابن زیاد......کیا یزید امیر المومنین نہیں ہے؟

علی عابد رضی اللہ عنہ......نہیں۔

ابن زیاد...... کیوں؟

علی عابد رضی اللہ عنہ...... اس لئے کہ وہ فاسق وفاجر اور شریعت کا باغی ہے۔

اس پر ابن زیاد نے چاہا کہ انہیں بھی قتل کردیا جائے۔ مگر بنت علی بے قرار ہو کر بول اٹھیں کہ خبردار...... اگر اس بچے کو قتل کرتا ہے۔ تو اس کے ساتھ میرا بھی خاتمہ کردے...... اور یہ یاد رکھ...... کہ اگر تو نے ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی پردہ نشین عورتوں پر ہاتھ اٹھایا تو ابھی حشر برپا ہوجائے گا...... علی عابد رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے فرمایا کہ...... اے ابن زیاد...... اگر تیرے دل میں ایمان وغیرت کی کوئی رمق بھی باقی ہے۔ تو میرے بعد ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پردہ نشینوں کے ساتھ کسی متقی آدمی کو بھیجنا۔ جو اسلام کے اصولوں پر ان سے برتاؤ کرے۔

اہل سادات کا قافلہ

یزید کے دربار میں!

ابن زیاد کے حکم سے قیدیوں کی رسیاں اور کس دی گئیں۔اور پھر اہل سادات کا یہ مظلوم قافلہ دمشق کی طرف روانہ ہوگیا.....ان کے ہاتھ الٹے بندھے ہوئے تھے.....رسیوں سے بدن جکڑے ہوئے تھے.....اونٹوں کی ننگی پشتوں پر سوار تھے۔نبی کے پال کا سر اقدس نیزے پر لٹکا ہوا تھا۔اور ان کا وارث آج خدا کے سوا کوئی نہ تھا۔

دنیا والو!.....دیکھو.....درد دل کی نظروں سے دیکھو.....اشکبار آنکھوں سے دیکھو اور چشم گریاں سے دیکھو.....کہ شام و عراق کے ریگستانوں میں یہ کس کا قافلہ ہے۔

.....یہ کون ہیں۔جن کے ہاتھ رسیوں سے الٹے بندھے ہوئے ہیں۔

.....یہ کون ہیں جو اونٹوں کی ننگی پشتوں پر سوار ہیں۔

.....یہ کون ہیں جن کے پاؤں میں بیڑیاں ہیں۔

.....یہ کون ہیں جن کے سروں پر کوئی کپڑا نہیں۔

......سنو......

ملک جہان تھیں شرماں کردے تے رب کرے وڈیاں
اج قیدی بن کے شام نوں چلیاں ایہہ علی رضی اللہ عنہ دیاں جایاں

شانہ کائنات پر اپنی رحمت و برکت کی چادر دینے والے آج بے پردہ ہیں۔قیامت کے دن گنہگاروں کی مدد کرنے والے آج خود بے یار و مددگار ہیں۔اور نسل انسانی کے قیدیوں سے اچھا برتاؤ کرنے کی تلقین کرنے والے آج خود ظالمانہ سلوک برداشت کر رہے ہیں.....خدا کی شان بے نیازی! سادات کے مظلوم قیدیوں کا قافلہ بڑے ہی صبر و شکر کے

ساتھ اس مصیبت میں بھی ذکر الٰہی کرتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ راستے میں علی عابد رضی اللہ عنہ کو خیال آیا کہ بہت دن ہو گئے۔ باپ کے سایۂ عاطف سے محروم ہوں۔ ارادہ کیا کہ باپ کے سر کو سلام کروں۔ مگر یہ دیکھ کر کہ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہیں۔ بول اٹھے۔ کہ کناں ہتھاں نال

سلام کراں میں میرے ہتھکڑیاں ہیں زنجیرے

ناراض نہ ہونا قبلہ کعبہ اج عابد آپ اسیرے

آواز آئی ایہ سر دے وچوں! یہ اللہ دی تقدیرے

پر خیال رکھیں اوہدے پردے دا بچڑا تیرے نال میری ہمشیرے

یزید اپنے شہنشاہی دربار میں ایک سنہری تخت پر قیصر و کسریٰ جیسی شان و شوکت کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اردگرد مسلح پہرے دار ہاتھوں میں نیزے لئے کھڑے تھے...... کنیزیں اور غلام چاروں طرف بدن پر ریشمی لباس اور سروں پر سونے کی ٹوپیاں پہنے خدمت گزاری کے لئے حاضر تھے۔ رقص و سرود کی محفل تھی۔ اور رباب و شراب کا دور چل رہا تھا...... کہ عروہ بن قیس دربار میں حاضر ہوا ...... یزید نے پوچھا...... کہو کیا خبر لائے ہو...... ابن قیس نے جواب دیا...... فتح و نصرت کی خوشخبری لایا ہوں اور خاندان سادات کے قیدی اور ابن علی رضی اللہ عنہ کا سر بھی ساتھ ہے...... یزید یہ سن کر بہت خوش ہوا۔

اور پھر وہ محشر خیز وقت بھی آ گیا۔ کہ اہل سادات کے مظلوم قیدیوں کا قافلہ بھی دمشق میں آن پہنچا۔ اور پھر سیدانیاں رسیوں میں جکڑی ہوئیں اور سہمی ہوئیں یزید کے دربار میں کھڑی تھیں۔ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لال کا سر مبارک ایک سونے کے تھال میں یزید کے سامنے تھا۔

یزید نے حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ سے کہا...... تیرے باپ حسین رضی اللہ عنہ کا ارادہ تھا کہ میری حکومت کا تختہ الٹ کر خود حکومت کرے۔ مگر خدا نے اس کو ہلاک کر دیا۔ اگر تیرا باپ بھی میری بیعت کر لیتا۔ تو آج جس طرح میرے نقارے بج رہے ہیں۔ اسکے بھی شادیانے بجتے اور نہ وہ قتل ہوتا نہ اس کے بچے قتل ہوتے۔ اور نہ ہی تم قیدی بنتے ...... پھر ہاشمی شیر کی گرج نے یزید کے قصر شاہی کی دیواریں ہلا دیں۔ اور بولے خاموش ...... ہاں ...... میرے

باپ نے تیری غیر اسلامی حکومت! تیری ملوکیت وآمریت! تیرے فسق وفجور کے خلاف جہاد کر کے تیرے ہی ہاتھوں مری ہوئی خلافت اسلامیہ اور روح جمہوریت کو پھر زندہ کرنے کی کوشش کی۔ اور وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہوگیا اور میرا باپ مرا نہیں ہے بلکہ اللہ کی راہ میں اپنا سر کٹوا کر ہمیشہ کے لئے زندۂ جاوید ہوگیا ہے علی عابد رضی اللہ عنہ نے اتنا کہا۔ تو امام پاک کے سر اقدس نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَلَاتَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُوْنَ

اور علی عابد رضی اللہ عنہ نے پھر جوش سے فرمایا۔ کہ دیکھ.... یہ ہے میری باپ کے زندہ ہونے کا ثبوت......اور میرا باپ تجھ جیسے فاسق وفاجر اور شریعت کے باغی کی بیعت نہ کر کے آئندہ آنے والی مسلمان نسلوں کو یہ سبق دے گیا۔ لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ......ابھی آپ بیان کر ہی رہے تھے کہ دمشق کی جامع مسجد سے ظہر کی نماز کی اذان کی آواز آئی... سیّد پھر جوش میں آ گیا......اور بلند آواز سے فرمایا...

اے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے باغی... یزید! آذان میں میرے نانے پاک کا نام ہے یا تیرے باپ کا؟

یزید خاموش ہوگیا...... اور حسینی شیر نے فرمایا... کہ تیری فتح ونصرت کے نقارے بج کر ختم ہوجائیں گے۔ مگر میرے نانے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اذان قیامت تک ملتی رہے گی۔

اور پھر بولے......کہ

بیمار ہوں، یتیم ہوں، بیکس ہوں، بے وطن
پوتا ہوں میں علیؓ کا تو بیٹا حسینؓ کا
بانو کا نورِ چشم ہوں عابد ہے میرا نام
باغ جہاں میں ایک ہوں پودا حسینؓ کا
بولا یزید تجھ کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا
کاٹوں گا جڑ سے نخل تمنا حسینؓ کا

یوں سیّدوں کی نسل مٹاؤں گا دیکھنا
جائے گی بھول نام بھی دنیا حسینؓ کا
عابدؒ نے ڈانٹ کر کہا خاموش بے ادب
میں زندہ ہوں تو نام ہے زندہ حسینؓ کا

یزید نے علی عابد رضی اللہ عنہ کی طرف سے منہ موڑ کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے پوچھا.....تو کون ہے؟

ثانی زہرا رضی اللہ عنہا نے فرمایا:۔

تائید کیتی جدھے نانے دی روز میثاق دے کل نبیاں
میری ماں تطہیر دی وارث لوکو میرا باپ امام ولیاں
میں اس شاہ حسین رضی اللہ عنہ دی بہن ہاں زینب رضی اللہ عنہا تے میں کل ایمان دی دھی آں
میں سب دے پردے جس والی اج بے پردہ ہوگئی آں

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے بڑی متانت سے جواب دیا۔کہ میں بنت علی رضی اللہ عنہ ہوں۔اور میرا باپ تیرے باپ سے افضل تھا.....میری ماں تیری ماں سے افضل تھی۔اور میرا نانا تیرے نانے سے افضل تھا.....اور میں وہ ہوں کہ جس کے سر سے ایک دفعہ چادر سرک گئی تھی۔تو خدا نے سورج کو چھپا دیا تھا۔مگر آج وہی زینب رضی اللہ عنہا تیرے دربار میں بے حجاب کھڑی ہے.....یزید! تیرے ظلم کی انتہا ہو چکی ہے۔کہ تیری ماں، بہنیں اور بیٹیاں تو پردے میں ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نواسی.....علی رضی اللہ عنہ کی جائی اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کی لختِ جگر تیری لونڈیوں اور تیرے غلاموں کے سامنے رسیوں میں جکڑی ہوئی بے پردہ کھڑی ہوں۔اور تو نے دنیا کی جس عارضی حکومت کے لئے اہلبیت اطہار کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا ہے۔وہ حکومت مٹ جائے گی۔اور میرے بھائی کا خونِ ناحق بہت جلد رنگ لائے گا.....اور یہ تیرا خیال غلط ہے کہ میرے بھائی حسین رضی اللہ عنہ کا نام مٹ جائے گا.....نہیں! بلکہ میرے بھائی کا نام قیامت تک زندہ رہے گا۔اس لئے کہ اس نے قوموں کو زندہ کیا ہے۔مسلمان نسل کو زندہ کیا ہے.....دین وحق کو زندہ کیا ہے۔اور مری ہوئی روح

جمہوریت کو زندہ کیا ہے۔

یزید خاموش رہا۔اور حکم دیا کہ قیدیوں کی رسیاں کھول کر ان کو قید خانے کی اندھیری کوٹھڑی میں بند کر دیا جائے۔

عترت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھی اور شام کا قید خانہ......اہل بیت تھی اور دمشق کی اندھیر کوٹھڑی۔امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیٹی سکینہ اپنے باپ کی جدائی میں رو رو کر تھک چکی تھی......آنسو خشک ہو چکے تھے۔اوراب قید خانے کی کوٹھڑی میں اس کی حالت اور بھی نازک اور قابل رحم تھی۔وہ پھوپھی زینب رضی اللہ عنہا کے پاس جاتی تو چین نہ آتا......وہ ماں شہر بانو کے قریب ہوتی۔تو سکون نہ ملتا

نہ پھوپھی پاس سوتی نہ اماں پاس سوتی تھی
برہنہ سر کھڑی تھی اور دروازے پہ روتی تھی

وہ قید خانے کے دروازے پر کھڑی ہو کر دیکھتی رہتی کہ شاید میرا باپ کہیں سے آ جائے......میرا بھائی اکبر رضی اللہ عنہ کہیں سے نکل آئے ......میرے اصغر کی ننھی صورت کہیں سے ظاہر ہو جائے۔

وہ ایک دن قید خانے کے دروازے پر بیٹھی گریہ وزاری کر رہی تھی۔کہ ایک سوار پاس سے گزرا۔بی بی سکینہ نے آواز دی۔کہ اے جانے والے خدا کے لئے میری ایک بات سن جانا......وہ سوار قریب آیا......عرض کی کیا کہتی ہو بچی......بی بی سکینہ نے پوچھا تو کہاں جا رہا ہے......سوار نے جواب دیا۔کہ مدینے کا مسافر ہوں۔اور کربلا کے راستے مدینے جا رہا ہوں۔مدینے کا نام سنا تو چلا اٹھی۔کربلا کا نام سنا تو تڑپ اٹھی......سوار نے پوچھا......اے بی بی تو کون ہے؟اور تیرا نام کیا ہے؟

فرمایا۔میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیٹی سکینہ ہوں......

تو کربلا کو جا رہا ہے......وہاں میرے باپ حسین رضی اللہ عنہ کی لاش ہے۔اس لاش کو کلاوے میں لے کر میرا سلام عرض کرنا......اور کہنا......یا امام آپ کی مظلوم بیٹی سکینہ شام کے قید خانے کے دروازے پر ننگے سر بیٹھی آپ کی راہ دیکھ رہی ہے......آپ کا انتظار کر رہی

ہے اور سلام عرض کرتی ہے اور اگر......

جو وہ تجھ سے کہیں کہ میں خیمے میں سوتی چھوڑ آیا ہوں

تو کہنا میں در زندہ پہ روتی چھوڑ آیا ہوں

سوار کو پیغام دینے کے بعد بی بی پاک بیہوش ہوگئی......

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اٹھایا......کوٹھڑی میں لے گئیں......بچی سکینہ نے آنکھ کھولی ... بھائی عابد کو دیکھا .... ماں اور پھوپھی کو دیکھا۔ اور پھر ابا حسین رضی اللہ عنہ پکارتی ہوئی رخصت ہوگئی۔

ایک رات آدھی گزر چکی تھی ..... ہر طرف خاموشی ہی خاموشی تھی۔ سب دنیا سو چکی تھی کہ قید خانے کی اس اندھیری کوٹھڑی سے رونے کی دردناک آوازیں آ رہی تھیں......آہ و بکا کے جاں سوز نالوں کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں......

یزید اس دردناک آہ و بکا سے سو نہ سکا......اٹھا..... اور قید خانے گیا......دیکھا تو اندھیری کوٹھڑی میں سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنے بھائی کا سر جھولی میں لے کر یا حسین رضی اللہ عنہ! یا حسین رضی اللہ عنہ کے نعرے لگا رہی ہے۔ کہ عرش الٰہی کا کلیجہ بھی پھٹ رہا ہے۔

یزید نے کہا! اے سیّدہ! خدا کے لئے رونا بند کر دے۔ کہیں تیرے نانے پاک کی امت پر کوئی بلا نازل نہ ہو جائے۔

یزید کے اتنے ظلم و ستم کے بعد بھی اگر کوئی انسان اسلام کے اس باغی دین کے اس دشمن اور حق و صداقت کے اس مخالف کو امام حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں کھڑا کر کے خلافت و امامت کے متعلق سوچتا ہے۔ تو یہ اس کی ضلالت و گمراہی کی دلیل اور اس کے دل کی غلاظت کا ثبوت ہے۔ اسلئے کہ وہ حق و ہدایت کا مرکز......دین و اسلام کا پاسبان...... خلافت اسلامیہ کا محافظ اور شریعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکھوالا اور کہاں یہ فسق و فجور کا پیکر ....الحاد و باطل کا مجسمہ، اور عیاشی و فحاشی کا دلدادہ......

وہ وارث بحر و بر کا ہے! یہ بندہ مال و زر کا ہے

وہ محسن سارے عالم کا! یہ دشمن علی رضی اللہ عنہ کے گھر کا ہے

وہ رہبر ہے! یہ رہزن ہے! وہ صورت ہے! یہ مورت ہے

وہ صادق ہے! یہ فاسق ہے! وہ رحمت ہے! یہ زحمت ہے

اور اہل بیت کا یہ مقدس قافلہ اور آل نبی ﷺ کا یہ نورانی گھرانہ مدینہ منورہ کی پاک گلیوں اور نانے مصطفیٰ کا سبز گنبد چھوڑ کر کوفہ کے ریگستان میں اس لئے آیا تھا...... کہ

وہ آئے تھے خدا کے نور سے ظلمت مٹانے کو

وہ آئے تھے رخ الحاد سے پردہ ہٹانے کو

وہ آئے تھے کہ باطل ہر جگہ ناکام ہو جائے

وہ آئے تھے شریعت کی اطاعت عام ہو جائے

وہ آئے تھے ملے انسان کو انسان کی عظمت

وہ آئے تھے ملے قرآن کو قرآن کی عظمت

مدینہ کو واپسی

صبح ہوئی تو یزید نے حضرت نعمان بن بشیر کو حکم دیا۔ کہ اہل سادات کے قافلے کو حفاظت کے ساتھ مدینے پہنچا دیا جائے۔

چنانچہ ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ لٹا ہوا قافلہ نعمان بن بشیر کی معیت میں تیار ہو گیا۔

قافلہ چلنے ہی والا تھا۔ کہ حضرت زین العابدین نے دیکھا کہ ایک قصائی نے اپنی بھیڑ کو پانی پلا کر ذبح کیا ہے۔ سید پکار اٹھا کہ.... اے یزید! کیا تو نے میرے باپ حسین رضی اللہ عنہ کو اس بھیڑ کے برابر بھی نہ سمجھا کہ پانی پلا کر ذبح کرتا...... یزید خاموش رہا۔

اونٹ پر سوار ہونے سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے پھر کہا...... اے ظالم! دیکھ.... جب میں مدینے سے چلی تھی۔ تو میرے ساتھ اونٹوں کے چالیس کجاوے تھے اور آج میں واپس جا رہی ہوں تو ایک عماری بھی نہیں ہے۔ میں اللہ کی راہ میں اور اپنے نانے کی شریعت پر اپنے بچوں کو قربان کر کے جا رہی ہوں اپنے بھتیجوں کو نثار کر کے جا رہی ہوں اپنے بھانجوں کو فدا کر کے جا رہی ہوں۔ اور اپنے بھائی کا سر اپنی جھولی میں لے کر جا رہی ہوں.... اور تو نے جو کچھ آل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیا وہ ابتدا ہے اس کی جو آئندہ ہونے والا ہے۔ یہ آغاز ہے۔ اس انجام کا جسے تو اور تیرے ظالم ساتھی دیکھیں گے۔ اپنی موت کا انتظار کر۔ اور اس ظلم و ستم کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہو جا۔

قافلہ روانہ ہو گیا۔

دردِ دل رکھنے والو چشم گریاں سے دیکھو کہ

کدی جیہن لاشاں تے روندی اے جاندی

ایہ منزل بمنزل کھلوندی اے جاندی

جنہوں دیکھ جبریل بھی شرم کھاوے
اج اوویلا آیا سروں ننگی جاوے
ایہ چالی کچاوے سی لے کے تے آئی
اے پتر بھتیجے تے شبیر بھائی
اج سر اپنے پتر اندے جھولی چہ پا کے
بے نوں مڑ پئی اے سب کچھ گنا کے

اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی! آپ کے صبرو استقلال پر قربان! اے بنت علی رضی اللہ عنہ! آپ کے حوصلے پر نثار! اے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی لخت جگر! آپ کے عزم پر فدا۔ اے حسین رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ! آپ کی حق پرستی وحق وگوئی پر صدقے! آپ نے اللہ کی راہ میں مدینہ منورہ کی مقدس گلیوں سے لے کر شام کے قید خانے تک جس ثابت قدمی اور صبرو ضبط کے ساتھ اپنے بھائی کا ساتھ دیا۔ وہ آپ کا ہی منصب عالی ہے۔ اور میدان کربلا کے حق و باطل کے اس خونیں معرکے میں آپ نے جو کردار ادا کیا ہے وہ آپ کی ہی شان عظیم ہے۔

بھلا آپ کے سوا کس ماں کی جائی کا اتنا گردہ ہے کہ وہ تین دن کے بھوکے پیاسے اپنے بچوں کو دین پر خوشی سے صدقے کردے۔ کس باپ کی بیٹی کا اتنا حوصلہ ہے۔ کہ وہ حق کی خاطر رسیوں میں جکڑی جائے اور اف تک نہ کرے اور کس بھائی کی بہن کی یہ ہمت ہے کہ وہ سب کچھ لٹ جانے کے بعد قیدن بن کے اونٹ کی ننگی پشت پر گرمی کی شدت میں شام وعراق کے تپتے ہوئے ریگستانوں کا سفر کرے۔ اور ہر وقت اپنے بھائی کا سر نیزے پر لٹکا ہوا اس کے سامنے ہو..... اور شکایت نہ کرے۔

یہاں تو کسی گھر میں ایک چھوٹی سی موت بھی ہو جائے تو چالیس دن تک اس گھر سے صف ماتم نہیں اٹھتی۔ اور مرنے والے کے خویش واقارب۔ ماں باپ اور بہن بھائی آہ و بکا کا ایک طوفان برپا کردیتے ہیں۔ مگر اے سیدہ آپ ہیں کہ آپ نے عون ومحمد کی لاشیں تڑپتی ہوئی دیکھیں اور پھر صبر کیا۔ جوان اکبر رضی اللہ عنہ کی لاش پر گھوڑے دوڑتے دیکھے تو برداشت کیا۔ علی اصغر کے حلق سے خون کے فوارے چلتے دیکھے تو آہ نہیں کی۔ اور پھر بھائی

حسین رضی اللہ عنہ کے گلے پر خنجر چلتا دیکھا تو اف نہیں کیا

نہ آپ کے بھائی کے عزم واستقلال کی کوئی مثال ہے۔ اور نہ آپ کے صبر وحوصلے کی کوئی نظیر ہے۔

کاش! کہ آج کی مسلمان عورتیں بھی آپ کے نقش قدم پر چلیں...... یہ بھی آپ کے دیئے ہوئے سبق کو یاد کریں۔ ان میں بھی غیرت ایمانی پیدا ہو جائے۔ ان میں بھی شرم وحیا آ جائے...... اور یہ بھی حق واسلام کے لئے اپنے بچوں کی قربانی پیش کرنے کی جرأت پیدا کریں...... اور یہ بھی ہر باطل قوت کے مقابلے میں پورے عزم واستقلال سے ڈٹ جائیں۔

اور اے شہر بانو...... اور اے حرم حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ! تیری بھی وفاداری پر نثار! اور اس غمگساری پر فدا کہ تو نے ایران کی شہزادی ہونے کے باوجود نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دشت کربلا میں پورے خلوص سے ساتھ دیا۔ تو نے سونے چاندی کے برتن چھوڑ کر مٹی کے پیالوں میں پانی پی کر شکر کیا۔ تو نے ریشمی بستر ے چھوڑ کر کھجور کی ٹوٹی ہوئی ایک چٹائی پر رات بسر کر کے فخر محسوس کیا۔

تو نے اللہ کی راہ میں...... اکبر رضی اللہ عنہ قربان کیا۔ اصغر فدا کیا۔ اور پھر اپنے سر کے والی کو نیزے پر دیکھا۔ اور تو نے ایک وفادار بیوی ہونے کا جو ثبوت پیش کیا ہے۔ اور پھر ہر مصیبت کو جس خندہ پیشانی سے برداشت کیا ہے۔ وہ بھی موجودہ دور کی مسلمان عورتوں کے لئے ایک مشعل راہ ہے اور تو نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کے انتخاب کو غلط نہیں ہونے دیا! ناموس رسالت کا یہ مقدس مگر مظلوم قافلہ آہستہ آہستہ مدینے کو چلا جا رہا تھا...... نعمان بن بشیر اگرچہ یزید کا ملازم تھا۔ مگر سچے دل سے اہل بیت کا غلام تھا۔ راستے میں عرض کی یا سید! مجھے جو حکم ہوگا اس پر عمل کروں گا جہاں چاہو گے رک جاؤں گا۔ اور جس طرف کہو گے جاؤں گا۔ دشمن نہیں غلام ہوں حضرت زین العابدین نے اس کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ پہلے کربلا پہنچے...... شہیدوں کی ہڈیوں کو جمع کر کے دفن کیا...... فاتحہ پڑھی۔ اور کربلا کی زمین کو بوسے دیئے۔

قافلہ کربلا کے خونیں میدان سے پھر مدینہ پاک کی جانب روانہ ہو گیا۔

......پھر......

نیڑے آیا مدینہ تے علی عابد ادب واسطے شتر تے جھک گیا اے
پھل اک کملائے تے روئے مالی اہدا باغ دا باغ ای سک گیا اے
وضو کرن خاطر تھلے اتر آئے تھوڑی دیر لئی قافلہ رک گیا اے
ایہہ آواز آئی اہل بیت میری تہاڈی مشکلاں دا پینڈا مک گیا اے

......پھر......

سیاں صغرا بیمارنوں جادسیا سیّد زادے تیرے آج ویر آ گئے
پھوپھی زینب رضی اللہ عنہا سکینہ تے شہر بانو نالے جگ دے پیر بشیر آ گئے
صغرا سن کے گل سہیلیاندی پئی دل وچ خوشی مناوندی اے
اٹھی کمبدی کمبدی بسترے توں نالے اللہ دا شکر بجاوندی اے
جھاڑو پھیر کے صاف مکان کردی ویرا کبر رضی اللہ عنہ لئی پلنگ وچھاوندی اے
جھولا اصغر دا جھاڑدی نال پلکاں مسند باپ لئی خوب سجاوندی اے
کر کے سب تیاریاں باہر نکلی ول قافلے دوڑدی جاوندی اے
دوروں آوندا ویرجاں نظر آیا صغرا ہوش حواس گنواندی اے

سیّدۂ زینب رضی اللہ عنہا نے دیکھا تو علی عابد سے فرمایا...... وہ دیکھو بیمار صغرا معلوم ہوتی ہے! علی عابد دوڑ کر گئے...... بہن صغرا کے منہ پر پانی چھڑکا...... بہن ہوش میں آئی بچھڑے ہوئے بہن بھائی گلے ملے...... دونوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی بہن کئی بار بیہوش ہوئی اور بھائی کئی بار تڑپا...... بہن گرتی تو بھائی اٹھاتا بہن لرزتی تو بھائی سنبھالتا...... اس دردناک منظر کو دیکھ کر فرشتے تڑپ اٹھے حوریں چلا پڑیں عرش کانپ گیا...... روح علی رضی اللہ عنہ لرز اٹھی اور ردائے فاطمہ رضی اللہ عنہا سمٹ گئی۔ سیّدۂ زینب رضی اللہ عنہا نے دونوں کو کلاوے میں لیا...... دلاسا دیا اور صبر وشکر کی تلقین کی......

مدینے والوں کو سادات کے لٹے ہوئے قافلے کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی بی بی صغرا صبح ہی سے مدینے کے باہر آ کر بیٹھ گئی تھی...... جب قافلہ مدینے پہنچا۔ تو کہرام مچ

گیا......قیامت برپا ہوگئی۔گردوغبار سے اٹے ہوئے چہرے......پھٹی ہوئی چادریں...... بکھرے ہوئے بال اور ننگے سر!اصغرادوڑ کرشہر بانو سے لپٹ گئی......اور پوچھا۔اماں جی میرے بھائی کہاں ہیں......اکبر رضی اللہ عنہ کو کہاں چھوڑ آئی ہو......میرا ویر اصغر کدھر ہے۔پھوپھی زینب رضی اللہ عنہا کے دامن کو تھام لیا......پوچھا پھوپھی جان!میری بہن سکینہ نہیں آئی۔فرمایا بیٹی!جہاں اکبر رضی اللہ عنہ اور قاسم رضی اللہ عنہ وعباس رضی اللہ عنہ کو صبر کیا ہے۔وہاں بہن سکینہ کا بھی صبر کرو......سکینہ شام کے قید خانے کی اندھیری کوٹھڑی میں شہادت پا گئی ہے۔اور پھر وہ وقت حشر سے کم نہیں تھا۔جبکہ آل مصطفیٰ کا یہ لٹا ہوا قافلہ اپنے نانے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے پاک پر حاضر ہوا۔سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا دیواروں سے لپٹ گئی۔علی عابدؓ نے جالی کو چوما......شہر بانو فرش پر لیٹ رہی تھی......مدینے کے درودیوار رو رہے تھے۔فرشتے چلا رہے تھے......
تربت پاک تھرا رہی تھی۔اور خود روح فطرت تڑپ رہی تھی۔

عشق اور حسین رضی اللہ عنہ

کربلا کے خونیں میدان اور کوفہ کے تپتے ہوئے ریگستان میں آلِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ گزری اس کے تصور سے بھی ایک دردمند انسان تڑپ اٹھتا ہے۔حوضِ کوثر کے مالکوں اور چادرِ تطہیر کے وارثوں کو تین دن تک پیاسا تڑپا کر پھر جس ظلم وستم کی تلوار سے انہیں ذبح کرا گیا......اکبر رضی اللہ عنہ کی لاش پہ گھوڑے دوڑائے گئے۔عباس رضی اللہ عنہ کے بازو قلم کئے گئے۔قاسم رضی اللہ عنہ کی جوانی لوٹی گئی۔عون محمد کو خاک وخون میں تڑپایا گیا۔معصوم اصغر کے حلق پہ تیر چلایا گیا۔اور پھر پاک بیبیوں کے خیمے جلا کر اور علی عابد رضی اللہ عنہ بیمار کے پاؤں میں بیڑیاں پہنا کر انہیں قیدی بنایا گیا۔کیا یہ کوئی اتفاقی حادثہ تھا یا حالات کی پیداوار تھی؟......نہیں......یہ جو کچھ بھی ہوا۔منشائے الٰہی کے عین مطابق ہوا۔اور ارادۂ فطرت کے پیشِ نظر ہوا۔اس لئے کہ ان کی شہادت عطیۂ خداوندی ہے اور یہ سب کچھ روزِ ازل ہی سے لکھا جا چکا تھا......

لوگوں کی عقل حیران ہے۔کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ اس لئے لوگ اس واقعہ کربلا کو اپنی عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔اور اس سانحہ عظیم کو ہوش وخرد کے ترازو میں تول کر حسین رضی اللہ عنہ ویزید کا موازنہ کرنے میں سرگرداں ہیں۔حالانکہ حق وباطل کے اس معرکہ نیکی وبدی کے اس تصادم اور انسانیت وبربریت کے اس مقابلہ میں نہ ہی عقل کو کوئی دخل تھا اور نہ ہی خرد کا کوئی حصہ۔اول سے لے کر آخر تک......ابتداء سے لے کر انتہا تک۔آغاز سے لے کر انجام تک......مدینہ سے لے کر کربلا تک اور پھر حضرت حر کی قربانی سے لے کر امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت تک عشق کارفرما تھا......

لوکاں روکیا عقل نے ہتھ بدھے اے پر عشق نے پیش نہ جان دتی
جتھے جتھے شہیداں دا خون ڈلیا ذرے ذرے نے! اوتھے اذان دتی

ہر قدم پر عشق کی جلوہ گری تھی...... ہر منزل پر عشق کا سودا تھا...... ہر لحظہ عشق کا ظہور تھا...... ہر گھڑی عشق کی جلوہ نمائی تھی۔ اور ہر سانس میں عشق کی ہوا تھی......

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بیچارہ نہ زاہد ہے نہ ملا نہ حکیم

اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ کہ ہمارے اسلاف۔ بزرگان دین۔ علمائے حق۔ محدثین و مفسرین۔ اولیائے عظام اور صوفیاء کرام اس بات پر متفق ہیں۔ کہ کائنات کے ذرہ ذرہ میں عشق کا ظہور ہے اور اگر کسی وقت بھی اس کارخانہ ہست و بود سے عشق علیحدہ ہو جائے۔ تو یہ کائنات باقی نہیں رہ سکتی......

عشق کے مضراب سے نغمۂ تار حیات
عشق سے نور حیات عشق سے نار حیات

اور پھر اس نظریے کے ثبوت میں ہر ایک نے اپنی اپنی دسترس اور اپنے اپنے علم و ادراک کے مطابق بہت کچھ لکھا اور کہا ہے...... عارف رومیؒ

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علت ہائے ما

اے عشق تو خوش رہے۔ خدا تیری زندگی دراز کرے اور تو ہمیشہ اپنی کارفرمائی پر قائم رہے۔ اس لئے کہ ہماری تمام بیماریوں کا تو ہی علاج ہے۔ چاہے وہ بیماری مذہبی ہو یا سیاسی۔ اقتصادی ہو یا معاشی۔ شرعی ہو یا اخلاقی اندرونی ہو یا بیرونی اور جسمانی ہو یا روحانی...... لوگ غلط کہتے ہیں کہ عشق ایک خطرناک بیماری ہے۔ نہیں بلکہ ہر بیماری کا علاج ہے۔

جسم خاک از عشق بر افلاک شد
کوہ در رقص آمد و چالاک شد

معراج مصطفیٰ ﷺ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا رومؒ کہتے ہیں کہ ظاہری طور پر پیدا کیا گیا۔ نبی کریم ﷺ کا خاکی جسم پاک عشق کی بدولت ہی آسمانوں پر پہنچا اور آپ کے جسم اطہر کو عشق ہی لے گیا تھا اور عشق ہی کی جلوہ نمائی سے پہاڑ رقص کرتے

ہیں۔اور کائنات کی ہر شئے عشق ہی کے اثر سے ناچتی ہے.....

درویش لاہوری اقبال مرحوم کہتا ہے:

مومن از عشق است وعشق ازمومن است
عشق را ناممکن ما ممکن است

کہ مردمومن عشق سے زندہ ہے اور عشق مردمومن سے آشکارا ہے اور عشق غیر فانی ہے اور ہم فانی ہیں۔

یا عشق کے لیے ہر ناممکن بھی ممکن ہے اور اس کے لئے نہ ہونے والی چیز بھی ہوتی ہے

عشق بانان جویں خیبر کشاد
عشق در اندام مہ چاک نہاد

کہ جوکی روٹی کھا کر خیبر کے قلعہ کو توڑنے والا بھی عشق تھا اور انگلی کے اشارہ سے چاند کو ٹکڑے کرنے والا بھی عشق تھا

عشق سلطان است وبرہان مبیں ہردوعالم عشق رازیر نگیں

ساری کائنات پر عشق کی سلطانی وحکومت ہے اور دونوں جہاں اسی کے مطیع وفرمانبردار ہیں

عشق را از تیغ وخنجر باک نیست
جسم او از آب و بادوخاک نیست

کہ عشق شمشیر وسناں اور تیغ وخنجر سے نہیں ڈرتا۔اس لئے کہ اس کا جسم اور وجود پانی......ہوا اور مٹی سے مرکب نہیں ہے۔اربعہ عناصر یعنی مٹی،ہوا،پانی اور آگ سے انسان کا جسم بنایا گیا......ان اربعہ عناصر سے جو بھی جسم تیار ہوگا اسے ہر زخم کا درد ہوگا۔تلوار چلے گی تو تکلیف ہوگی۔تیغ وسناں کے وار ہوں گے تو دکھ ہوگا اور تیر وتفنگ برسیں گے تو خون نکلے گا۔جسم کے ٹکڑے ہوں گے۔بدن لہولہان ہوگا اور انسان تڑپے گا......لیکن عشق جب پانی،مٹی اور ہوا سے مرکب ہی نہیں ہے تو پھر شمشیر وسناں کس پر چلے گی۔تیغ وخنجر کا وار کہاں ہوگا۔اور تیر وتفنگ کس کے بدن پر برسیں گے۔کیوں کہ......

عشق زاوصاف خدائے بے نیاز
عاشقی برغیر اوباشد مجاز

کہ جب عشق ایک صفت خداوندی ہے تو وہ تو نظر نہیں آتا۔ اور جب وہ جسم و بدن سے پاک ہے۔ اعضا سے منزہ ہے اور عوارض جسمانی سے مبرا ہے تو پھر کوئی تیرانداز اپنا نشانہ کس کو بنائے گا۔ شمشیر کا دھنی کس پر شمشیر چلائے گا۔ اور تیغ و خنجر کا ماہر کس پر وار کرے گا! نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اَلشَّھِیْدُ لَایَجِدُ اَلَمَ الْقَتْلِ۔ کہ میدان جہاد میں شہید ہونے والے مسلمان کو کافر کی تلوار کے زخم کا درد صرف اتنا ہوتا ہے جتنا کہ چیونٹی کا.....

کیوں؟..... اس لئے کہ اس وقت مسلمان شوق شہادت میں بیخود ہوتا ہے۔ اور اس کے سینہ میں عشق مصطفیٰ ہوتا ہے اور اس کے دل میں عشق مصطفیٰ کا دریا موجزن ہوتا ہے۔ اور اس کی نگاہوں میں حسن یار کے جلوے ہوتے ہیں۔

یہ تو ایک اس انسان کی کیفیت ہے۔ جس کا جسم بھی ہے۔ اور بدن بھی۔ جس کے ہاتھ بھی ہیں اور پاؤں بھی اور جو پانی، مٹی، آگ، اور ہوا سے مرکب ہے اور نظر بھی آتا ہے۔ مگر جو نہ نظر آئے۔ نہ اس کا جسم ہو نہ بدن اور جو آگ، مٹی، ہوا اور پانی سے مرکب بھی نہ ہو تو پھر اسے تیغ و خنجر کا خوف کیا ہوگا۔

سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں:۔

ایمان سلامت ہر کوئی منگدا عشق سلامت کوئی ہو
جس منزل عشق پہنچاوے ایمان نوں خبر نہ کوئی ہو
میرا عشق سلامت رکھیں باہو میں ایمان دیاں دھروئی ہو

اور.....

غوث قطب سب ارے اریے عاشق جان اگیرے ہو
جس منزل تے عاشق پہنچے اوتھے غوث نہ پاندے پھیرے ہو
عاشق وچہ وصال دے رہندے جہاں لامکانی ڈیرے ہو

عارف کھڑی میاں محمدؒ کہتے ہیں:۔

جنہاں دلاں وچہ عشق نہیں رچیا کتے اس تھیں چنگے
مالک دے در راکھی کردے صابر بھکھے ننگے

مولوی غلام رسولؒ لکھتے ہیں:۔

عشق بنا اخلاص نہ آیا نہ رنگیا رنگ شہودی

رفیق شاعر کہتا ہے:

عشق دی ریت سارے جہاں تو جدا نہ ایہ راہ دیکھدے نہ کراہ دیکھدے
جتھے چاہوے جھکا دیندا عاشق دا سر نہ ایہ کعبہ تے نہ کربلا دیکھدے

درویش لاہوری اقبال مرحوم فیصلہ کرتے ہیں... کہ

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دیدارِ الٰہی کی تمنا پوری نہ ہو سکی۔ اس لئے کہ وہ رَبِّ اَرِنِــــی کہہ کر التجائیں کرتے رہے اور آواز آ گئی لَنْ تَرَانِیْ۔ تو مجھے نہ دیکھ سکے گا۔ مگر خلیل اللہ نمرود کے دہکتے ہوئے آگ کے شعلوں میں بغیر کسی تامل کے کود پڑے اور آتش نمرود کو حکم ربانی آتا ہے یَانَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰی اِبْرَاھِیْم

اور......

غریب وسادہ و رنگیں ہے داستان حرم
انتہا ہے اس کی حسینؓ ابتدا ہے اسماعیل

ابتدا میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی اور انتہا میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت......قربانی منیٰ میں ہوئی۔ اور شہادت کربلا میں... خواب مکہ میں دیکھی گئی۔ تعبیر کوفہ میں......آیت منیٰ میں اتری اور تفسیر خاک کربلا میں......

عشق دم جبریل۔ عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ عشق خدا کا کلام

غرضیکہ جدھر دیکھو اور جہاں دیکھو عشق ہی عشق ہے۔ وہی کارفرما ہے۔ اسی کو جلوہ نمائی ہے اور اسی کا ظہور ہے اور وہ کبھی کسی رنگ میں دکھائی دیتا ہے اور کبھی کسی ڈھنگ میں...... کبھی کسی لباس میں آتا ہے اور کبھی کسی صورت میں......

کبھی جبرئیل بن کر فرش پر آتا ہے اور کبھی مصطفیٰ ﷺ بن کر عرش پر جاتا ہے...... کبھی خدا کا رسول بن کر فاران کی چوٹی پر سے نمودار ہوتا ہے اور کبھی اللہ کا کلام بن کر قرآن پاک کی صورت میں غارِ حرا میں نازل ہوتا ہے۔ کبھی شیخ منصور میں آ کر پھانسی کے تختہ پر انا الحق بولتا ہے اور کبھی بایزید بسطامی میں سما کر سبحانی ما اعظم شانی کی صدا دیتا ہے...... کبھی بلال حبشی رضی اللہ عنہ میں جلوہ گر ہو کر تپتی ہوئی ریت پر لیٹ کر اللہ احد کے نعرے لگاتا ہے اور کبھی ابوبکر رضی اللہ عنہ میں نمودار ہو کر غار ثور میں سیاہ و زہریلے سانپ کے ڈنگ پہ ڈنگ کھاتا ہے۔ کبھی اسماعیل علیہ السلام میں سما کر اللہ کی راہ میں قربان ہونے کے لئے لیٹ جاتا ہے۔ اور کبھی حسین رضی اللہ عنہ میں کارفرما ہو کر نیزہ پر قرآن کی تلاوت کرتا ہے۔

کیونکہ......

معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق
صدق خلیل بھی ہے عشق اور صبر حسینؓ بھی ہے عشق

آپ پوچھیں گے کہ عشق کی ابتدا کہاں سے ہوئی؟

میں کہوں گا...... ازل سے......

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے والد مرحوم شاہ عبدالرحیم اپنی کتاب ''انفاس رحیمیہ'' میں لکھتے ہیں۔ کہ جب خداوند تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک ﷺ کو پیدا فرمایا۔ تو ساتھ یہ بھی فرمادیا اَنْتَ عِشْقِیْ وَاَنَا عِشْقُكَ ۔ کہ اے محبوب پاک علیہ السلام میرا عشق ہے اور میں تیرا عشق ہوں۔

غرضیکہ اس وجود کائنات کی اصل کیا ہے۔ عشق اور اس کا ماحاصل کون ہے حسین رضی اللہ عنہ...... مطلب یہ کہ عشق ازل سے چلا اور کربلا میں آیا......

پھر جب کسی مردِ مومن کے حصہ میں یہ آ جائے اور خدا تعالیٰ یہ دولت جسے بھی عطا

کر دیتا ہے تو پھر وہ آزماتا ہے۔اور اپنے بندوں کا امتحان لیتا ہے۔ پرکھتا ہے اور دیکھتا ہے...... مگر اس کے دیکھنے کے انداز علیحدہ علیحدہ ہیں۔ کسی کو کسی رنگ میں دیکھتا ہے اور کبھی کسی رنگ میں...... کبھی حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں گرا کر دیکھتا ہے۔اور کبھی مصر کے بازار میں بکا کر دیکھتا ہے...... کبھی جیل میں بند کرا کر دیکھتا ہے۔اور کبھی اسے مصر کے تخت پر بٹھا کر دیکھتا ہے......

کبھی اپنے محبوب کو پتھر مروا کے دیکھتا ہے اور کبھی غار ثور میں چھپا کر دیکھتا ہے...... کبھی میدان احد میں دانت تڑوا کر دیکھتا ہے اور کبھی اسے عرش پر بلا کے دیکھتا ہے......

اور کبھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گود میں دودھ پلا کر دیکھتا ہے۔اور کبھی علی رضی اللہ عنہ کی انگلی میں انگلی پکڑا کر دیکھتا ہے...... کبھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پر بٹھا کر دیکھتا ہے۔اور کبھی اسے نیزے پر چڑھا کر دیکھتا ہے......

عشق تیر وجے جتھے کاری رہے نہ زخم لوکایا
تدبیراں دے پردے اندر ایہ دکھ کدے نہ آیا

عشق آہیں وچہ لکھاں آتش بھکھ بھکھ لاٹاں مارے
عشق لوکایا لکدا ناہیں آخر جوش کھلا رے

(مولوی غلام رسولؒ)

(انفاس رحیمیہ فارسی صفحہ ۱۳ اردو صفحہ ۲۵)

مختار ثقفی

......اور......

قاتلان حسین رضی اللہ عنہ کا انجام

یہ ٹھیک ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ یزید پر ظاہری فتح حاصل نہ کر سکے......عمرو بن سعد کی فوجوں کو شکست نہ دے سکے۔اور شمر کے دست جفا کو نہ روک سکے۔لیکن حقیقت شناس نگاہیں دیکھتی ہیں۔کہ اصل فتح کس کو حاصل ہوئی۔اور حقیقی کامیابی سے کون ہمکنار ہوا۔

یزید نے تلواروں کی چمک سے انسانی جسموں پر حکومت کی۔مگر علی رضی اللہ عنہ کا شیر تسلیم ورضا کی روحانی قوت سے انسانوں کے دلوں پر آج تک حکومت کر رہا ہے۔

اور یہ بھی ٹھیک ہے۔کہ اس کے سامنے اس کے جوان بیٹے کی لاش پر گھوڑے دوڑے۔اور اس کے معصوم لخت جگر نے اس کی جھولی میں دم توڑا۔اور پھر اس کا اپنا سر بھی نیزے پر چڑھ گیا۔اور دنیا والوں نے آل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نونہالوں کو میدان کربلا میں خاک وخون میں تڑپتے دیکھا۔مگر دنیا والوں کو ابھی یہ دیکھنا باقی تھا۔کہ خدائی طاقت کی خاموش تلوار جب ظالم انسانوں کے سروں پر چمکتی ہے۔تو پھر ان کا نام ونشان تک مٹا دیتی ہے۔چنانچہ مختار ثقفی! جو کسی سلطنت کا بادشاہ نہیں تھا۔کسی مملکت کا حکمران نہیں تھا۔اور اس کے پاس کوئی طاقت وفوج نہیں تھی۔نہایت ہی بے سروسامانی کے عالم میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی حمایت میں اٹھتا ہے اور پھر قدرت اس کا ساتھ دے کر اس ایک معمولی سے انسان کو کوفہ کا حاکم بنا دیتی ہے۔

مختار ثقفی نے کوفے کا حاکم بننے کے بعد جو پہلا حکم جاری کیا وہ یہ تھا کہ......جس کے

گھر سے بھی قاتلان حسین رضی اللہ عنہ کی نشاندہی ہوئی۔ اور جس نے بھی ان ظالموں کو پناہ دی۔ اس کے مکان کی بنیادیں تک اکھیڑ دی جائیں گی۔ اور پناہ دینے والے کے بال بچوں کو بھی تہہ تیغ کر دیا جائے گا۔ خدا کی شان بے نیازی کا تماشہ تو دیکھو۔ کہ آج سے کچھ زمانہ پہلے جس کوفہ میں ابن زیاد نے یہ اعلان کروایا تھا کہ جس گھر سے حضرت مسلم رضی اللہ عنہ اور اس کے بچوں کی اطلاع ملی اس گھر کو مسمار کر دیا جائے گا۔ اور آج اسی کوفہ میں مختار ثقفی کا یہ اعلان ہوتا ہے کہ جس نے بھی قاتلان حسین رضی اللہ عنہ کو پناہ دی اس کی گردن اڑا دی جائیگی۔

وہ کوفہ والے جنہوں نے امام پاک سے دھوکا کیا..... دغابازی و بیوفائی کی..... نہیں! بے ایمانی کی..... آج مختار کے اس خوفناک اعلان سے کانپ گئے..... اور میدان کربلا میں ظلم وستم کرنے والے پہاڑوں میں اور جنگلوں میں چھپنے لگے۔ مگر شاید وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ قہر الٰہی جب کروٹ لیتا ہے۔ تو پھر قوم لوط کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیتا ہے۔ اور بستیوں کی بستیاں اجاڑ دیتا ہے۔

مختار کی فوج نے ہر طرف تلاش شروع کر دی۔ اور پھر کسی کو کسی تہہ خانے سے..... کسی کو کسی کھوہ سے اور کسی کو جنگل سے پکڑ کر شام سے پہلے پہلے تمام قاتلان حسین رضی اللہ عنہ کو مختار ثقفی کے سامنے حاضر کر دیا۔

عمرو بن سعد کی موت

عمرو بن سعد کو دیکھ کر مختار کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اور گرج کر بولا...... کہ اے دنیا کے کتے! بتا کہ تجھے کونسی سزا دوں۔ جس سے میری اور مسلمانوں کے دلوں کی وہ آگ ٹھنڈی ہو جائے۔ جو تیرے ناپاک ہاتھوں نے کربلا کے میدان میں لگائی۔

عمرو بن سعد نے ہاتھ جوڑ کر التجا کی۔ کہ میں بے قصور ہوں۔ اور میں یزید اور ابن زیاد کے حکم کے آگے مجبور تھا۔ مجھ پر رحم کرو۔

مختار عمرو بن سعد کی اس گفتگو سے اور بھی بھڑک اٹھا۔ اور کہا کہ میرا آقا حسین رضی اللہ عنہ کتنا بڑا بہادر تھا۔ کہ جس نے اپنی آنکھوں سے تمہارے ظلم کو دیکھا۔ پھر بھی اس نے تمہارے آگے رحم کی درخواست نہیں کی۔

اور پھر حکم دیا۔ کہ اس کا بیٹا حفص سامنے لایا جائے اور عمرو بن سعد کے سامنے اس کے بیٹے کی گردن تن سے جدا کر دی جائے۔ تا کہ اس ظالم عمرو بن سعد کو معلوم ہو جائے۔ کہ اکبر رضی اللہ عنہ کی لاش کو تڑپتا دیکھ کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے دل پر کیا گذری ہوگی...... حکم کی تعمیل کی گئی۔ اور عمرو بن سعد کے بیٹے حفص کی لاش اس کی آنکھوں کے سامنے تڑپنے لگی عمرو بن سعد رحم رحم کی دہائی دے رہا تھا۔ کہ جلاد نے تلوار سے اس کا سر بھی اڑا دیا۔

شمر لعین کا انجام

عمرو بن سعد کو اس ظلم وستم کی سزا دینے کے بعد مختار نے شمر سے کہا کیا تو ہی وہ بدبخت انسان ہے۔ جس نے نواسۂ رسول ﷺ کی مبارک چھاتی پر چڑھ کر گلے پر خنجر چلایا تھا...... اٹھ اور پہلے میرے آگے وہ پلید ہاتھ کر جس سے تو نے خنجر اٹھایا۔ شمر رونے لگا اور کہنے لگا کہ مجھے عمرو بن سعد نے مجبور کیا تھا...... مختار نے ڈانٹ کر کہا...... تجھے شرم نہیں آتی...... فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لال نے مسکرا کر جان دی۔ اور تو چلا رہا ہے...... آگے کر وہ ہاتھ...... شمر نے پھر درخواست کی۔ کہ میں اس وقت بہت پیاسا ہوں۔ دو گھونٹ پانی پلا دو......

مختار نے پھر کہا...... اے ذلیل کتے! کیا تو نے جگر گوشۂ بتول رضی اللہ عنہا کو خنجر چلانے سے پہلے پانی پلایا تھا۔ جو آج مجھ سے پانی مانگ رہا ہے۔

شمر نے ہاتھ آگے کیا...... مختار نے تلوار ماری۔ اور شمر کے دونوں ہاتھ زمین پر تھے۔ اور پھر مختار نے شمر کے گلے پر خود خنجر چلا کر اس کو ختم کیا

حرملہ کا انجام

شمر کو اس کے کیئے کی سزا دینے کے بعد مختار نے حرملہ سے کہا کہ کیا تو ہی وہ شقی القلب انسان ہے۔جس نے امام پاک کی جھولی میں اصغر کے حلق میں تیر مارا تھا......اٹھ!اور میرے سامنے کھڑا ہو جا۔اور پھر مختار نے فوجیوں کو حکم دیا۔کہ اس پر تیروں کی بارش کی جائے۔اور آخری تیر اس کے حلق سے آر پار ہو۔

خولی کی سزا

حرملہ کی لاش ابھی زمین پر تڑپ ہی رہی تھی۔کہ خولی لایا گیا۔خولی کو دیکھ کر مختار کا خون کھول گیا۔آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں اور گرج کر بولا۔یہ ہے وہ سنگدل اور دشمن خدا جس نے امام پاک کے سینے پاک میں برچھا مارا۔اور پھر نواسۂ رسول ﷺ کا سر اقدس نیزے پر چڑھا کر ابن زیاد کے پاس اسی کوفہ میں لایا تھا......اگرچہ اسے جتنی سزا دوں۔میرا کلیجہ ٹھنڈا نہیں ہوگا۔مگر اس کی سزا یہ ہے۔کہ پہلے اس کے دونوں ہاتھ کاٹے جائیں۔اور پھر دونوں پاؤں!اور پھر اس کے سینے میں برچھا مار کر اس کو واصل جہنم کیا جائے۔اور پھر اس کا سر کاٹ کر اور نیزے پر چڑھا کر میرے سامنے لایا جائے۔جلادوں نے ایسا ہی کیا۔

عبید اللہ ابن زیاد کا قتل

ابن زیاد یہ خونیں کھیل کھیل کر اور چمنستان فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ہری بھری شاخوں کو کاٹ کر اور اس کے مہکتے ہوئے پھولوں کو توڑ کر اور پھر یزید سے موصل کی حکومت اس ظلم وستم کے انعام میں حاصل کر کے ہر طرح سے بے خوف ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

مگر اس ظالم کو یہ معلوم نہ تھا۔ کہ خدا کی لاٹھی بے آواز، اور اس کا قہر خاموش ہے...... اور اسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ مختار قہر الٰہی کی صورت میں نمودار ہو چکا ہے۔ اور اس کے اشاروں پر ناچنے والے عمرو بن سعد اور خولی اپنے ظلم کی سزا پا چکے ہیں۔

مختار ثقفی نے ابراہیم بن مالک اشتر کو حکم دیا۔ کہ ایک بھاری فوج کے ساتھ ابن زیاد پر حملہ کر دیا جائے۔ اور اس کو زندہ یا مردہ میرے سامنے پیش کیا جائے۔

چنانچہ ابراہیم بن مالک اشتر نے ابن زیاد پر حملہ کر دیا اور اگرچہ ان کے پاس سامان حرب بھی کم تھا۔ اور فوج بھی تھوڑی تھی۔ مگر یہ چونکہ قدرت ان کے ساتھ تھی اور منشائے قدرت یہی تھا۔ کہ قاتلان حسین رضی اللہ عنہ کو ان کے ظلم وستم کی پوری پوری سزا ملے۔ اس لئے ابن زیاد کافی فوج اور ساز وسامان کے باوجود بھی مقابلہ نہ کر سکا۔ اور صلح کے متواتر کئی پیغام بھیجے۔ مگر اس کی کوئی چال بھی کامیاب نہ ہو سکی۔ تو خود میدان میں آیا۔ اور ابراہیم کے ہاتھوں قتل ہو گیا...... اور پھر اس کا سر بھی نیزے پر چڑھا کر کوفہ میں مختار ثقفی کے سامنے لایا گیا۔ یزید کے ان فوجی افسروں کو ختم کرنے کے بعد مختار نے حکم دیا۔ کہ اب ہر وہ شخص جو کربلا میں عمرو بن سعد کے ساتھ تھا۔ اس کو بھی قتل کر دیا جائے۔ اور نہر فرات پر قبضہ کرنے والوں، لاشوں پر گھوڑے دوڑانے والوں اور تیر چلانے والوں کا بھی خاتمہ کر دیا جائے۔

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا......

اور جب مختار تمام دشمنان اہل بیت اور قاتلان حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو واصل جہنم کر چکا تو فرمایا۔ کہ ان کی ان سزاؤں سے میری آگ نہیں بجھی۔ یہ تو میں نے صرف اپنا فرض ادا کیا ہے اصل سزا تو ان کو حشر کے دن ملے گی۔

یزید کی موت

اہل بیت اطہار پر ظلم و ستم کرنے کے بعد عترت پیغمبر ﷺ کو اپنے قہر و غضب کے تیروں کا نشانہ بنانے کے بعد اور میدان کربلا میں آل مصطفیٰ ﷺ کو بھوکا پیاسا شہید کرنے کے بعد آخر یزید پر بھی وہ وقت آ ہی گیا۔ جس سے نہ کوئی بادشاہ بچ سکا ہے۔ اور نہ کوئی فقیر...... نہ کوئی ولی اور نہ ہی کوئی پیغمبر...... یعنی موت کا وقت...... یزید کو معمولی سی درد قولنج ہوئی۔ مگر چونکہ یہ درد ظلم کی سزا کے عوض تھی۔ اس لئے عذاب بن گئی۔ تین دن اور تین راتیں بستر مرگ پر تڑپتا رہا۔ پانی کا قطرہ منہ میں ڈالا جاتا۔ تو وہ بھی تیر بن کر حلق میں اترتا۔ روٹی کا ٹکڑا کھاتا تو تلوار بن کر پیٹ میں جاتا۔

آخر تین دن اس عذاب میں مبتلا رہنے کے بعد بھوکا پیاسا ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اور سر پٹک پٹک کر مر گیا۔ مرنے سے پہلے یزید نے اپنے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر امور سلطنت کے متعلق کچھ وصیتیں کرنی چاہیں۔ مگر ابھی اس نے شروع ہی کیا تھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ چلا اٹھا جس حکومت کی بنیاد اہل بیت کے خون سے رکھی گئی ہے۔ میں اس حکومت پر تھوکتا بھی نہیں۔ پھر بھی یزید کے مرنے کے بعد لوگوں نے زبردستی اس کے لڑکے معاویہ رضی اللہ عنہ کو تخت پر بٹھا ہی دیا۔ لیکن ابھی بیٹھا ہی تھا۔ کہ چیخ مار کر اور یہ کہہ کر اٹھ بیٹھا۔ کہ اس تخت سے مجھے حسین رضی اللہ عنہ کے خون کی بو آتی ہے۔

اور وہ اپنے حجرہ میں ایسا چھپا۔ کہ پندرہ دن کے بعد اس کی لاش ہی نکلی۔

درسِ عمل

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اوران کے جانثار ساتھی میدان کربلا کے حق و باطل کے معرکے میں شہید ہو گئے۔ان کی لاشوں پر گھوڑے دوڑائے گئے۔ان کے خیمے جلائے گئے۔اور ان کو قیدی بنایا گیا۔مگر وہ دنیائے اسلام کی راہنمائی کے لئے اپنے خون سے......ایک چراغ جلا گئے۔اور قیامت تک کے مسلمانوں کو یہ درس عمل دے گئے۔کہ جب کبھی حق وصداقت کی راہ سے ہمارے قدم ڈگمگا جائیں۔تو شہدائے کربلا کا سہارا لیں......اور جب کبھی دین واسلام کے دامن پر فسق وفجور کے سیاہ دھبے پڑ جائیں۔تو امام حسین رضی اللہ عنہ کی مثال کو سامنے رکھ لیں۔اور جب کبھی مسلمانوں کے دل ودماغ پر ملوکیت و باطل پرستی مسلط کردی جائے۔تو فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لال کے نقش قدم پر چل کر نجات حاصل کریں۔اور جب کبھی اس خطۂ ارضی پر فرعونیت ویزیدیت کا رواج ہو جائے۔تو اسوۂ حسینی رضی اللہ عنہ کو پیش نظر رکھ لیں۔اور جب کبھی کوئی حکومت مخلوق خدا کے انسانی حقوق کو پامال کرے۔تو حضرت شبیر رضی اللہ عنہ کے دامن کو تھام لیں۔اس لئے:۔

اے غم حسین رضی اللہ عنہ میں رونے والو......اے شہدائے کربلا کے جلوس نکالنے والو......اے امام پاک کا ماتم کرنے والو......اور اے محبت حسین رضی اللہ عنہ کا دعویٰ کرنیوالو......اگر دین وشریعت کی حدوں کو ٹوٹتے ہوئے دیکھ کر بھی تمہارے دل بے چین نہیں ہوتے۔اگر اسلام سے بغاوت ہوتی دیکھ کر بھی تمہاری آنکھیں نہیں روتیں۔اگر حق وصداقت کے علم کو سرنگوں ہوتا دیکھ کر بھی تمہاری روح نہیں تڑپتی۔اگر اسلامی نظام کو تہہ وبالا ہوتا دیکھ کر بھی تمہارے سینوں میں آگ نہیں لگتی۔اگر عدل وانصاف کو مٹتا دیکھ کر بھی تمہاری غیرت جوش میں نہیں آتی۔اگر تم دین ومذہب کے مقابلے میں اپنے بچوں کو عزیز سمجھتے ہو۔اور اگر تم تہہ خنجر بھی سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی نہیں پکار سکتے۔تو پھر غم حسین رضی اللہ عنہ میں

تمہارا رونا بے کار۔ جلوس نکالنے بے فائدہ، ماتم کرنا محض دکھلاوا۔ اور دعویٰ محبت جھوٹا۔

کیونکہ...... فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لال کی یہ عظیم قربانی جہاں ہمیں عزم واستقلال کا سبق دے گئی۔ تسلیم ورضا کی تعلیم دے گئی۔ ایثار وقربانی کی راہ دکھا گئی۔ اور سخاوت وعبادت کی حقیقت بتا گئی۔ وہاں ہمیں یہ تلقین بھی کرتی ہے کہ ہر فاسقانہ وفاجرانہ حکومت کا اعلانیہ مقابلہ کرو۔ اور کسی ایسی حکومت کی اطاعت وفرمانبرداری نہ کرو۔ جس کے احکام میں شریعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرفداری نہ ہو۔ اور خطرناک سے خطرناک حالات میں بھی کسی مصلحت وقت کا بہانہ بنا کر اور تقیے کی بزدلی کا سہارا لے کر خاموش رہنا گناہ ہے۔ اور دین سے غداری ہے۔

کیا...... ہم دین میں پانچ وقت بارگاہ رب العزت میں دست بستہ کھڑے ہو کر یہ دعا نہیں کرتے:

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ. صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ

کہ اے اللہ ہمیں اپنے انعام یافتہ لوگوں کا راستہ دکھلا۔ اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ اور وہ لوگ اور وہ نفوس قدسیہ جو انعام یافتہ ہیں۔ وہ چار گروہ ہیں۔ انبیاء۔ صدیقین۔ شہداء۔ اور صالحین۔ تو جن انعام یافتہ لوگوں کی سیدھی راہ پر چلنے کے لئے ہم بارگاہ رب العزت سے دن میں پانچ دفعہ التجا کرتے ہیں۔ ان میں شہداء کا گروہ بھی ہے۔ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سید الشہداء ہیں! تو پھر جب ہم سید الشہداء رضی اللہ عنہ کی سیدھی راہ پر چلنے کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ تو پھر ہمیں ان کی عملی زندگی کو کسی صورت میں بھی اور کسی حالات میں بھی نظر انداز نہیں کرنی چاہیئے۔ حالانکہ صراط مستقیم یعنی سیدھی راہ یہی ہے۔ غرضیکہ جس سیدھی راہ کے لئے ہم دعائیں کرتے ہیں۔ وہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لال کی بھی راہ ہے۔

اس لئے آؤ غم حسین رضی اللہ عنہ میں آنسو بہانے والو آؤ جلوس نکالنے والو آؤ پیٹنے والو آؤ...... اور محبت حسین رضی اللہ عنہ کا دعویٰ کرنیوالو آؤ۔ اور نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیدھی راہ پر چلیں...... ان کی تحریک کو زندہ رکھیں۔ اور اپنے اندر وہی عزم

واستقلال..... وہی تسلیم ورضا...... وہی جذبۂ ایثار وقربانی اور وہی طریقۂ سخاوت وعبادت پیدا کریں۔یہی اسوۂ حسینی ہے۔یہی ان کی تعلیم ہے۔اور یہی ان کا دیا ہوا درس عمل ہے۔اور کیا ہم محرم کے دس دنوں میں آنسو بہا کر۔تعزیے نکال کر اور سینہ کوبی کر کے ان کے احسان عظیم کا بدلہ دے سکتے ہیں؟ کیا یہ چیزیں ہماری محبت کا ثبوت بن سکتی ہیں؟ اور کیا ہم ان کی غلامی کا صحیح حق ادا کر رہے ہیں..... نہیں! اور ہرگز نہیں۔

تو آؤ۔اگر واقعی شہدائے کربلا سے کوئی تعلق ہے۔اور اگر صحیح معنوں میں ہمیں امام حسین رضی اللہ عنہ، سے محبت ہے۔تو پھر ان کے خون کے ہر قطرے کی یہ آواز سنیں..... کہ

قتل حسینؓ اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

آؤ...... اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لال کے روحانی انقلاب کو زندہ کریں۔ان کی عظیم قربانی سے سبق سیکھیں...... ان کے غم کو شب وروز تازہ رکھیں۔اور اپنے آپ کو مکمل طور پر ان کے مقدس دامن سے وابستہ کر کے دنیا کے باطل پرست انسانوں کو بتا دیں۔کہ دنیا کے بڑے بڑے تاجدار تو مٹ سکتے ہیں۔بڑے بڑے جابر حکمران تو فنا ہو سکتے ہیں۔اور بڑے بڑے پرشکوہ بادشاہ تو بے نشان ہو سکتے ہیں۔مگر ایک حق پرست انسان بے سروسامان ہونے کے باوجود بھی نہیں مٹ سکتا۔اور اپنے جاہ وجلال پر ناز کرنے والے حکمرانوں کو دکھا دیں۔کہ فرعون مٹ گیا..... نمرود فنا ہو گیا۔ابو جہل ختم ہو گیا۔اور یزید بے نشان ہو گیا۔مگر سیدہ رضی اللہ عنہا کا لال رضی اللہ عنہ ابھی زندہ ہے۔

اس لیے کہ ان کا روحانی انقلاب ابھی زندہ ہے۔ان کا دیا ہوا درس عمل ابھی زندہ ہے۔ان کے نام لیوا ابھی زندہ ہیں۔ان کے غلام ابھی زندہ ہیں۔مسلمان ابھی زندہ ہیں۔اور خاکِ کربلا ابھی زندہ ہے

نہ یزید کا وہ ستم رہا نہ زیاد کی وہ جفا رہی
جو رہا تو نام حسینؓ کا جسے زندہ رکھتی ہے کربلا

آؤ...... اے اپنے سیّد ہونے پر فخر کرنے والو...... آؤ! اپنی سادات پر ناز کرنے والو

اٹھو......اپنے آپ کو اہل بیت کہلانے والو جاگو......آل نبی ﷺ اور اولاد علی رضی اللہ عنہ کی سعادت حاصل کرنے والو آنکھیں کھولو......اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، سے خونی رشتہ رکھنے والے سیدو اپنے مقام کو پہنچانو!

آفتاب اسلام آپ کے گھر سے طلوع ہوا۔ ماہتاب دین آپ کے حجرے سے چمکا۔ چشمۂ شریعت وہدایت آپ کے آستانے سے پھوٹا۔ اور نور قرآن آپ کے مصلّٰی سے ضیاء بار ہوا۔

فرشتوں نے تمہارے گھر کی دربانی کی۔ جبرائیل علیہ السلام نے تمہارے در کی غلامی کی۔ اور حوروں نے تمہاری شان اقدس کے قصیدے پڑھے۔ اور خود خدا تعالیٰ نے تمہاری عظمت میں آیت تطہیر نازل فرمائی...... اور محراب ومنبر کے وارث! قرآن ومصلّے کے حقدار! دین وشریعت کے پاسبان۔ رشد وہدایت کے مرکز! حق وصداقت کے علمبردار! سخاوت وعبادت کے منبع......عدالت وامامت کے پیشوا! فقر ودرویشی کی بنیاد۔ اور خلافت اسلامیہ کے محافظ تم ہو۔

اس لئے اپنے نانے مصطفیٰ ﷺ کا یہ فرمان یاد کرو۔ کہ میں نسل انسانی کی ہدایت ورہنمائی کے لئے دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اپنی عترت۔ مگر اے عترت رسول ﷺ۔ تم مخدوم اور مخدوم زادے تو بن گئے۔ لیکن افسوس کہ تم مبلغ دین واسلام نہ بن سکے۔ عامل قرآن وشریعت نہ بن سکے۔ پابند صوم وصلوٰۃ نہ بن سکے۔ اور اولاد علی رضی اللہ عنہ ہو کر تم علی رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر نہ چل سکے۔ حالانکہ یہ سب کچھ تمہارے ذمے تھا۔ اور ہے۔

دین واسلام کی تبلیغ! قرآن وشریعت کی نگہبانی! حق وصداقت کی حفاظت۔ امانت خداوندی کی رکھوالی۔ اور فقر ودرویشی کی پاسداری تمہارے ذمے تھی۔ اور اب بھی ہے۔ حق پرستی تمہارا شعار تھا۔ اور حق گوئی تمہارا منصب۔ عبادت وسخاوت تمہارا شیوہ تھا۔ اور ہدایت وامامت تمہارا پیشہ...... اور یہ محراب ومنبر تمہارے تھے۔ اور یہ مسجدیں اور مصلّے بھی تمہارے۔ یہ مدرسے بھی تمہارے تھے۔ اور یہ خانقاہیں بھی تمہاری۔

اورتمہارے باپ نے ظالموں کے گھوڑوں کے نیچے بھی سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم کہا تھا۔تہہ خنجر بھی سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی پکارا تھا۔اور نیزے کی نوک پر بھی قرآن سنایا تھا۔مگر تم سوچو اور اپنی آنکھوں سے غفلت کے پردے اٹھا کر دیکھو۔کہ تم کیا تھے۔اور اب کیا ہو۔کیا یہ عیش پرستی! یہ دنیاداری...... یہ بے عملی...... یہ جہالت یہ عیاشی...... یہ شکاری کتے......اور یہ سامان تعیش تمہاری شان کے لائق ہے......اور کیا تمہارے مقام کے شایان شان ہے......؟

نہیں! ہرگز نہیں!!

تو پھر اٹھو......! خدا کے لئے اٹھو......! اپنے نانے ﷺ اور دادے ﷺ کے نام کے لیے اٹھو......! اپنے سینوں میں قرآن لے کر اٹھو......! اپنے دلوں میں امام حسین رضی اللہ عنہ کا عزم لے کر اٹھو...... اور حضرت شبیر کا جاہ وجلال لے کر اٹھو۔اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لال کا جذبہ لے کر اٹھو۔اپنے بازوؤں میں قوت حیدری لے کر اٹھو۔

اٹھو! اور باطل پرست دنیا کو ایک بار پھر شجاعت علی رضی اللہ عنہ دکھا دو۔عظمت حسین رضی اللہ عنہ بتا دو۔اور حق پرستی وحق گوئی کی دھوم مچا دو۔

اٹھو......! اور زمانے کو عترت پیغمبر ﷺ کی شان دکھا دو...... ! فاطمہ رضی اللہ عنہا کی آن بتا دو...... ! اٹھو......! اور زمانے کے رہبر بن جاؤ...... دنیا کے راہنما بن جاؤ...... نسل انسانی کے پیشوا بن جاؤ۔اور مسلمانوں کے مقتداء بن جاؤ......!

یہ رسم خانقاہی ہے غم واندوہ دلگیری
نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری

خاتمہ!

اگر چہ موضوع بڑا ہی نازک اور دردناک تھا۔ اور میری کم علمی بھی اس موضوع پر خامہ فرسائی کرنے میں مانع تھی۔ مگر پھر بھی عقیدت اہل بیت۔ غلامی آل مصطفیٰ ﷺ اور غم حسینؓ کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے بھروسے...... اس کے محبوب پاک کی رحمت کے سہارے اور عترت پیغمبر ہی کے لطف و کرم کے آسرے پر یہ جرأت کر بیٹھا۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ کہ میرے مرشد لا ثانی کا صدقہ۔ والد مرحوم کے فیض اور ماں کی دعاؤں کے نتیجے میں میں نے جس منزل کی طرف قدم بڑھایا تھا۔ وہ ہاتھ آ گئی۔ اور جس دریائے ناپید میں غوطہ زن ہوا تھا۔ اس کا کنارہ مل گیا۔ اور میری وہ کشتی جو چار مہینے تک سمندر کی موجوں کے تھپیڑوں میں ہچکولے کھاتی رہی، ساحل پر آ پہنچی...... اور میں نے جس مقصد کے لئے قلم اٹھایا تھا، وہ پورا ہو گیا...... اور کتاب مکمل ہو گئی۔ آخر میں میں پھر قارئین کرام کی خدمت میں دردمندانہ درخواست کرتا ہوں۔ کہ اگر میری اس کتاب ''خاک کربلا'' میں کوئی غلطی دیکھیں۔ تو معاف فرمائیں۔

نیاز مند:

صاحبزادہ سیّد افتخار الحسن

طارق آباد۔ لائلپور

بروز جمعۃ المبارک بمطابق ۸ ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ

علماء و خطباء اور عوام الناس کیلئے مفید اور نایاب سلسلہ
استاذ العلماء
حضرت علامہ
محمد دین چشتی گولڑوی صاحب
کی مایہ ناز تصنیف
کنز الخطیب
بارہ جلدوں پر مشتمل
محرم الحرام
محرم الحرام شریف سے متعلق بارہ خطبوں پر مشتمل
بارہ وعظ
صفر المظفر
ولایت کا تعارف اور ماہ صفر میں وصال پانے والے چند اولیاء اللہ کے حالات پر مشتمل
بارہ وعظ
ماہ ربیع الاول
میلاد سرکار دو عالم ﷺ پر مشتمل
بارہ وعظ
ماہ ربیع الثانی
علامات محبت اولیاء اللہ اور حضور شیخ عبد القادر جیلانی کے حالات پر مشتمل
بارہ وعظ
ماہ جمادی الاولیٰ
مقصد تخلیق اور نماز پر مشتمل
بارہ وعظ
ماہ جمادی الاخریٰ
جمادی الاخریٰ کا تعارف اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے پہلوؤں پر
بارہ وعظ
ماہ رجب المرجب
معراج النبی ﷺ کے علاوہ امام اعظم ابو حنیفہ خواجہ اجمیری اور دیگر موضوعات پر مبنی
بارہ وعظ
ماہ شعبان المعظم
فضائل شعبان، فضائل زکوٰۃ، تحویل قبلہ اور محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد اور دیگر موضوعات پر مشتمل
بارہ وعظ
ماہ رمضان المبارک
فضائل رمضان، فضائل قرآن، فضائل لیلۃ القدر کے علاوہ حضرت علی اور سیدہ فاطمہ
اور جنگ بدر جیسے موضوعات پر مشتمل
بارہ وعظ
ماہ شوال المکرم
فضائل عید الفطر، فضائل صدقہ کے علاوہ حقوق والدین روح ملک الموت مومن کی موت
اور ایصال ثواب جیسے اہم موضوعات پر مشتمل
بارہ وعظ
ماہ ذی القعدہ
فضائل ذیقعدہ، فضائل مدینۃ المنورہ، تعمیر کعبۃ اللہ عمرہ اور دیگر موضوعات پر مشتمل
بارہ وعظ
ماہ ذی الحجہ
فضائل ذی الحجہ، فضائل و مسائل حج، عید الاضحیٰ، شہادت حضرت عثمان غنی
شہادت حضرت عمر اور دیگر موضوعات پر مشتمل
بارہ وعظ
مکتبہ نوریہ رضویہ گلبرگ اے فیصل آباد

مصنف کی دیگر تصانیف
مقامات نبوت
مقامات صحابہ
مقامات اولیا
کفر یزید
اللہ کے شیر
المعراج
ماہ کنعان
زندگی
گستاخ رسول کی سزا
نسبت با جنت